

ابنِ صفی

جلد نمبر

6

جاسوسی دنیا

18- عجیب آوازیں

19- رقاصہ کا قتل

20- نیلی روشنی



پیشترس

خاص نمبر کے بعد فریدی اور حمید کا دوسرا کارنامہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ ایک رنگین مزاج اور دولت مند لڑکی کی داستان ہے۔ جس کا مگیت عجیب و غریب حالات میں موت کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا عاشق جیل میں پہنچ جاتا ہے۔

عالیہ ایک رنگین مزاج لڑکی تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ساتھ ہی ساتھ آزاد خیال بھی تھی۔ روزانہ نئے نئے دوست بناتی تھی۔ لہذا اس حادثے کے رونما ہونے پر لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ عالیہ بھی اس سازش میں شریک تھی۔ ممکن ہے اس نے کسی نئے دوست کی خاطر ان دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔ بظاہر حالات عالیہ کے خلاف ہی تھے۔

لیکن فریدی اس کیس کو اتنا سطحی نہیں سمجھتا۔ وہ ایک ایسی حیرت انگیز بات دریافت کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور پھر وہ صحیح مجرم کو منظر عام پر کھینچ لاتا ہے۔ سرجنٹ حمید نے بھی اس داستان میں کئی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ قہقہے بکھیرے ہیں۔

دلچسپ حادثہ

بات کچھ بھی رہی ہو لیکن انسپکٹر فریدی کا تار ملتے ہی حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔ وہ اس بار تہیہ کر کے اپنے وطن آیا تھا کہ کم از کم ایک ماہ تو ضرور اپنے اعزہ کے ساتھ گزارے گا۔ مگر ٹھیک چند رہویں دن فریدی کا تار ملا اور تار کا مضمون بھی کچھ اس قسم کا تھا کہ وقتی طور پر جھلاہٹ لازمی تھی۔

لکھا تھا۔ ”جلد آؤ! لطف رہے گا۔“

”کیا خاک لطف رہے گا۔“ حمید تار کا فارم مٹھی میں ملتا ہوا بڑبڑایا۔ ”لطف یہ رہے گا کہ دن رات جھک ماریے! چھٹیوں میں بھی چین نہیں! سراغ رسائی سالی اوڑھنا بچھونا ہو کر رہ گئی ہے۔“

”بہر حال قہر درویش برجان درویش۔ بستر باندھنا ہی پڑا۔ اگر صرف افسری اور ماتحتی کے تعلقات ہوتے تو شاید وہ استعفیٰ ہی لکھ کر بھیج دیتا۔“

سفر کے دوران میں اس کا موڈ خراب ہی رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یکایک کونسی ایسی مصیبت آگئی۔ اس دوران میں اخبارات میں بھی سنسنی خیز حادثے کی کوئی خبر نہیں شائع ہوئی تھی۔

ٹرین تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی اور حمید کھڑکی کے قریب بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ طبیعت اتنی بیزار تھی کہ وہ کسی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ کمپارٹمنٹ میں اس کی دلچسپی کا کافی سامان موجود تھا مگر طبیعت تھی کہ غیر حاضر۔ اکثر کئی کھٹکتے ہوئے ریلے قہقہے اس کے کانوں میں گونج اٹھتے اور وہ دوسرے کنارے پر بیٹھی ہوئی تیز دھڑار لڑکیوں کی طرف دزدینہ نظروں سے

دیکھ کر رہ جاتا۔ اس سے زیادہ دلچسپی لینا کم از کم اس وقت اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ زیادہ تر خیالات اور جھنجھلاہٹ کی کشمکش جاری رہنے کے بعد دماغ پر کاہلی سی مسلط ہو گئی تھی جسے پیہوں کی گھڑ گھڑاہٹ کی یکسانیت نے کچھ اور گہرا کر دیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور کھڑکی پر سر ٹیکے اوگھ رہا تھا۔

دفعتاً کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر پلٹا۔

”معاف کیجئے گا میری وجہ سے آپ کے آرام میں خلل پڑا۔“ اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

”فرمائیے۔“

”کیا عرض کروں! میری دیاسلانی شاید کہیں گر گئی ہے۔“ اس نے جھپنی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

حمید کا دل چاہا کہ اس کی گردن پکڑ کر کھڑکی سے دھکیل دے! یہ ایک جوان العمر تو تھا اور وجہ یہ آدمی تھا۔ لباس سے متول معلوم ہوتا تھا۔ انگلیوں میں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں تھیں۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی چین میں بھی الماس کے چھوٹے چھوٹے مستطیل ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ حمید نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا۔ وہ کوئی بے ٹکا جملہ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں ندامت دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

”لیجئے دیاسلانی حاضر ہے۔“ حمید نے دیاسلانی جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

”شکریہ۔“ اس نے اپنا سگریٹ کیس کھول کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میں سگریٹ نہیں پیتا۔“ حمید نے کہا۔

”خوب۔“ وہ اپنی سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ ”لیکن رفاہ عام کیلئے دیاسلانی ضرور رکھتے ہیں۔“

حمید اس کی بے تکلفی پر جھلا گیا۔

”جی نہیں۔“ اس نے منہ بنا کر کہا۔ ”مجھے رفاہ عام قسم کی حرکتوں سے کوئی دلچسپی نہیں میں

پائپ پیتا ہوں۔ سگریٹوں کے کاغذ مجھے بدبودار معلوم ہوتے ہیں۔“

”لیکن یہ مصری سگریٹ ہیں، اچشین اسپیشل۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔

حمید نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر جیب میں ڈال لی اور پائپ نکال کر اس میں

تبہا کو بھرنے لگا۔ اجنبی متحیر نظروں سے دیکھنے لگا۔

”بات دراصل یہ ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اس سگریٹ کا صرف نام سنا تھا۔ مگر پینے کا اتفاق نہیں ہوا۔ میں اسے بطور یادگار اپنے پاس رکھوں گا اور مرتے وقت اپنے بڑے لڑکے کو دے کر وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی مرتے وقت اپنے بڑے لڑکے کو دے کر یہی وصیت کر جائے کہ وہ اپنے لڑکے کو....!“

اجنبی کے چھت شکاف قہقہے کی وجہ سے جملہ جہاں کا تھاں رہ گیا۔

”بخدا آپ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ اجنبی اپنی ہنسی روکتا ہوا بولا۔

”جناب۔“ حمید نے ہونٹ سکڑ کر کہا۔ ”ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔“

”کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔“

”مسول۔“

”کسی کام سے۔“

”جی نہیں علاج کرانے کی نیت سے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”پرسوں مجھے ایک پاگل کتے نے کاٹ لیا۔“

”خوب....!“ اجنبی مسکرا دیا۔

”بھلا اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے۔“ حمید بگڑ کر بولا۔ ”کیا آپ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔“

”جی نہیں.... جی نہیں۔“ اجنبی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

”تو پھر آپ مسکرائے کیوں۔“

”کچھ نہیں یونہی.... یونہی۔“

”یونہی مسکرائے تھے آپ۔“ حمید نے طیش میں آ کر کہا۔ ”لیکن یونہی مسکراتا کچھ اچھی

علامت نہیں۔“

”ارے صاحب آپ تو خواہ مخواہ۔“

”خواہ مخواہ کیا۔ میں خواہ مخواہ باتیں کر رہا ہوں؟ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں پاگل ہوں۔“

”نہیں صاحب۔ نہیں صاحب۔“ اجنبی پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

”پیچھے کیوں کھسک رہے ہو؟ کیا میں کاٹ کھاؤں گا۔“

”ارے صاحب آپ نے۔“ اجنبی کھیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور لڑکیاں آنکھیں پھاڑے
حمید کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”آپ اکیلے سفر کر رہے ہیں۔“ اجنبی پھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

”جی نہیں! میرے ساتھ ہزاروں اس ٹرین میں سفر کر رہے ہیں.... پھر؟“

”جناب میں معافی چاہتا ہوں۔“ وہ گہرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

”معافی.... کس بات کی معافی۔ آپ نے میرا کیا بگاڑا ہے۔“ حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ
بے تحاشہ زنجیر کی طرف بڑھا۔ کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ بھی گہرا کر کھڑے ہو گئے۔

”یہ کیا حماقت!“ حمید نے اُسے کھینچ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ”آپ زنجیر کیوں کھینچنے جا رہے
ہیں۔ کیا آپ سچ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔“

اجنبی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اب
حمید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں کوئی دوسرا زنجیر نہ کھینچ لے کیونکہ قریب بیٹھے ہوئے کئی
آدمیوں نے اسے یہ کہتے سنا تھا کہ وہ بغرض علاج کسولی جا رہا ہے۔

”آپ حضرات تشریف رکھئے۔“ حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”میں مذاق کر رہا تھا۔“ کچھ
مسکراتے کچھ جھنجھلاتے ہوئے بیٹھ گئے۔

”لیکن میں اس بے تکلی حرکت کا مطلب نہیں سمجھا۔“ اجنبی بگڑ کر بولا۔

”آپ نے مجھ سے دیا سلامتی مانگی تھی۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”اگر بات یہیں تک رہتی تو
خیر۔ لیکن آپ کے جملے سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ آپ بے تکلفی پر آمادہ ہیں اور آپ پر یہ
بھی واضح رہنا چاہئے کہ میں اجنبیوں سے بے تکلفی کا عادی نہیں۔“

اجنبی ہنسنے لگا۔ لیکن اس ہنسی میں شرمندگی کے ساتھ جھنجھلاہٹ بھی موجود تھی۔ ”خیر چلئے
بات ختم ہوئی۔“ اس نے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو ذرا دیا سلامتی پھر
عنایت فرمائیے گا۔“

”شوق سے۔“ حمید نے دیا سلامتی بڑھادی اور اجنبی سگریٹ سلگانے لگا۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے مسافر انہیں برابر گھورے جا رہے تھے۔

”محض آپ کی وجہ سے یہ سب لوگ مجھے پاگل سمجھنے لگے ہیں۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

اجنبی نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک بار پھر اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔
”آپ کہیں پڑھتے ہیں۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

حمید ادھر ادھر کی باتوں میں اس کا سوال ٹال گیا۔ پھر اور بھی باتیں چھڑ گئیں۔ دوران گفتگو
میں پتہ چلا کہ دونوں کی منزل ایک ہی ہے۔

”مجھے دراصل محکمہ سراغ رسانی کے آفسر سے ملنا ہے۔“ اجنبی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

”کیوں؟ کس سے؟“ حمید چونک کر بولا۔

”انسپکٹر فریدی سے۔“

”اوہ....!“ حمید کے چہرے پر عجیب سے آثار پیدا ہو گئے، لیکن وہ سنجھل گیا اور پھر اس
طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

”میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میں نے کئی دن قبل فریدی صاحب کو ایک خط لکھا۔
تھا جس کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ اب میں خود ہی ان سے ملنے کے لئے جا رہا ہوں۔“ حمید سوپنے
لگا۔ کیا فریدی نے اسے اسی کے لئے بلایا ہے؟ لیکن اس نے اجنبی سے اس کے متعلق گفتگو کرنا
مناسب نہ سمجھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ شخص کوئی الٹی سیدھی کہانی لے کر فریدی کے پاس پہنچ
گیا تو خواہ مخواہ بقیہ چھٹیاں بھی برباد ہو جائیں گی۔

”آپ اس سے قبل بھی انسپکٹر فریدی سے ملے ہیں۔“ حمید نے پوچھا اور اجنبی چونک کر
اُسے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ ”معاف
کیجئے گا میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“ اجنبی نے احتیاط سے چاروں طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔

حمید کا استعجاب اور بڑھ گیا۔

”مگر ابھی تو آپ....!“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ اجنبی اس کی بات کاٹ کر آہستہ سے بولا۔ ”معلوم نہیں آپ کون

ہیں! میں بہت پریشان ہوں۔ محض رازداری کے خیال سے میں سیکنڈ کلاس میں سفر کر رہا ہوں۔“

”ورنہ تھرڈ کلاس میں کرتے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”اس کی نظریں اس کی بیش قیمت

انگوٹھیوں اور گھڑی کی چین پر جمی ہوئی تھیں۔“

”جی نہیں! یہ بات نہیں۔ فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کے لئے جگہ مخصوص کرانی پڑتی۔“

”بہت اچھے۔“ حمید نے قہقہہ لگایا۔ ”اب شاید آپ مجھ سے بدلا لینا چاہتے ہیں۔“

”یہ بات نہیں۔“ اجنبی بے چینی سے بولا۔ ”میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر آپ یہ ذکر ہی

چھوڑ دیں۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ غور سے اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر کسی قسم کے جذبات کے آثار نہ تھے اور آنکھوں کی بے تکلفی سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت خالی الذہن ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے اور پھر وہ حمید کی گردن کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کی آنکھیں اس طرح ویران نظر آرہی تھیں جیسے وہ اندھا ہو۔ حمید گھبرا کر پیچھے کھسک گیا۔ دوسرے مسافر انہیں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ان کے سامنے دو مداری اپنے اپنے کرتب دکھا رہے ہوں۔

”پیچھے ہٹئے۔“ حمید نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر پیچھے کی طرف کھینکتے ہوئے کہا۔

”ڈر گئے۔“ اجنبی نے قہقہہ لگایا۔ ”کیوں لے لیا نہ بدلہ۔“

حمید بُری طرح جھینپ رہا تھا۔

”دیکھا آپ نے آرٹ اسے کہتے ہیں۔“ اجنبی نے سنجیدگی سے کہا۔

”آپ جیسا زیرک آدمی بھی دھوکا کھا گیا۔“

حمید ہنسنے لگا۔ دوسرے مسافر بھی ہنس رہے تھے۔

”میں نے ابھی تک جتنی باتیں کیں، سب بکواس تھیں۔“ اجنبی نے کہا۔

”خیر اس پر مجھے کسی طرح یقین نہیں آسکتا۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔ ”آپ نے ساری

باتیں سچ کہی تھیں اور آپ انہیں مذاق کا رنگ دینا چاہتے ہیں۔“

”آپ یقین کیجئے۔“ اجنبی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”بھلا میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں۔ جب کہ خود میں انیکٹر فریدی ہوں۔“ حمید نے

آہستہ سے کہا۔

اجنبی بے ساختہ اچھل پڑا۔

سامنے کی برتھ پر ایک پروفیسر نما آدمی اپنے سپاٹ سر پر ہاتھ بھیرتا ہوا دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ ”بعض نوجوان عجیب و غریب حرکتوں کے ذریعہ لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

اجنبی نے اس کا یرمادارک صاف سنا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔ وہ بدستور آنکھیں پھاڑے حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

”آپ.... آپ۔“ وہ ہکھلایا۔

”جناب۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”آپ کا خط دلچسپ ضرور تھا لیکن مجھے اس کی صداقت پر شبہ تھا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ سے ملنے سے پہلے ہی حالات کا جائزہ لے لوں اور اب آپ کے ساتھ ہی واپس جا رہا ہوں۔“

”تو آپ نے حالات کا جائزہ لے لیا۔“ اجنبی بے چینی سے بولا۔ ”اور آپ کو اب میرے بیان پر کسی قسم کا شبہ نہیں۔“

”قطعی نہیں۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا ”اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ آپ کی زندگی ریوالور کی نال پر رکھی ہوئی ہے اور کسی وقت بھی آپ مر سکتے ہیں۔“

”اوہ....!“

”جناب۔“ حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا اور پھر تھوری دیر بعد آہستہ سے بولا۔

”ان مسافروں میں سے بھی کوئی آپ کا دشمن ہو سکتا ہے۔“

”تو کیا ہم کپار ٹمنٹ بدل دیں۔“ اجنبی نے پوچھا۔

”قطعی! لیکن صرف آپ! میں آپ سے علیحدہ رہ کر ہی آپ کی حفاظت کر سکوں گا۔“

اجنبی گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”چونکنے کی ضرورت نہیں۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”آپ شاید اسی وقت اپنی موت بلانا چاہتے ہیں۔ کھڑکی کے باہر دیکھئے۔“

اجنبی نے فوراً تعمیل کی اور پھر پلٹ کر دوسری طرف نہیں دیکھا۔ جیسے ہی گاڑی اسٹیشن پر رکی وہ اپنا ٹیپٹی اٹھا کر نیچے اتر گیا۔

”اسٹیشن پر مل جائیے گا۔“ حمید نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا اور پھر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

دوڑنے کا گمان ہو سکتا تھا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ زینے طے کرتا ہوا اوپری منزل کی طرف جارہا تھا۔

تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ حمید آہستہ آہستہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فریدی اپنے ایک خونخوار بلند ہاؤنڈ (Blood Hound) کی زنجیر تھامے کھڑا تھا، جو ایک کپڑے کے قد آدم جسے پر حملہ کرنے کے لئے زور کر رہا تھا۔ مجسمہ یونہی بھدے قسم کا تھا۔ لیکن اسے جو سوٹ پہنایا گیا تھا کافی قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ کتے کے جوش و خروش سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر وہ کسی طرح چھوٹ گیا تو مجسمے کے پرچے اڑا دے گا۔

دفترا فریدی نے زنجیر اس کی گردن سے نکال لی اور کتا کپڑے کے مجسمے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اس بُری طرح ادھیڑ رہا تھا اور فریدی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ پھر وہ کتے اور مجسمے کی طرف سے لا پرواہ ہو کر سگار سلگانے لگا۔

”آپ اس بیچارے کی مدد نہیں کر رہے ہیں۔“ حمید نے باہر سے کہا اور فریدی چونک پڑا۔
”اوہ تم آگے.... اتنی جلدی امید نہیں تھی۔“

فریدی نے دروازہ کھول دیا۔ حمید نے اندر پہنچ کر دیکھا کہ مجسمے کے بجائے اب چیتھڑوں کا ڈھیر کتے کے جوش غضب کا شکار بنا ہوا ہے۔

”آپ خیریت سے ہیں نا۔“ حمید نے کتے کی طرف سے نظریں ہٹا کر فریدی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کتے خانے کا نگران اندر داخل ہوا۔ فریدی نے زنجیر اُسے دے دی اور حمید سے مخاطب ہوا۔
”تار کل شام ہی کو مل گیا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن اس وقت فوراً ہی کوئی ٹرین نہ مل سکی۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔ ”اور بذریعہ جہاز آنے میں اخراجات زیادہ بیٹھتے۔“

”تمہاری عدم موجودگی میں بہت اداس رہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”اور آپ کے قریب رہ کر مجھے اداس ہونے کا بھی موقع نہیں ملتا۔“ حمید خشک لہجہ میں بولا۔

اس کے بعد بقیہ سفر اونگھتے ہی گذرا۔ حمید نے اُسے بیوقوف بنا دیا تھا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ وہ ہے کون؟ اور فریدی سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔

منزل مقصود پر پہنچ کر وہ قلیوں سے گفتگو کر رہی رہا تھا کہ اجنبی بھی آکر کھڑا ہو گیا۔ لیکن حمید نے کچھ ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے اس نے اسے اس سے قبل دیکھا ہی نہ ہو۔
”اب آپ کیا چاہتے ہیں۔“ اجنبی نے پوچھا۔

”جی....!“ حمید تحیر آمیز لہجہ میں بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“
”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ اجنبی نے چونک کر کہا۔

”کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔
”ارے....!“ اجنبی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور حمید ہنسنے لگا۔ پھر اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔

”آرٹ اسے کہتے ہیں.... امید ہے کہ اب آپ اس کا بھی بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔“
حمید اُسے پلیٹ فارم پر چھوڑ کر قلی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

حیرت انگیز تجربہ

کوٹھی پہنچ کر حمید نے سامان اپنے کمرے میں پھینکا اور فریدی کی تلاش کرنے لگا۔ نوکروں سے معلوم ہوا تھا کہ وہ گھر ہی میں ہے، لیکن کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کس کمرے میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ نوکروں نے یہ بھی بتایا کہ فریدی نے انہیں شاگرد پیشہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے وہ کوٹھی کے اندر بھی نہیں جاسکتے تھے۔

حمید اندرونی راہداری سے گذر رہا تھا عجائبات کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دفترا اسے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ غراہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کتا انتہائی غصے میں ہے۔ آواز فریدی کی تجربہ گاہ سے آرہی تھی جو اوپری منزل پر تھا۔ حمید نے عجائبات کے کمرے میں جھانکا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رک کر کچھ سوچنے لگا۔ کتے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔ حمید تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف پلٹا۔ اس کی رفتار کچھ اتنی تیز تھی کہ بادی النظر میں

اس دوران میں کتے خانے کانگراں بلڈ ہاؤنڈ کے گلے میں زنجیر ڈال چکا تھا اور اب اُسے باہر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کتا کسی طرح بیٹنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

”یوں نہ جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اپنے ساتھ وہ ڈھیر بھی لے جاؤ۔“

پھر فریدی نے بڑھ کر کتے کی زنجیر پکڑ لی اور نگران چیتھروں کا ڈھیر سمیٹنے لگا۔

ایک ہاتھ پر اُس نے چیتھروں کا ڈھیر سنبھالا اور دوسرے سے کتے کی زنجیر تھام کر باہر نکل گیا۔ کتا بدستور اچھل اچھل کر اس کے ہاتھ میں چیتھرے گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”آؤ چلیں۔“ فریدی بھی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں برآمدے میں آکر آرام کر سیوں میں بیٹھ گئے۔

”شاید ابھی تک آپ کا دماغ اُس جزیرے سلوالے حادثے سے متاثر ہے۔“ حمید تھوڑی دیر

بعد بولا۔

”تمہارا خیال غلط ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”پھر یہ سب کیا تھا....؟“

”ایک تجربہ۔“

”تجربہ۔“

”ہاں.... لیکن ابھی نہیں بتاؤں گا۔“ فریدی نے بجا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ”پہلے

جا کر کپڑے اتار دو! غسل کرو! کھانا بھلا ابھی کہاں کھایا ہو گا! تم ٹھہرے پرلے سرے کے کنبوس۔“

”لیکن آپ نے مجھے بلایا کیوں ہے؟“ حمید جھلا کر بولا۔

”محبت کرنے کے لئے.... جان من اس قدر ناراض کیوں ہو۔“

حمید جھلا کر اٹھا اور اندر چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ پھر برآمدے ہی کی طرف واپس آیا

کیونکہ فریدی اندر موجود نہیں تھا۔

ابھی وہ برآمدے میں قدم بھی نہیں رکھنے پایا تھا کہ اسے ایک ایسی آواز سنائی دی جسے وہ کچھ

دیر قبل ٹرین میں سن چکا تھا۔ وہ کمرے ہی میں رک گیا۔ آواز جیج جیج اس اجنبی کی تھی جسے اس نے

ٹرین میں یو قوف بنایا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے لہجے میں متانت کی بجائے دیوانہ پن جھلک رہا تھا۔ وہ اس طرح بول رہا تھا جیسے اس پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

”فریدی صاحب۔“ آپ کو ماننا ہی پڑے گا۔ تیس ہزار چالیس ہزار، پچاس ہزار میں اس سے

بھی آگے بڑھ سکتا ہوں۔ اپنے دشمنوں کو نچا دکھانے کے لئے اپنی ساری پونجی لٹا سکتا ہوں۔

نہیں نہیں۔ فریدی صاحب! اس طرح سر نہ ہلایئے۔ خدا کی قسم پاگل نہیں ہوں۔ فریدی صاحب

میں ہوش میں ہوں۔ آپ میرے متعلق تحقیقات کر سکتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کی کمرشل ڈائریکٹر،

میں آپ کو میرا نام اور فوٹو مل سکتا ہے۔“

”مجھے یقین ہے۔“ فریدی کی پُر سکون آواز سنائی دی۔

”پھر آپ انکار کیوں کر رہے ہیں۔ جب کہ آپ کی چھ ماہ کی چھٹیاں بھی باقی ہیں۔ چلئے ساتھ

ہزار.... سفر خرچ اور دیگر اخراجات کے علاوہ.... اب آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“

”مسٹر نعیم! مجھے افسوس ہے کہ میں پھر بھی آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔“

”آخر کیوں؟ آخر کیوں؟“

”یونہی.... اصول کی بات آپڑی ہے۔“

”یعنی....!“

”معاف کیجئے گا۔ میرے پاس آپ کے یعنی کا کوئی جواب نہیں۔“

”تو میں قطعی ناامید ہو جاؤں۔“

”جی....!“

”فریدی صاحب! میں بڑی امیدیں لے کر آیا تھا۔“

”مجھے خود افسوس ہے۔“

”میں حتی الامکان آپ کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔“ اجنبی نے کہا۔

”میں نے آخری بات کہہ دی۔“ فریدی کھانس کر بولا۔ ”ویسے آپ کو اختیار ہے۔ میں

آپ کو کوشش سے تو باز نہیں رکھ سکتا۔“

”میں مایوس نہیں ہو سکتا۔“ اجنبی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔ ”کیونکہ آپ کے بعد پھر

کوئی اور نظر نہیں آتا۔ یہ میری موت اور زندگی کا سوال ہے۔ فریدی صاحب میں نے سنا تھا کہ

آپ مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ اسی لئے میں نے آپ تک آنے کی ہمت کی تھی۔“
 ”لیکن آپ سے زیادہ مظلوم بھی میرے پاس آچکے ہوں تو! اور میں انہیں مدد دینے کا وعدہ کر چکا ہوں تو ایسی صورت میں آپکے ساتھ ہزار میرے ارادے پر کس طرح اثر انداز ہو سکیں گے۔“
 ”تو کیا میرے دشمنوں نے آپ سے مدد طلب کی ہے۔“
 ”نہیں۔“

”پھر....؟“

فریدی نے اس سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک نوکر کو آواز دی۔
 ”ذرا ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی گیرج سے نکال دے۔ باہر جانا ہے۔“
 ”فریدی صاحب! مجھے سچ بڑی مایوسی ہوئی۔“ اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔
 ”میں پھر عرض کروں گا کہ مجھے افسوس ہے۔ اگر آپ تین دن قبل مجھ سے ملے ہوتے تو شاید میں اس وقت آپ ہی کے کام کے متعلق سوچ رہا ہوتا۔“
 ”خیر صاحب مجھے یقین ہو گیا کہ میری بربادی قریب ہے۔“
 پھر حمید نے قدموں کی آہٹیں سنیں، جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھیں اور جب برآمدے میں آیا تو فریدی غلام میں نظریں جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔
 حمید کی آہٹ پر چونک پڑا۔
 ”تم نے کپڑے نہیں بدلے۔ ہم مے پول ہوٹل تک چلیں گے۔ کھانا وہیں کھائیں گے۔“
 اس نے حمید سے کہا۔

حمید کوئی جواب دیئے بغیر پھر واپس لوٹ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اجنبی نے ٹرین میں اس سے کیا کہا تھا کہ وہ فریدی سے ملنے جا رہا ہے۔ پھر اس نے اپنی اس بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی تھی؟ آخر کیوں؟ وہ کون تھا؟ فریدی کے پاس کیوں آیا تھا۔
 ”جاننے ہو کون تھا۔“ فریدی نے حمید سے راستے میں پوچھا۔

”میں آپ کی طرح جادو کی پڑیا تو ہوں نہیں کہ ہر ایک کو پہچانتا پھر؟“ حمید بیزاری سے بولا۔
 فریدی خاموش ہو گیا اور حمید کو یک بیک احساس ہوا کہ اس نے اس وقت بیزاری کا اظہار کر کے غلطی کی ہے۔ اب فریدی اُسے کچھ بتائے بغیر ہی ادھر ادھر بہلاتا پھرے گا۔ اجنبی کی

شخصیت پر اسرار تھی اور فریدی نے جس انداز سے اُسے ٹالا تھا وہ بھی کم از کم حمید کے لئے نیا تھا۔
 اس نے اس سے قبل فریدی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ روز ہی اس کے پرائیویٹ کیس آتے رہتے تھے لیکن اس نے آج تک کسی ضرورت مند کو اتنے خشک لہجے میں کوراجواب نہیں دیا تھا اور پھر یہاں تو معاملہ ساٹھ ہزار تک پہنچ چکا تھا اور دوسرے اخراجات سے کوئی مطلب نہیں؟

حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر وہ کون تھا؟ اور کیا چاہتا تھا؟
 اور پھر اچانک اسے فریدی کا حیرت انگیز تجربہ یاد آگیا۔ حرکت قطعی پاگل پن کی تھی، لیکن فریدی سے اس کی توقع ناممکن تھی کہ وہ بچوں کی طرح کپڑے کا مجسمہ بنا کر اپنا بہترین سوٹ کتے سے نچوڑالے گا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟

”میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھا۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔
 ”ہوں....!“ فریدی مسکرایا لیکن وہ بدستور سامنے دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسکراہٹ کسی جملے کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

حمید کی اکتاہٹ اور جھلاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔
 ”لیکن ہم مے پول ہوٹل کیوں جا رہے ہیں۔“
 ”غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرنا سیکھو؟“ فریدی ہونٹ سکڑ کر بولا۔
 ”یہ غیر ضروری بات ہے؟“ حمید نے جھلا کر کہا۔
 ”چپ۔“

”واہ یہ بھی اچھی رہی۔“ حمید برس پڑا۔ ”خواہ مخواہ تار دے کر مجھے بلایا۔ اتنے لمبے سفر کی کوفت بھی دور نہ ہونے پائی تھی کہ یہاں چل وہاں چل۔ جہنم میں گئی ملازمت۔ میں تو اب عاجز آگیا ہوں۔“

”ملازمت کی بات کہاں چھیڑ بیٹھے۔ ہم تو چھٹی پر ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
 حمید کا غصہ اور تیز ہو گیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ البتہ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

”ہے ہے۔“ فریدی اسے کن آنکھوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”اس وقت کافی حسین لگ رہے ہو۔ تم اپنا ہونٹ دانتوں میں مت دبایا کرو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ستارے شفق کو ننگنے کی

کوشش کر رہے ہوں۔“

حمید پھر کچھ نہ بولا۔

”تم خاموش کیوں ہو.... کچھ چمکویا رہے۔“ فریدی نے اُسے پھر چھیڑا۔

”کیا آپ مجھے اُلو کا پٹھا سمجھتے ہیں؟“ حمید جج کر بولا۔

”نہیں آدمی کا پٹھا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور کارے پول ہوٹل کے پورٹیکو میں

کھڑی کر دی۔

حمید طوعاً و کرہاً اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ فریدی داہنی طرف کے کینوں کی قطار کے

قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی نظریں نمبروں پر دوڑ رہی تھیں۔ چند لمبے کھڑے رہنے کے بعد وہ

ایک کیمین کی طرف بڑھل۔ پردہ ہٹایا اور حمید کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمک گئی۔ پردہ ہٹنے ہی

کیمین میں بیٹھی ہوئی لڑکی بے اختیار انداز میں کھڑی ہو گئی۔ حمید اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ

شہر کے فولاد کے سب سے بڑے تاجر کی لڑکی عالیہ تھی۔ اونچی سوسائٹی کا شاید ہی کوئی ایسا فرد رہا ہو،

جو اُسے نہ جانتا ہو۔ وہ شہر کی تفریح گاہوں کی جان اور کلچرل قسم کے ہنگاموں کی روح رواں تھی۔

”تشریف رکھئے۔“ فریدی قدرے جھک کر بولا اور حمید کی طرف مڑ کر اُسے معنی خیز

نظروں سے دیکھنے لگا۔

عالیہ بیٹھ گئی۔ وہ بار بار اپنی پیشانی پر رومال پھیر رہی تھی۔

”آپ کا کس یقیناً میرے لئے دلچسپ ہو گا۔“ فریدی بیٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

عالیہ کوئی جواب دینے کے بجائے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

”اوہ.... یہ میرے رفیق کار سرجنٹ حمید ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”ان کی موجودگی آپ کی

تشویش کا باعث نہیں بن سکتی۔“

عالیہ کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں غائب ہو گئیں۔

”ہاں تو آپ نے مجھے اس وقت کیوں بلایا ہے۔“ فریدی اپنے جیب میں سگار ٹٹولتا ہوا بولا۔

”اگر آپ ناپسند نہ کریں تو میں ایک سگار سلگا لوں۔“

”اوہ.... شوق سے۔“ عالیہ کی مترنم آواز سنائی دی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو

تکلیف دی۔ بات یہ ہے کہ مجھے شاہد مرحوم کے نوکر سے آج ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔

ممکن ہے آپ کے کام کی ہو۔“

”وہ کیا؟“

”شاہد مرحوم نے اسی خاص تقریب کے لئے ایک سوٹ سلوایا تھا، جو تقریب سے ایک ہفتہ

قبل اچانک اس کے بکس سے غائب ہو گیا تھا اور پھر ایک دن قبل اُسی بکس میں پایا گیا۔“

عالیہ کا جملہ ختم ہونے سے قبل ہی فریدی سگار سلگاتے ہوئے رک گیا تھا۔ اس کی آنکھیں

حیرت انگیز طور پر چمکنے لگی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”لیکن اس کی اطلاع آپ لوگوں کو پہلے ہی کیوں نہیں دی گئی۔“ فریدی نے سگار کو میز پر

رکھتے ہوئے پوچھا۔

”پتہ نہیں.... نوکر کا بیان ہے کہ شاہد نے اُسے اس کا تذکرہ کرنے سے روک دیا تھا۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”میرا خیال ہے۔“ عالیہ پھر بولی۔ ”شاہد نے اخلاقاً اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر

آپ ہی کا کسی کے گھر میں بطور مہمان قیام ہو اور آپ کی کوئی چیز گم ہو جائے تو آپ یقیناً صاحب

خانہ سے اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہچکچائیں گے۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ فریدی ایش ٹرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

حمید کی الجھن لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

خونی کتا

”اچھا تو عالیہ بیگم۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”میں شاہد مرحوم کے نوکر سے پھر کچھ

باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”ابھی چلئے۔“

”نہیں ابھی نہیں.... میں شام کو آؤں گا اور ہاں آپ کے والد صاحب کب تک واپس

آئیں گے۔“

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ وہ تقریباً چھ ماہ سے غیر ممالک کے دورے پر ہیں۔ پچھلے دو ماہ سے ان

کا کوئی خط بھی نہیں آیا۔ ان کا آخری تار مصر سے آیا تھا جس میں انہوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ کیپ ٹاؤن جا رہے ہیں۔ اس کے بعد سے پھر کوئی خبر نہیں ملی۔“

”ہوں.... اچھا تو پھر میں شام کو آؤں گا۔“ فریدی نے کہا اور ویٹر کو بلانے کے لئے گھٹی بجاتا ہوا بولا۔ ”غالباً آپ نے ابھی دوپہر کا کھانا نہ کھایا ہو گا۔“

”جی نہیں شکریہ! میں کھا چکی ہوں۔“ عالیہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”اچھا تو شام کو کس وقت آپ کا انتظار کروں۔“

”پانچ بجے۔“

عالیہ چلی گئی اور فریدی حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”اسے جانتے ہو۔“ اس نے پوچھا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”ہاں بھلا تم کیوں نہ جانتے ہو گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔

”یہاں ایک عجیب حادثہ ہو گیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

حمید بدستور سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا۔

”تم شاید دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔“ فریدی پھر بولا۔

حمید نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے مار بیٹھے گا۔

”کیوں؟“ فریدی ہنس پڑا۔

”میں اس لئے دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔ ”مکہ دلچسپی لینے کے سلسلے میں کافی بدھو بننا پڑتا ہے۔ اگر میں اپنی دلچسپی کا اظہار کروں تو آپ مجھے پیس کر پی لیں۔ آپ مجھے احمقوں کی طرح نہلایا کرتے ہیں۔ کبھی کوئی بات نہیں بتاتے۔ بس دوڑا کیجئے۔“

”کھانا کھاؤ۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”غالباً تمہارا اشارہ اس تجربے کی طرف ہے اب میں تمہیں اس کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ اگر عالیہ نے اس وقت سوٹ والا معاملہ نہ چھیڑا ہوتا تو ابھی نہ بتاتا کیونکہ ابھی تک وہ تجربہ محض عقلی گدا تھا مگر اب وہ فولاد کی طرح ٹھوس ہے۔“

”یعنی....!“

”ٹھہرو.... تجربے کی بات بعد میں آئے گی۔ پہلے وہ واقعہ سنو جس کی بناء پر ایک خیال کے تحت مجھے یہ تجربہ کرنا پڑا تھا۔“

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”آج سے ایک ہفتہ قبل کی بات ہے کہ عالیہ کے شکاری کتے نے اس کے منگیتر شاہد کو مار ڈالا۔“

”مار ڈالا۔“ حمید چونک کر بولا۔

”ہاں.... اور عین اس وقت جب تھوڑی دیر بعد ان کی منگنی کی رسم ادا کی جانے والی تھی۔“

”اوہ....!“

”اس تقریب کے سلسلے میں عالیہ کے یہاں ایک گارڈن پارٹی دی گئی تھی۔ مہمان نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ ان میں شاہد بھی تھا، جو تقریباً پندرہ یوم قبل سے عالیہ کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ عالیہ کو تو تم جانتے ہی ہو کہ اس میں خود نمائی کی عادت ضرورت سے زیادہ ہے۔ پارٹی شروع ہی ہونے جا رہی تھی کہ عالیہ اپنے بلند ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے ہوئے پائیں باغ میں آئی۔ حالانکہ یہ ایسا موقع نہیں تھا کہ وہ کتا لے کر نکلتی مگر خود نمائی کی عادت نے اُسے اس بھونڈی حرکت پر مجبور کر دیا۔ اس کا بیان ہے کہ کتا بچپن ہی سے اس کے پاس تھا اور بہت سیدھا تھا۔ صرف شکار کے موقعوں پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلند ہاؤنڈ ہے۔ ورنہ ویسے وہ ایسی کتوں کی طرح ہر ایک کی سیٹی پر دم ہلانے لگتا تھا۔“

فریدی خاموش ہو کر پلیٹ میں رکھے ہوئے مرغ مسلم کی ٹانگ کاٹنے لگا۔

”پھر....!“

”باغ میں پہنچ کر یک بیک اس نے بھونکتا شروع کر دیا۔ عالیہ نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اُسے واپس لے جائے۔ مگر ممکن نہ ہوا۔ دو تین نوکروں نے بھی کوشش کی لیکن لا حاصل۔ کچھ مہمان بھی عالیہ کے گرد آگئے۔ پھر دفعتاً چڑے کا تسمہ ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس کی گردن پکڑ لی تھی لوگ دوڑ پڑے مگر اتنی دیر میں اس نے شاہد کا زخراہ اڑھڑایا تھا اور شاہد زمین پر پڑا ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی وہ مر گیا۔ عالیہ نے اسی وقت چیخ چیخ کر لوگوں کو بتایا شروع کیا کہ کسی نے کتے کا تسمہ کاٹ دیا تھا۔ تسمہ نہیں بلکہ اُسے چڑے کی ذور کہنا چاہئے، جو پتلی پتلی بیجوں کو بٹ کر بنائی گئی تھی اور جس کا ٹوٹنا امر محال ہے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس

وقت اسے کاٹ دیا تھا جب کتا شاہد پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی دوران میں کسی نے ایک لڑکے کے متعلق شبہ ظاہر کیا۔ عالیہ یہ نہیں بتا سکی کہ شبہ ظاہر کرنے والا کون تھا۔ بہر حال اس لڑکے کی تلاشی لینے پر اس کی جیب سے ایک بڑا سا چاقو برآمد ہوا۔ لڑکا گرفتار کر لیا گیا لیکن وہ برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ وہ چاقو اس نے اپنی جیب میں نہیں رکھا تھا اور نہ وہ اس کا تھا۔ کسی نے وہیں اس کی لائسنس میں جیب میں ڈال دیا تھا۔ بہر حال لڑکا گرفتار کر لیا گیا۔ جانتے ہو وہ کون تھا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔

”وہ عالیہ کے عاشقوں میں سے ایک تھا اور عالیہ بھی اُسے بے حد چاہتی ہے۔ اس نے اس کا اعتراف کیا ہے۔“

”تب تو معاملہ صاف ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا....؟“

”یہی کہ عالیہ اور اس کا عاشق دونوں اس سازش میں شریک ہیں۔“

”چلو خیر میں اسے بھی مانے لیتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کتے نے شاہد ہی پر حملہ کیوں کیا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ شاہد سے کافی مانوس ہو گیا تھا۔ شاہد کے نوکر نے بتایا ہے کہ اکثر شاہد اُسے اپنے ساتھ لے کر تفریح کے لئے باہر جایا کرتا تھا۔“

فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”دوسری بات۔“ فریدی چند لمحوں کے بعد بولا۔ ”اگر یہ سازش عالیہ کی تھی تو اس نے اس صفائی سے اس کا اعتراف کیوں کر لیا کہ وہ شاہد سے بیزار تھی۔ اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

”تو پھر اُس نے انکار ہی کیوں نہیں کر دیا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”اُس کے والدین کی بھی خواہش تھی۔ اس کا باپ ایک ضدی آدمی ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہے۔ اس کا باپ اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر وہ شاہد کے ساتھ شادی پر رضامند نہ ہوگی تو وہ اسے وراثت سے محروم کر دے گا۔“

”مگر محبت۔“ حمید نے کہا۔

”چھوڑو بھی، تم بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ رئیس گھرانوں کی جان محفل قسم کی لڑکیوں کو تم نہیں جانتے۔ ان کے لئے دولت سے زیادہ اہم اور کوئی چیز نہیں! اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے عاشق سعید کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ مگر میرے خیال میں اس میں بھی ایک طرح کی سودے بازی موجود ہے۔ سعید ایک متوسط گھرانے کا لڑکا ہے اگر اتفاق سے عالیہ کی شادی اس کے ساتھ ہو جائے تو وہ زندگی بھر اس کی دولت کی وجہ سے اس سے مرعوب رہے گا اور اس کی بے راہ روی میں دخل انداز نہ ہو سکے گا۔ تم نے یہاں کی رقص گاہوں میں عالیہ کو بے شمار نوجوانوں کے ساتھ دیکھا ہو گا۔ میں اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں۔“

”تو خود عالیہ نے آپ سے اس کیس کی تفتیش کے لئے کہا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں.... خیر تو سنو.... عالیہ کا بیان ہے کہ حادثے سے ایک ہفتہ قبل سے کوئی آدمی روزانہ رات میں کتے کو تنگ کیا کرتا تھا۔ دو ایک بار کتے کے جسم پر معمولی زخم بھی دکھائی دیئے۔“

”تو کیا شاہد ہی....“ حمید نے کہا۔

”نہیں....!“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”اگر یہ بات ہوتی تو وہ تقریب سے پہلے ہی شاہد کا خاتمہ کر دیتا۔ بتاؤ دیکھا کہ تقریب سے ایک دن قبل بھی شاہد کتے کو اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا۔“

”تو پھر سعید۔“

”بھلا سعید کیسے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر یہ بات ہوتی تو وہ شاہد کی بجائے سعید پر جھپٹتا۔ کیونکہ وہ بھی پارٹی میں موجود تھا۔“

”پھر آخر کون۔“

”کوئی نامعلوم آدمی۔“ فریدی بولا۔ ”سارے واقعات معلوم کرنے کے بعد ہی سے میں نے تجربہ شروع کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ شاہد محض اس سوٹ کی وجہ سے مارا گیا۔ تقریب سے ایک ہفتہ پیشتر اس کے بکس سے غائب ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تقریب سے ایک دن قبل واپس مل جانے پر اُس نے وہی سوٹ پہنا ہو گا کیونکہ وہ اسی موقع کے لئے سلویا گیا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”عجیب احمق آدمی ہو۔“ فریدی اکتا کر بولا۔ ”جس آدمی نے اُسے چرایا تھا، وہی اُسے راتوں میں جہنم کر کتے کو تنگ کرتا رہا اور پھر تقریب سے ایک دن قبل اس نے اُسے دوبارہ بکس میں رکھ

دیا۔ کتا اس دوران میں سوٹ کی بو سے واقف ہو چکا تھا۔ لہذا وہ شاہد ہی کو تنگ کرنے والا سمجھ بیٹھا۔

”مھس کپڑے کی بو۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

”جھک نہیں مارتا رہا صاحب زادے۔“ فریدی نے کہا۔ ”آج ہی میرا تجربہ مکمل ہوا ہے۔ میں نے اپنے ایک سوٹ کا خون یونہی نہیں کرایا۔ ایک آدمی میرا سوٹ پہن کر میرے بلڈ ہاؤنڈ کو رات میں تنگ کرتا رہا ہے۔ وہی سوٹ میں نے کپڑے کے مجسمے کو پہنایا تھا۔ اگر وہ سوٹ غور میرے جسم پر ہوتا تو میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو اُس مجسمے کا ہوا۔“

”آپ کا....؟“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

”بلڈ ہاؤنڈ کی ذات ہی ایسی ہے۔ اصل قسم کا بلڈ ہاؤنڈ اپنے حملہ آور کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ چاہے وہ اس کا مالک ہی کیوں نہ ہو! بعض کتوں میں یہ صفت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک رکھوالی کرنے والے لیسٹین ہی کو لے لو۔ وہ رات کو اپنے مالک کی آہٹ پر بھونکنے لگتا ہے اور اس وقت تک چپ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس کا نام لے کر کچھ کہہ نہ دے۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

”یہ حرکت گھر ہی کے کسی فرد کی ہو سکتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ممکن ہے! ابھی میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا؟ بہر حال سازش کا طریقہ دریافت ہو گیا۔“

”میرے خیال سے اس سلسلے میں وہ آدمی کار آمد ثابت ہو گا جس نے سعید پر شبہ ظاہر کیا

تھا۔“ حمید بولا۔

”تمہارا خیال درست ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن وہ آدمی پارٹی میں موجود

نہیں تھا، جو اس کتے کو تنگ کر رہا تھا۔ ورنہ وہ اس پر بھی حملہ کرتا۔ بہر حال سازش بڑی پُر مغز

تھی۔ مجرم نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔ عالیہ کے منگیتز کا کام تمام ہو گیا اور عاشق جیل پہنچ گیا۔“

”ممکن ہے یہ سعید ہی کی حرکت رہی ہو۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”کیا یہ ممکن نہیں کہ خود عالیہ ہی ان دونوں سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”ایسی

صورت میں سعید کا بوقوف بن جانا ممکنات میں سے نہیں۔ وہ اپنی جگہ پر یہ سمجھتا رہا ہو گا کہ عالیہ

مھس اسی کے لئے شاہد کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہے۔“

”ممکن ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے! لیکن اس میں

ایک خامی ہے۔ تم عالیہ کو اچھی طرح نہیں جانتے۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اگر اسے سعید کو بھی

ختم کرنا ہوتا تو وہ ایسی اسکیم نہ سوچتی جس کے تحت سعید قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کے بعد

مارا جاتا۔ ایسی صورت میں حقیقت ظاہر ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگر اسے سعید کو بھی مارتا ہی

ہوتا تو وہ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کر سکتی تھی۔“

وہ کھانا ختم کر چکے تھے۔ فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگار سلگانے لگا۔

”تو بہر حال آپ کسی تیسرے آدمی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔“ حمید نیکیں۔ ”ہاں ہاتھ

صاف کرتا ہوا بولا۔

”کافی۔“ فریدی نے قریب کھڑے ہوئے دیٹر سے کہا۔ پھر حمید کی طرف مخاطب ہوا۔

”ہاں کیا کہا تم نے۔“

حمید نے اپنا جملہ دہرایا۔

”میں ہر پہلو سے جائزہ لے رہا ہوں۔ فی الحال قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ

تمہارا ہی خیال صحیح ہو! عالیہ کی کیا بساط ہے۔ بڑے بڑے مجرم اس قسم کی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اگر کوئی تیسرا آدمی مجرم ہے تو اسے یہ پہلے ہی سے

معلوم رہا ہو گا کہ عالیہ پارٹی میں کتے کو بھی بلے جائے گی۔ میں نے عالیہ سے اس نکتے پر بھی گفتگو

کی تھی کہ وہ خود ہی کتے کو لے گئی تھی یا کسی نے اس قسم کی تجویز پیش کی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ

حرکت کسی کے مشورے کی بناء پر نہیں کی گئی تھی اور دوسری صورت میں وہ اس حرکت کا جواز

بھی پیش نہ کر سکی۔“

”کتے کو تو گولی ماری گئی ہو گی۔“ حمید نے کہا۔

”ماری جاتی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔“ فریدی بولا۔ ”وہ ایک اچھا گواہ ثابت ہو گا۔“

”تو وہ کہاں ہے۔“

”میرے پاس ہے میں کئی دن سے اس کا جائزہ لے رہا ہوں۔ وہ قطعی صحیح انداز معلوم ہوتا ہے۔“

”باندھ کر رکھتے ہیں نا؟“ حمید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”مطمئن رہو۔ وہ تمہاری گردن نہیں دوپچے گا۔ یہ سعادت تو کسی عورت ہی کے حصے میں

آئے گی۔“

اتنے میں کافی آگئی اور فریدی۔ مگر کوالش ٹرے میں رکھ کر پیالیوں میں شکر ڈالنے لگا۔

”عالیہ ہے کافی حسین۔“ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

”اسی لئے تو میں نے تمہیں بلایا ہے۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”تم اس کے حسن کی گہرائیوں میں ڈوب کر ضرور کوئی نہ کوئی کام کی بات نکال لاؤ گے۔ اگر تم نے یہ رپورٹ بھی دی کہ حسن دیکھنے کیلئے ہے چھوٹے کیلئے نہیں تو میں اطمینان سے قبر میں پیر پھیلا کر سو سکوں گا۔“

چڑچڑا میجر

پانچ بجے شام کو فریدی اور حمید جہانگیر پبلیس پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی اور شاندار عمارت تھی۔ پائیں باغ سے گذر کر وہ برآمدے میں آئے جہاں عالیہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں آئے جہاں ایک بڑی سی میز پر ناشتے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا، نوکھ رہا تھا۔ اُن کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ایک لمحہ تن کر بیٹھے رہنے کے بعد پھر کرسی کی پشت سے نکل گیا۔ وہ آدھ کھلی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو دیکھ رہا تھا۔

”میرے چچا! میجر داؤد۔“ عالیہ مسکرا کر بولی۔ ”اور آپ انسپکٹر فریدی۔“

بوڑھے نے بیٹھے ہی بیٹھے اپنا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں دبے دیا۔ مقصد مصافحہ تھا لیکن انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کوئی چیز فریدی کے ہاتھ میں دے رہا ہو۔ پھر اس کی سرخ سرخ آنکھیں سرجنٹ حمید کے چہرے پر جم گئیں۔

”سرجنٹ حمید۔“ فریدی بولا۔

بوڑھے نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ میں بیجان گوشت کا ایک ٹوٹھا جھول گیا ہو۔

”میں چائے پی چکا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”خیر کوئی بات نہیں۔“ بوڑھا اپنی کرسی میز کے قریب کھسکا ہوا بولا۔ ”چائے بالکل

ٹھنڈی ہو چکی ہے۔“

اور پھر اس طرح ناشتے میں ڈوب گیا جیسے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا اس کمرے میں موجود نہ ہو۔ عالیہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔

”تو کیا آپ واقعی چائے نہ پیئیں گے۔“ عالیہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”قطعی نہیں! آئیے۔۔۔۔۔ ذرا میں شاہد کے نوکر سے ملنا چاہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

بوڑھا چائے کا گھونٹ حلق میں اتارتے اتارتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”اوہو! ابھی تک وہی چرخہ چل رہا ہے۔“ بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

عالیہ کوئی جواب دیئے بغیر دروازے کی طرف بڑھی۔

پھر وہ برآمدے میں آکر بیٹھ گئے۔ عالیہ نے شاہد کے نوکر کو بلایا۔

حمید اسے کسی خزانہ پولیس آفیسر کی طرح تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ قبل اس کے فریدی کچھ پوچھتا حمید اسے مخاطب کر کے بولا۔

”وہ آدمی تمہیں پھر کبھی دکھائی دیا تھا؟“

”کون آدمی۔“ نوکر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”وہی جسے تم نے شاہد کا سوٹ دیا تھا۔“

”میں نے۔“ نوکر اچھل کر بولا اور پھر اس کی آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگیں۔

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا اور پھر نوکر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

”تم کتنے دنوں سے شاہد کے ساتھ تھے۔“ اس نے پوچھا۔

”تین سال سے۔“

”تم نے سوٹ غائب ہونے کا تذکرہ پہلے ہی کیوں نہیں کیا۔“

”صاحب نے منع کر دیا تھا۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا یہ بتاؤ! کیا وہ پارٹی میں وہی سوٹ پہن کر گئے تھے۔“

”جی ہاں۔“

”یہاں اس شہر میں ان کے کسی ملنے والے کو جانتے ہو۔“

”جی نہیں۔“

”کبھی کوئی ان سے ملنے کے لئے آتا تھا۔“

”میرے خیال سے تو کوئی بھی نہیں۔“

”تو یہاں اس گھر والوں کے علاوہ ان کے جان پہچان کا کوئی اور نہیں تھا۔“

”یہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہاں کوئی ان سے ملنے کے لئے نہیں آتا تھا۔“

”ہوں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم ابھی تک یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔“

”پولیس نے روک رکھا ہے۔“

”میں شاید کاکرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی عالیہ کی طرف مڑ کر بولا۔

”چلے۔“ عالیہ اٹھتی ہوئی بولی اور حمید اس کے کمر کے بل گتے لگا۔

”لیکن ذرا ٹھہریے میں کنبی لیتی آؤں۔“ عالیہ نے کہا اور اندر چلی گئی۔

”تم کمرے کے پاس ٹھہرو۔“ فریدی نے نوکر سے کہا۔

اس کے جانے کے بعد وہ حمید سے بولا۔

”یہ کیا حماقت تھی۔ اس قسم کے گھسے پٹے سوالات کا طریقہ سول پولیس ہی کے لئے رہنے دو۔“

”آپ کا طریقہ تو دنیا سے نرالا ہے۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔

”پھر وہی بکواس۔ تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ اگر وہ سازش میں شریک ہو تا تو ایک ڈھکی چھپی

بات کو کیوں ظاہر کر دیتا۔ ظاہر ہے کہ سوٹ کھو جانے والے واقعے کے متعلق شاید کے بعد اس

کے علاوہ گھر کا کوئی اور آدمی نہیں جانتا تھا۔“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عالیہ آگئی۔

پھر وہ شاہد کے کمرے میں آئے۔ نوکر ساتھ تھا۔ اس کمرے میں ایک مسہری اور دو تین

کرسیوں اور ایک چھوٹی سی میز کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔

”کیا کپڑوں کا صندوق اسی کمرے میں تھا۔“ فریدی نے نوکر سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”کس جگہ۔“

نوکر نے ایک طرف اشارہ کیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر ایک دروازے

کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”یہ کدھر کھتا ہے۔“

”پرانی حویلی میں.... مگر ادھر کوئی رہتا نہیں۔“

”اوہ....!“

”لیکن آپ سوٹ کے متعلق....!“

”یہ ایک اہم بات ہے۔“ فریدی عالیہ کی بات کاٹ کر بولا۔ ”بہت ہی اہم۔“

پھر وہ نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”تم جاسکتے ہو۔“

نوکر چلا گیا۔

”ہاں مس عالیہ۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”آپ نے بتایا تھا کہ کوئی آپ کے کتے کو

راتوں میں تنگ کرتا رہا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”اور آپ نے اس کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی۔“

”کی تھی۔“ عالیہ بولی۔ ”لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔“

”پھر آپ نے کتے کو وہاں سے ہٹا تو دیا ہی ہو گا۔“

”ہٹاتی کہاں سے۔ وہ رات بھر کمپاؤنڈ میں کھلا رہتا تھا۔“

”اوہ....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن آپ پارٹی میں کتے کو لے ہی کیوں گئی تھیں۔“ حمید دفعتاً بولا۔

”اب کیا بتاؤں۔“ عالیہ کے چہرے پر ندامت کے آثار پھیل گئے۔ ”حماقت تھی جو ہو گئی۔“

”خیر....“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا وہ ڈور پرانی تھی جس سے آپ نے کتے کو باندھ رکھا تھا۔“

”جی نہیں خریدنے کے بعد صرف دو تین بار استعمال کی گئی تھی۔“

”اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے۔“ حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

”آپ حادثے سے کتنے دن قبل سے اس ڈور کو استعمال کر رہی تھیں۔“

”حادثے سے قبل زنجیر استعمال کی جاتی تھی.... لیکن....!“

”لیکن کیا....!“

”بات دراصل یہ ہے کہ زنجیر کی ایک کڑی کسی طرح ٹوٹ گئی تھی۔“

”اوہ.... لیکن زنجیر کے ٹکڑے نہیں ہوئے تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی نہیں! لیکن خدشہ تھا کہ وہ بیچ سے الگ ہو جائے گی۔“

”وہ ہے کہاں! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید برآمدے میں عالیہ کا انتظار کر رہے تھے، جو زنجیر تلوار کرنے لگی تھی۔

”اتنی دیر میں تم نے کام کی ایک بات پوچھی تھی۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

اور حمید کوئی جواب دیئے بغیر پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ عالیہ بھی سازش میں شریک ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

”بس اڑنے لگے۔ میں نے اس لئے تمہاری تعریف نہیں کی تھی۔“

”تعریف صرف اس کو زیب دیتی ہے۔“ حمید درویشانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اڑا کر بولا۔

”جس نے آپ کو بے جان اور مجھے ذی روح بنا کر میری مٹی پلید فرمادی۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد عالیہ زنجیر لے کر آگئی۔ فریدی بغور زنجیر کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹ اس طرح سمٹ گئے تھے جیسے سیٹی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ پھر وہ حمید کی طرف مڑا۔

”ذرا یہ کڑی دیکھو۔ اس کا ایک حصہ تیز دھار چیز سے کاٹا گیا ہے۔“

حمید زنجیر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھنے لگا۔

”اس میں شک نہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اگر کتا زور کرے تو یہ کڑی الگ ہو جاتی۔“

پھر اس نے نظریں عالیہ کے چہرے پر جمادیں۔

”اگر آپ کتے کو اسی زنجیر سے باندھا رہنے دیتیں اور اسے پارٹی میں نہ لے جاتیں تب بھی

کسی نہ کسی وقت شاہد پر حملہ ضرور کر دیتا۔“

عالیہ استعجاب آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

”تو کیا شاہد ہی رات میں کتے کو تنگ کیا کرتے تھے۔“ عالیہ نے پوچھا۔

”آپ کافی ذہین ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ پہلے ہی شاہد

خاتمہ کر دیتا۔“

”پھر....!“

”چھوڑیئے بھی پھر کبھی بتاؤں گا۔“ فریدی بجھا ہوا سگڑا سلگاتا ہوا بولا۔

”کیا آپ کسی طرح یاد کر کے یہ نہیں بتا سکتیں ہیں کہ حادثہ ہو جانے پر کس نے سعید پر شبہ

ظاہر کیا تھا۔“

”میں نے۔“ کسی نے پیچھے سے کہا۔

فریدی وغیرہ چونک پڑے۔ عالیہ کا چچا میجر داؤد کمر پر ہاتھ رکھے کھڑا نہیں گھور رہا تھا۔

”میں نے شبہ ظاہر کیا تھا۔“ وہ پھر بولا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شبہ کی کیا وجہ تھی۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”وجہ یاد کرنے کے لئے وقت چاہئے۔“ میجر داؤد خشک لہجے میں بولا۔ ”بس مجھے اُس پر شبہ

ہو گیا تھا۔“

”لیکن پولیس تو وجہ بھی معلوم کرنا چاہے گی۔“

”جنم میں گئی پولیس۔“ میجر داؤد دانت پیس کر بولا۔

فریدی مسکرانے لگا۔ حمید کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا۔

”اُس کے لئے باقاعدہ بیان دینا پڑے گا۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔

”اور آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ آپ نے یہ بات ابھی تک کیوں چھپائے رکھی۔“

”کیا....؟“ میجر داؤد گرج کر بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”آپ کو کوئی کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر

آپ نہیں بتانا چاہتے تو یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔“

”تم جاسکتی ہو۔“ میجر داؤد نے عالیہ سے کہا اور وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

”ادھر آئیے۔“ میجر داؤد ایک بیچ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

وہ لوگ بیچ پر بیٹھ گئے۔

”اس لڑکی نے خاندان کی ناک نالی میں رگڑ دی۔“ میجر داؤد آہستہ سے بڑبڑایا۔

فریدی اور حمید خاموش رہے۔ فریدی نے اتنی دیر میں اچھی طرح اندازہ لگالیا تھا کہ میجر

داؤد کس قسم کا آدمی ہے۔

”وہ اس آوارہ لوٹے سعید کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔“ میجر داؤد نے کہا۔

”ایسی حالت میں کشت و خون کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ پارٹی میں اس کی موجودگی ہی شہ پیدا کر دینے کے لئے کافی تھی۔ فطرتاً اسے اس موقع پر یہاں نہ آنا چاہئے تھا۔ اسے مدعو بھی نہیں کیا گیا تھا۔ سمجھ میں آگئی شے کی وجہ۔“

میجر داؤد فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ اپنے خیال کی تردید میں کچھ سننا پسند نہیں کرے گا۔

”آپ کا خیال قطعی درست ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اور پھر اس کے جیب سے چاقو بھی برآمد ہوا۔“ میجر داؤد بولا۔

”آپ نے اسے ڈور کاٹتے بھی دیکھا تھا؟“

”نہیں۔“ میجر داؤد بڑبڑایا۔ ”اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسے کسی نے ڈور کاٹتے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ مجرم نہیں ہے تو یہ آپ کی بھول ہوگی۔ آخر وہ اتنا بڑا چاقو لے کر یہاں آیا کیوں تھا؟“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یقیناً اس کی نیت میں فتور تھا۔ آپ مجھ سے عمر میں بہت بڑے ہیں اور مجھ سے زیادہ تجربہ کار بھی۔ کتوں کے متعلق آپ یقیناً مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔“

”میں اس کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔“ میجر داؤد نے نرم لہجے میں کہا۔ ”البتہ مجھے یچین ہی سے کتوں کا شوق تھا۔“

”ہاں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“ فریدی سوچنے کے انداز میں بولا۔ ”آخر اس نے شاید پر حملہ کیوں کیا تھا جب کہ وہ اس سے کافی مانوس تھا۔“

”اوہ۔“ میجر داؤد ہنسنے لگا۔ ”یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ کتوں سے تھوڑی سی دلچسپی بھی رکھنے والا یہ جانتا ہے کہ بلڈ اگ اور بلڈ ہاؤنڈ کے مزاج کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ بعض حالات میں یہ اپنے مالک تک کو نہیں چھوڑتے۔“

فریدی نے معنی خیز انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔ پھر داؤد کی طرف مڑ کر بولا۔

”آپ نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ شکر یہ! بات دراصل یہ ہے کہ میں اس معاملے کو باعزت طور پر ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک شریف خاندان کی رسوائی ہو۔ میں

دراصل مس عالیہ کو سمجھا بجا کر صحیح راستے پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر وہ اس بات سے انکار کر دیں کہ وہ سعید کو جانتی ہیں تو پھر یہ میرے بائیں ہاتھ کا کام ہو گا کہ میں سعید اور شاہد کی پرانی دشمنی ثابت کر کے سعید کو پھانسی کے تختے تک پہنچا دوں۔“

میجر داؤد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریدی کی بات کا وزن پر کھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

”جو دل چاہے کیجئے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”اب تو خاندان کی عزت خاک میں مل ہی چکی۔“

آسیب زدہ عمارت

میجر داؤد تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا خلاء میں گھورتا رہا اور پھر ایک طویل سانس لے کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”خیر! اچھا میں عالیہ کو بھیجتا ہوں۔“

وہ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر پلٹا۔ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ ”مگر وہ کتنا کہاں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کسی احق پولیس افسر نے اسے اپنے پاس رکھ چھوڑا ہے۔ آخر اسے گولی کیوں نہیں ماری گئی۔ میں اعلیٰ حکام کو اس کے متعلق لکھوں گا۔“

”وہ کتنا دراصل میرے ہی پاس ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ کے پاس؟ اس عقل مند کی کا سبب؟“

”میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ سچ بچ پانگل ہے یا نہیں؟“

”بہت خوب۔“ میجر داؤد طنزیہ انداز میں بولا۔ ”پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے۔“

”قطعی پانگل ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اور کل ہی اسے رائل کانسٹنہ بنا دیا جائے گا۔“

میجر داؤد کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

”کیا خیال ہے۔“ حمید بولا۔

”دلچسپ آدمی ہے۔“ فریدی نے جیب سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

”میں اس کے متعلق شے میں مبتلا ہو گیا ہوں۔“

”کیوں؟“

”اس کی گفتگو۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”آخر آپ نے اس سے اتنے سارے جھوٹ کیوں بول ڈالے۔“

”آدمی ضدی اور چڑچڑا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کی ہاں میں ہاں ملائے بغیر کام نہیں چلے گا۔“

”تو آپ کو اس پر شبہ نہیں ہے۔“

”میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

”پھر آپ کیا کہہ سکتے ہیں۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”یہی کہ فضول بکواس کر کے دماغ خراب مت کرو۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ کوٹھی کی کھڑکیوں اور جالیوں میں روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ فریدی کی بچ کی پشت سے ٹک کر سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

کچھ دیر بعد عالیہ آگئی۔ اس کے انداز سے ندامت ظاہر ہو رہی تھی۔

”مجھے افسوس ہے کہ آپ کا سامنا چچا جان سے ہو گیا۔“ عالیہ نے کہا۔

”کیوں.... بھلا اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔“ فریدی بولا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔“ عالیہ نے کہا۔ ”اگر ان کی کوئی

بات ناگوار گذری ہو تو اس کے لئے میں معافی چاہتی ہوں۔“

”کوئی بات نہیں.... میں سمجھتا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”برسبیل تذکرہ! ذرا یہ تو

بتائیے کہ آپ کے چچا کے صاحب زادے کہاں مل سکیں گے۔“

”اوہ.... وہ بیچارے.... چچا جان لاؤلد ہیں۔“

”بڑا افسوس ہوا.... آپ کا پائیں باغ بہت حسین ہے۔ اس کے گرد چہار دیواری بوئے سیٹھے

سے بنائی گئی ہے۔ یہ اس کا دوسرا پھانک کدھر کھلتا ہے؟“

”پرانی حویلی میں.... مگر یہ ہمیشہ بندی رہتا ہے۔“ عالیہ نے کہا۔

”تو کیا پرانی حویلی بالکل خالی رہتی ہے؟ بیٹھ جائیے! اب تک کھڑی رہئے گا۔“

عالیہ بیٹھ گئی۔

”وہاں کوئی نہیں رہتا۔“ اس نے کہا۔ ”پرانی حویلی دراصل آسیب زدہ ہے۔“

”اوہ....!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”لیکن آپ لوگ تو تعلیم یافتہ ہیں۔“

”میں بذات خود آسیب و آسیب میں یقین نہیں رکھتی! مگر دوسرے گھروالے....!“

”خیر، خیر۔ چیز دلچسپ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا آپ مجھے پرانی حویلی کی سیر کرنے کی

اجازت دیں گی۔“

”ضرور ضرور! ٹھہریے میں پیئرو میکس لیمپ جلو کر لاتی ہوں۔“ عالیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد فریدی حمید سے بولا۔

”میرا خیال ہے کہ مجرم نے اس کام کیلئے پرانی حویلی ہی کو استعمال کیا تھا۔ کیا خیال ہے؟“

”آپ میرا خیال پوچھ رہے ہیں۔“ حمید اکتا کر بولا۔ ”اور میں سوچ رہا ہوں کہ آخر ان

آسیب زدہ عمارتوں سے کب پیچھا چھوٹے گا۔ ہر کیس میں ایک نہ ایک بھوت گھر موجود رہتا ہے۔

واقعی ہم لوگ کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں ہو کر رہ گئے ہیں۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں پرانی حویلی کے سلاخوں دار پھانک پر جمی ہوئی تھیں۔

”اس پھانک کے ذریعے بہت آسانی سے کسی کتے کو تنگ کیا جاسکتا ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”مگر عالیہ تو کہتی ہے کہ کتا کھلا رہتا تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ اس پھانک کے قریب بھی آتا

رہا ہو۔“ حمید نے کہا۔

”لیکن کیا تم گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینک کر اسے پھانک کے قریب نہیں بلا

سکتے۔ میرا خیال ہے کہ مجرم نے یہی طریقہ اختیار کیا ہو گا اور پھر اسے تنگ کرنے کے لئے کوئی

نوکر دار چیز استعمال کی ہوگی۔“

”لیکن گھر ہی کا کوئی آدمی۔“

”پھر وہی حماقت۔“ فریدی حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ ”گھر کا کوئی آدمی ایسا کرنے کے بعد

گھر میں رہ ہی نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو کتا اسے کب چھوڑتا۔“

”میرا مطلب یہ ہے کہ گھر کا کوئی آدمی سازش میں ضرور شریک رہا ہے۔“

”ممکن ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بیک بیک حمید

کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”تم نے شاید ایک بات مارک نہیں کی۔ شاید کے کمرے کے اس

دروازے میں اندر کی طرف چٹختی نہیں ہے، جو پرانی حویلی میں کھلتا ہے، اوہ.... تو اب ہمیں یقین

کر لینا چاہئے کہ پرانی حویلی ضرور استعمال کی گئی ہے۔“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عالیہ واپس آگئی۔
 ”لیپ منگوا لیا ہے۔“ عالیہ بولی۔ ”لیکن والدہ صاحبہ پرانی حویلی کھولنے کی اجازت نہیں دیتیں۔“
 ”کیوں....!“

”وہی بھوتوں کا خیال۔“

”اوہ.... لیکن یہ ضروری ہے۔“

”والدہ صاحبہ آپ لوگوں کو منع کرنے کے لئے خود آرہی ہیں۔“

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک معمر عورت اُن کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

”والدہ صاحبہ۔“ عالیہ آہستہ سے بولی۔ فریدی قدرے جھک کر پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”انچیکر صاحب! کیا حویلی میں جانا ضروری ہے۔“ عالیہ کی ماں نے پوچھا۔

”قطعی ضروری ہے محترمہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ مطمئن رہئے۔ کوئی بھوت اُدھر نہیں آسکتا۔“

”یہ بات نہیں۔ میں کئی دن سے کچھ عجیب قسم کی آوازیں سن رہی ہوں۔“

”خوفناک آوازیں۔“ حمید چونک کر بولا۔

”جی ہاں۔ وہ حویلی ہی کی طرف سے آتی معلوم ہوتی ہیں۔“

”کس قسم کی آوازیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یہ بتانا دشوار ہے۔ میں کس طرح بتاؤں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے اس طرح کی آوازیں

پہلے کبھی نہیں سنیں۔“

”کتنے عرصے سے آپ آوازیں سن رہی ہیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”تقریباً پندرہ یا بیس یوم سے۔“

”اوہ....!“ فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں تو کہتی ہوں کہ اس معاملے کو طول دینا ہی فضول ہے۔“ عالیہ کی ماں آہستہ سے

بڑبڑائی۔ ”یہ حرکت سعید کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ اس کا بیان قطعی غلط ہے کہ کسی اور

نے وہ چاقو اس کی جیب میں ڈال دیا تھا۔“

”میں خود یہی سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”بہر حال میں اپنا اطمینان کر لینا

چاہتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کے بغیر میری تفتیش نامکمل رہے گی۔“

”مگر عالیہ تو کہتی ہے کہ یہ کیس سرکاری طور پر آپ کو نہیں سونپا گیا بلکہ آپ اس کی درخواست پر اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”اب تو سرکاری ہی طور پر سمجھئے۔“ فریدی نے کہا۔

عورت تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”میں تو عالیہ سے تنگ آگئی ہوں۔ آخر میں

اسے شرمندگی اٹھانی پڑے گی جسے یہ فرشتہ سمجھ رہی ہے وہ شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوگا۔ خیر

مجھے کیا کرنا ہے۔ جہاں اتنی بدنامی سہی ہے وہاں تھوڑی اور سہی۔“

تھوڑی دیر بعد ایک نوکر پیٹرو میکس لیپ لے کر آگیا۔ فریدی نے اس کے ہاتھ سے لیپ

لے کر اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔

”تم بھی جاؤ۔“ عالیہ کی ماں عالیہ کی طرف مڑ کر بولی۔

حمید نے آگے بڑھ کر پرانی حویلی کا پھانک کھولا۔ فریدی حمید اور عالیہ کی ماں پرانی حویلی کے

کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی کبھی ایک بُر فضا پائیں باغ رہا ہوگا لیکن اب ہر طرف ویرانی

نظر آرہی تھی۔ پائیں باغ کی چہار دیواری کافی بلند تھی۔ فریدی چند لمبے رک کر ادھر اُدھر دیکھتا

رہا۔ پھر عالیہ کی ماں کی طرف مڑا۔

”تو کیا آپ اندر چلیں گے۔“ عالیہ کی ماں نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”تو ٹھہریے.... میں کنبھیاں لے آؤں۔“

فریدی اور حمید پھر تنہا رہ گئے۔ فریدی نے اس دوران میں چہار دیواری کے نیچے نیچے پورے

پائیں باغ کا پیکر لگا ڈالا۔

”چہار دیواری کافی اونچی ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اور اس پر چاروں طرف شیشے کے

کٹڑے جڑے ہوئے ہیں لہذا اُدھر سے تو کسی کے آنے کے امکانات نہیں ہیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس ویران باغ سے گزرنے والی شائیں شائیں کرتی ہوئی ہوا اور بُر اسرار

دیرانی نے اس کے ذہن پر ایک بے نام سا خوف مسلط کر دیا تھا۔

فریدی نے بجھا ہوا سا گار پھینک کر دوسرا لگایا اور صدر دروازے پر نظریں جمائے ہوئے ملے

ہلکے کش لینے لگا۔

”ہیہا کہا.....!“ حمید پھر میجر داؤد کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔ ”جسے تم کلنگدا کہہ رہے ہو وہ تم جیسوں کو خرید کر مفت پانٹ سکتا ہے۔“

”حمید.....!“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر میجر داؤد کی طرف جھک کر بولا۔ ”آپ اس کی باتوں کا نمہ انہ ماننے گا..... اس کا خون ذرا گرم ہے۔“

”آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔“ عالیہ کی ماں پر ندامت لہجے میں بولی۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ.....!“

”مجھے معلوم ہے کہ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”جی ہاں..... جی ہاں۔“

عالیہ کی ماں نے صدر دروازے کی کنبی فریدی کو دے دی۔ فریدی آگے بڑھ کر تالا کھولنے لگا جو بہت زیادہ زنگ آلود تھا۔

”یہ کب سے نہیں کھولا گیا۔“ اس نے مڑ کر پوچھا۔

”چھ یا سات ماہ ہو گئے۔“ عالیہ کی ماں نے کہا۔

تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد تالا کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی گندی اور بدبودار ہوا کا جھونکا اٹھا۔ جس میں ابابیلوں اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بو شامل تھی۔

حمید نے جلدی سے ناک پر رومال رکھ لیا۔ فریدی لیمپ اٹھا کر اندر داخل ہوا۔

پھر وہ ایک رمداری سے گذرتے ہوئے صحن میں آئے، جو اونچی اونچی دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ مغرب کی طرف ایک وسیع دالان تھا جس کے اوچے اونچے محراب خشک بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

”اس.....!“ فریدی عالیہ کی ماں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”جس کا ایک دروازہ شاہد مرحوم کے رہائشی کمرے میں کھلتا ہے۔“

عالیہ کی ماں چونک پڑی۔ وہ تھوڑی دیر تک تحیر آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

”چلیے۔“

وہ انہیں دالان میں لے آئی اور ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے ایک طرف کھڑی

تھوڑی دیر بعد عالیہ کی ماں واپس آئی۔ اس کے ساتھ میجر داؤد بھی تھا۔

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”میں نے کہا لگے ہاتھوں تھوڑا اطمینان اور کرلوں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”کیسا اطمینان..... کس بات کا اطمینان۔“ میجر داؤد پھر گر جا۔

”میجر صاحب یہ نہ بھولنے کہ آپ کا ایک مہمان آپ ہی کے پائیں باغ میں پراسرار طریقے پر مارا گیا۔“

”پراسرار طریقے پر۔“ میجر داؤد چونک کر بولا۔ ”شاید آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ایک پاگل کتے کا شکار ہوا تھا اور جس کی وجہ سے کتے نے حملہ کیا تھا وہ اس وقت جیل میں ہے۔“

”مگر میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

”یعنی.....!“

”یعنی یہ کہ وہ کتاباگل نہیں ہے۔ اگر دنیا کا کوئی ڈاکٹر اُسے پاگل ثابت کر دے تو میں اپنا نام بدل دوں گا۔“

”سمجھا۔“ میجر داؤد سر ہلا کر معنی خیز انداز میں بولا۔ ”اچھی طرح سمجھ گیا بھلا کوئی کیس ہو جائے اور پولیس والے رشوت کا حساب کتاب لگائے بغیر شریفوں کا پیچھا چھوڑ دیں..... ناممکن۔“

فریدی اس پر ہنس پڑا۔ ”تو نہ کراتا رہا لیکن حمید کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔

”پس کس سے باتیں کر رہے ہیں۔“ وہ آگے بڑھ کر تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

”میں ابھی کمشنر کو فون کرتا ہوں۔“ میجر داؤد نے بگڑ کر کہا۔

”کمشنر نہیں بلکہ وزیراعظم کو تار دے دیجئے۔“ حمید نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

”بھئی ان سب باتوں کی کیا ضرورت ہے۔“ عالیہ کی ماں گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ پھر

میجر داؤد کو شانے سے پکڑ کر پھاٹک کی طرف دھکیلتے لگی۔

”تم جاؤ..... جاؤ بھئی..... تمہیں ان سب باتوں سے کیا سروکار۔“

”سروکار۔“ میجر داؤد نے چیخ کر کہا۔ ”تم دونوں ماں بیٹی خاندان کی عزت کا جنازہ نکال دیجئے پر تل گئی ہو۔ میں ان کلنگدے پولیس انسپکٹروں کے آگے نہیں جھک سکتا۔“

ہو گئی۔ فریدی نے لیمپ اونچا کیا۔ دروازے میں ایک زنگ آلود تالا لٹک رہا تھا۔ فریدی ایک اسٹول گھسیٹ کر اس پر چڑھ گیا اور لیمپ کو تالے کے قریب لے جا کر کچھ دیکھنے لگا۔ دفعتاً اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلنے لگی اور وہ نیچے اتر آیا۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ اس کی نظریں سرعت سے دالان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اچانک انہیں اپنی پشت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

میجر داؤد منہ میں ایک بھدا سا پائپ دبائے اپنی چھوٹی چھوٹی پٹیلی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

”کہئے جناب تفتیش فرما چکے۔“ وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

”ارے تم پھر آگئے۔“ عالیہ کی ماں نے گہبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”خاموش رہو۔“ میجر داؤد کے لہجے میں سختی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو گھورتا رہا پھر منہ سے پائپ نکال کر پُر وقار انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

”تم یقیناً پاگل ہو گئے ہو۔“ اس نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور لیمپ زمین پر رکھ کر سگڑا سگڑا لگا۔

”خدا کے لئے تم چلے جاؤ۔“ عالیہ کی ماں بولیں۔

”ایسا نہ کہئے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میجر صاحب کی موجودگی ہمارے لئے باعث برکت ہے۔“

”تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔“ میجر داؤد چنچا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میجر صاحب۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”واقعی میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو۔“

”اصل مجرم کو گرفتار کرنا۔“

”تو اصلی مجرم یہ ہیں۔“ میجر عالیہ کی ماں کی طرف اشارہ کر کے پاگلوں کی طرح چنچا۔

”جنہوں نے عالیہ کو لاڈ اور پیار میں خراب کر دیا۔ اصلی مجرم عالیہ کا باپ ہے جس نے عالیہ کی بے راہروی پر اسے تنبیہ نہ کی۔“

”بکواس بند کرو۔“ عالیہ کی ماں اتنے زور سے چیختی کہ اس کی آواز بھراگئی اور پھر وہ بے تحاشہ چیختی ہی رہی، جو کچھ زبان میں آ رہا تھا پاگلوں کی طرح بکے جا رہی تھی۔ فریدی نے بدقت تمام اُسے خاموش کر لیا۔ میجر داؤد اس طرح مسکرا رہا تھا جیسے اس کی بھادج ابھی تک اس کی شان میں قصیدہ پڑھتی رہی ہو۔

”واقعی یہ مکان آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

”ہشت....!“ فریدی نے لیمپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں سامنے والے زینوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”یہ زینے۔“ اس نے عالیہ کی ماں سے پوچھا

”اوپری منزل کے ہیں۔“ اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ وہ ابھی تک میجر داؤد کو گھور رہی تھی۔

فریدی زینوں کی طرف بڑھا۔ دوسرے لمحے میں سب اوپری منزل کی طرف جا رہے تھے۔

اوپری منزل پر دو تین کمرے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ دوسری طرف بھی تھا، جو کھلا ہوا

تھا اور اس دروازے کے سامنے ایک چھوٹا سا چھجھا تھا۔ جس کے چاروں طرف لوہے کا جنگلا لگا ہوا

تھا۔ عین چھجے کے نیچے ایک بڑا سا گنجان شاخوں والا درخت تھا۔

فریدی چھجے پر کھڑا ہو کر لیمپ کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”کیا یہ دروازہ کھلا ہی رہتا ہے۔“ اُس نے مڑ کر پوچھا۔

”اس کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتی۔“ عالیہ کی ماں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ شاید

ابھی تک اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً چڑچڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور فریدی ایک چیخ کے ساتھ لیمپ سمیت نیچے چلا گیا۔ پھر

ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ ساتھ ہی دوسری طرف میدان میں ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا

سا ہوا.... اور پھر.... وہی تاریکی اور لامحدود سناٹا۔

شاخ میں خنجر

حمید بے تحاشہ چیخ کر چھجے کی طرف بڑھا اگر پشت سے میجر داؤد کی نارنجی روشنی اس کی

پھر ایک عجیب سی خاموشی طاری ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کو سکتہ ہو گیا ہو۔ میجر داؤد زمین سے اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جی ہوئی تھیں۔

”دیکھ لیا ضد کا انجام۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”میں آپ سے استدعا کروں گا کہ آپ یہاں سے چلے جائیے۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

”میں چلا جاؤں.... کیوں.... یہ میرا مکان ہے.... میری زمین ہے۔“

”چلے جاؤ۔“ دفعتاً فریدی گرج کر بولا۔ ”آپ سب جاسکتے ہیں۔“

عالیہ اور اس کی ماں میجر داؤد کو سمجھا بھا کر وہاں سے لے گئیں۔ فریدی نے ایک نوکر کے ہاتھ سے لالٹین لے لی۔

”اور یہ خون۔“ حمید تھوڑی دیر بعد فریدی کی پیشانی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”فی الحال اسے بھول جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور حمید کے ہاتھ سے نارچ لے کر درخت کی گنجان شاخوں میں روشنی ڈالنے لگا۔

نارچ کی روشنی ایک بڑے سے خنجر کے گرد دائرہ بنا رہی تھی، جو ایک موٹی سی شاخ میں پوسٹ تھا۔

”خنجر۔“ حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

فریدی نے نارچ حمید کے ہاتھ میں دے دی اور خود جوتے اتار کر درخت پر چڑھنے لگا۔ حمید خنجر پر روشنی ڈال رہا تھا۔ فریدی نے جیب سے رومال نکال کر خنجر پر ڈال دیا اور پھر اسے شاخ سے نکالنے کے بعد رومال میں لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا۔

درخت سے اتر کر وہ جھجے کے نیچے آگیا۔

”لالٹین ادھر لاؤ۔“ اس نے حمید سے کہا۔

تھوڑی دیر تک وہ جھجے کے ٹوٹے پتھر کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا کہ وہ ہاتھ آکر نکل گیا۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”کون۔“

آنکھیں نہ کھول دیتی تو شاید اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو فریدی کا ہوا کیونکہ جھجے کا ایک بڑا سا پتھر ٹوٹ کر نیچے گر چکا تھا اور اب اس کی جگہ ایک بہت بڑی سی غلاتھی۔ ایک بار پھر حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر میجر داؤد کے ہاتھ سے نارچ چھین لی اور نیچے کی طرف بھاگا۔

میجر داؤد کی گرجدار آواز تاریک عمارت میں گونج رہی تھی۔ ”اسی لئے منع کر رہا تھا۔“

حمید گر تاپڑتا بھاگا جا رہا تھا۔ پائیں باغ میں پہنچ کر اس نے ادھر ادھر روشنی ڈالی لیکن یہاں دوسری طرف پہنچنے کا کوئی راستہ نہ تھا

وہ پھانک سے گذرتا ہوائی عمارت کے پائیں باغ میں آیا۔ اب وہ اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ راستہ میں عالیہ نے اسے روکنا چاہا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس وقت ہوش ہی میں نہیں تھا۔ نئی عمارت کا چکر لگا کر وہ پرانی حویلی کی پشت پر پہنچا۔ جھجے کے نیچے ٹوٹا ہوا پیٹرو میکس لیپ پڑا ہوا تھا۔ لیکن فریدی۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید دیوانہ وار اس کا نام لے کر چیخنے لگا۔ مگر جواب نہ ملا۔ آہستہ آہستہ اس کی چیخوں میں ضبط گریہ کی کپکپاہٹ بھی شامل ہو گئی، لیکن بے سود۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دوڑنے لگا۔ اتنے میں میجر داؤد وغیرہ بھی کئی نوکروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں۔

بدقت تمام انہوں نے حمید کو روکا۔

”لاش کیا ہوئی۔“ میجر داؤد پر سکون لہجے میں بولا۔

”لاش....!“ حمید بے اختیار انہ انداز میں اس کا گریبان پکڑ کر چیخا۔ پھر اس نے میجر داؤد کو دھکا دیا اور پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

”بتاؤ فریدی کہاں ہے۔“ وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔ ”ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔“

دفعتاً جھجے کے نیچے والے درخت میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوئی اور کوئی زمین پر کودا۔

لالٹینیں اٹھیں اور حمید نے دفعتاً دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا۔

”ارے آپ۔“

”نہیں، بے نی ضرورت نہیں۔“ فریدی اس کا شانہ چھپکتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی سے

خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

”مجرم۔ اسی نے ججے کا پتھر سچ سے توڑا تھا اور پھر اس درخت پر بیٹھا میری موت کا انتظار کرتا رہا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“ حمید نے کہا۔ پھر سوچ کر بولا۔ ”میں نے میجر کے متعلق اپنے شبے کا اظہار کر کے غلطی نہیں کی تھی۔“

”میں اب بھی اس کے متعلق دو شک سے نہیں کہہ سکتا۔“ فریدی نے کہا۔

”بظاہر میجر کی حرکتیں ایسی ہیں کہ انہیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔“

فریدی لاٹین لے کر پھر درخت کے تنے کی طرف آیا۔

”دیکھو یہ پیر کے نشانات۔“ اس نے آہستہ سے کہا اور نشانات دیکھتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

دفعۃً اس نے لاٹین زمین پر گر کر دی اور کچھ سوچنے لگا۔

”میسود ہے۔“ اس نے کہا۔ ”یہاں زمین کچھ سخت ہے آگے نشانات نہیں مل سکتے۔“

”مگر وہ خنجر۔“

”ٹھہرو!“ فریدی ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔ لاٹین کی روشنی میں حمید نے دیکھا کہ وہ جھک

کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے۔ یہ ایک لفافہ تھا۔ حمید بے تابانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ لفافے پر تازہ خون کے دھبے تھے، اور اس پر عالیہ کا پتہ لکھا ہوا تھا۔

”اوہ یہ تو میرا ہی خون ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

دوسرے لمبے میں وہ لفافے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر لاٹین کی روشنی میں پڑھ رہا تھا۔

”عالیہ ڈارلنگ!“

یہ بہت نمدا ہو رہا ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ذرا اجرات سے کام

لو۔ اگر تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ورنہ میری زندگی محال ہے۔ میں خود کشی

کر لوں گا یا شاہد کو مار ڈالوں گا۔ خدا را کچھ کرو۔۔۔ بہت جلد۔۔۔

تمہارا سعید۔“

”اوہ۔۔۔!“ حمید چونک کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور فریدی لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

”تو شاہد کو مار ڈالنے کی نیت تھی۔“ حمید نے کہا۔

”دیکھو یہ خون بھری انگلیوں کے نشانات۔“ فریدی نے لفافہ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“

”اب معاملہ بالکل صاف ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجرم اسی خط کے لئے اس وقت یہاں آیا

تھا۔ یعنی خط چرانے کی نیت سے۔ اتفاقاً شاید اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ میں یہاں موجود ہوں اور

پرانی حویلی دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ تو صاف ہے کہ وہ اسی درخت کے ذریعے حویلی میں داخل

ہوا کرتا ہے۔ اس نے سوچا کیوں نہ میرا صفایا ہی کر دے۔ لہذا وہ ججے کا پتھر توڑ کر درخت پر اتر گیا

اور وہاں چھپا بیٹھا رہا۔ اُسے توقع تھی کہ میں ججے سے گر کر سیدھا زمین پر پہنچوں گا۔ مگر یہ بھی

ایک اتفاق تھا کہ درخت کی ایک شاخ میرے ہاتھ میں آگئی اور اس نے اپنی سکنم ناکام ہوتے دیکھ

کر مجھ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ یہاں بھی قدرت مہربان تھی۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو شاید تم اس

وقت میری لاش دیکھتے۔ اس نے تو اپنی دانست میں کامیابی حاصل کر ہی لی تھی۔ لہذا فوراً ہی کود

بھاگا۔ میں دراصل اس وقت نیم بیہوشی کی حالت میں تھا۔ ایک تودا پر سے اچانک گرنا اور پیشانی کی

چوٹ! مجھے اسی بات پر حیرت ہے کہ میں ایسی حالت میں اتنی دیر تک شاخوں سے کس طرح پھنسا

رہ گیا اور اسے لکھ لو کہ یہ وہی تھا جس نے شاہد کا سوٹ چرایا تھا۔ میں نے اس تالے کو بغور دیکھا

ہے، جو شاہد کے کمرے والے دروازے پر پڑا ہوا ہے۔ وہ زنگ خوردہ ضرور ہے لیکن قریب سے

دیکھنے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نے مٹی کا تیل ڈال کر اس کے اندر کی صفائی کرنے کی

کوشش کی ہے۔“

”مگر یہ خط۔“

”ہاں وہ اسے چرانے کے لئے آیا تھا تاکہ سعید کے خلاف ایک ثبوت اور مہیا ہو سکے! یہ خط

اس کے لئے بہت زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں سعید نے شاہد کو مار ڈالنے کی

خواہش ظاہر کی ہے۔“

”ہوگا۔“ حمید نے کہا۔ ”میں تو ابھی تک اُسی نظریے پر قائم ہوں کہ خود عالیہ ہی نے ان

دونوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اور اس وقت یہ خط والی چال اُن دونوں کے

تابوت میں آخری کیل معلوم ہوتی ہے۔“

”بھلا وہ کس طرح؟“

”عالیہ جانتی تھی کہ آپ اس وقت آئیں گے۔ لہذا اس نے پہلے ہی سے ان سب حرکتوں کا انتظام کر لیا تھا۔“

”پھر کہوں گا کہ تم ایک عظیم الشان احمق ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر یہی بات ہوتی تو وہ سوٹ غائب ہو جانے والا واقعہ خود نہ بتاتی کیونکہ شاہد کے نوکر کا بیان پہلے ہی قلم بند کیا جا چکا ہے اور اس میں اس کا تذکرہ نہیں تھا۔“

”چلے یہ بھی سہی۔“ حمید نے کہا۔ ”یہ بتائیے کہ آخر اس کے نوکر نے اتنے دنوں کے بعد یہ بات کیوں ظاہر کی۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ محض اس کی سادہ لوحی اور آقا پرستی کی جبلت کی بناء پر ہو تو اس نے خود سے یہ بات کبھی ظاہر نہ کی ہوگی۔ عموماً قاعدہ ہے کہ لوگ مرنے والوں کی شان میں ان کے بعد بڑے بڑے قصیدے پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے سامنے اسی قسم کی گفتگو ہو رہی ہو اور اس نے مرنے والے کی وضع داری پر بھی روشنی ڈال دی ہو کہ اس نے محض اخلافاً اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ اس کا سوٹ کسی نے چرایا تھا.... خیر چھوڑو اس بحث کو۔ آؤ چلیں۔“

دونوں پرانی حویلی سے نئی عمارت کی طرف روانہ ہو گئے۔

”ذرا ٹھہریے۔“ حمید بولا۔ ”آخر یہ زخم۔“

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔ شاید وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کی پیشانی سے ابھی تک خون رس رہا ہے۔ نئی عمارت کے برآمدے میں گھر کے سارے ملازم اور دونوں ہاں بیٹھی انتہائی سراسیمگی کے عالم میں کھڑی تھیں۔ فریدی کو دیکھتے ہی دونوں مضطربانہ انداز میں اس کی طرف بڑھیں۔

”عالیہ ڈاکٹر کو فون کرو۔“ عالیہ کی ماں نے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”زخم گہرا نہیں ہے۔ میں خود ٹھیک

کر لوں گا۔“

”یہ آخر ہوا کیسے۔“

”بارجے کا پتھر ٹوٹ گیا تھا۔“

”پتھر ٹوٹ گیا تھا۔“ بوڑھی متحیر ہو کر بولی۔

”جی ہاں اور اگر وہ درخت نہ ہوتا تو میں کہیں اور پایا جاتا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا تو اندر چلے۔ جلدی کیجئے۔“ عالیہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”میں آپ کی پیشانی کی ڈریسنگ کروں۔“

تھوڑی دیر بعد جب عالیہ غسل خانے میں فریدی کی پیشانی پر پٹی باندھ رہی تھی فریدی نے اس سے پوچھا۔

”سعید کبھی کبھی آپ کو خط لکھتا رہا ہوگا۔“

”اکثر۔“

”اس نے آخری خط آپ کو کب لکھا تھا۔“

عالیہ کچھ سوچنے لگی۔

”اتنا تو یاد نہیں۔“ عالیہ کچھ دیر بعد بولی۔ ”البتہ اتنا بتا سکتی ہوں کہ یہ بات دعوت سے پہلے کی ہے۔“

”کیا آپ مجھے وہ خط دے سکتی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ...!“ وہ کچھ گھبرا اسی گئی۔ ”بات.... یہ ہے.... بات یہ ہے کہ.... میں نے اُسے جلا دیا تھا۔“

”آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔“

”جی.... جی ہاں.... اچھی طرح۔“

فریدی نے جیب سے وہ لفافہ نکال کر عالیہ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عالیہ پٹی باندھ چکی تھی۔

”یہ کیا۔“ عالیہ بے اختیار اچھل پڑی۔

”اس کے اندر وہ خط موجود ہے۔“ فریدی نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

عالیہ نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے خط نکالا اور بے اختیار چیخ پڑی۔

”نہیں! نہیں۔ آپ اس خط سے سعید کو مجرم نہیں ثابت کر سکتے۔“

”کیوں؟“

”اس نے محض دھمکی دی تھی۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہرگز نہیں کیا۔“

عالیہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی تھی۔

”میں.... میں.... دراصل۔“ وہ تھوک نکلتی ہوئی بولی۔ ”میں آپ کو یہ خط نہیں دینا

چاہتی تھی۔“

”خیر....!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے یہ خط رکھا کہاں تھا۔“

”اپنے سونے کے کمرے میں۔“

”کیا اُس میں کوئی ایسا دروازہ ہے، جو پرانی حویلی میں کھلتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں.... کیوں؟“ عالیہ چونک کر بولی۔

”یونہی میں ذرا وہ کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”چلے۔“

عالیہ فریدی کو اپنے سونے کے کمرے میں لے آئی۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ پرانی حویلی کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور فرش پر شیشے کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے میں تین سوٹ کیس تھے جن کی ساری چیزیں کسی نے فرش پر بکھیر دیں تھیں۔ عالیہ تھوڑی دیر تک کمرے کی اتری کو متحیرانہ انداز میں دیکھتی رہی پھر فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔

”تو کیا آپ۔“

”آپ غلط سمجھیں؟“ فریدی آگے بڑھ کر بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک فرش پر جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا پھر اٹھ کر آہستہ سے بولا۔ ”کسی نے دروازے کا شیشہ توڑ کر چغنی گرائی ہے۔“

”کس نے۔“

”وہی جس نے بارے کا پتھر توڑ کر مجھے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔“

”پتھر توڑ کر.... میں کچھ نہیں سمجھی۔“

”وہ اسی خط کو چرانے کے لئے آیا تھا۔ مجھے یہاں دیکھ کر اس نے سوچا کہ کیوں نہ مجھ پر بھی

ہاتھ صاف کرتا چلے۔“

”کون ہو سکتا ہے۔“ عالیہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔

دوسرا حملہ

”یہ تو آپ ہی سوچ کر بتائیے۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”کسی ایسے آدمی کا نام جو شاہ

اور سعید دونوں کو ناپسند کرتا رہا ہو۔“

عالیہ چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

”شاید سے تو کوئی یہاں واقف ہی نہیں تھا اور سعید کے جاننے والوں کو میں نہیں جانتی۔“

”آپ نے اُس دن دعوت میں شرکت کرنے والوں کی لسٹ مجھے دی تھی۔“ فریدی نے

کہا۔ ”کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ بالکل مکمل ہے۔“

”جی ہاں۔“

”ان میں سے کسی پر شبہ ہے آپ کو۔“

عالیہ کچھ سوچنے لگی۔

میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا کوئی پرانا دوست۔“ فریدی چپے ہوئے لہجے میں بولا۔

عالیہ پہلے تو اُسے غیر جذباتی طور پر دیکھتی رہی پھر اچانک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ سے مدد لے کر غلطی کی۔“ عالیہ خشک لہجے میں بولی۔

”کیا آپ مجھے اپنے خاص خاص دوستوں کے نام اور پتے عنایت کریں گی؟“ فریدی نے اس

کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔“ عالیہ نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ وہ بھی فوراً اٹھا اور اس کے

پیچھے چلے لگا۔

”سنئے تو سہی۔“ فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر اُسے روکا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو کچھ نہ بتا سکوں گی۔“ عالیہ نے ترش روئی سے کہا۔ ”میں

انہیں اپنا بیان دے چکی ہوں، جو سرکاری طور پر اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں، لیکن ٹھہریے!

ابھی تک آپ کو جو تکلیف اٹھانی پڑی ہے اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔“

”معاوضہ.... شش شش.... تو گویا آپ مجھے رشوت دے کر میرا منہ بند کرنا چاہتی ہیں۔“

”رشوت.... کیا مطلب۔“

”مطلب یہ کہ ابھی تک حالات آپ ہی کے خلاف ثابت ہو رہے ہیں۔“

”کبھی! آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔“ عالیہ چراغ پا ہو کر بولی۔ ”خیر مجھے اس کی پرواہ

نہیں۔“ اور پھر عالیہ فریدی اور حمید کو برآمدے میں تنہا چھوڑ کر دوسری طرف چلی گئی۔

”یہ اچانک کیا ہو گیا۔“ حمید متحیرانہ لہجے میں بولا۔

”آؤ چلیں۔“ فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتا ہوا بولا۔

کپاؤنڈ سے باہر نکل کر فریدی نے حمید سے کہا۔ ”میں پرانی حویلی کی پشت پر تمہارا انتظار کروں گا۔ تم اس کتے کو گھر سے لے آؤ۔“

”کس کتے کو۔“ حمید چونک کر بولا۔

”عالیہ کا بلڈ ہاؤنڈ۔“

”یعنی..... یعنی..... مم.....!“ حمید ہکلا یا۔

”جلدی کرو۔“

”کمال کیا آپ نے وہ خونی کتا۔“

”یہ تم سے تو میں عاجز آ گیا ہوں۔ آخر مرے کیوں جاتے ہو۔“

”جناب والا، میں اس لئے مہاجر ہا ہوں کہ کسی پاگل کتے کا شکار ہو کر مرنا پسند نہیں کرتا۔“

”ہو کو مت! وہ پاگل نہیں ہے۔“

”آگئی شامت۔“

”جلدی کرو حمید یہ مذاق کا وقت نہیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“ حمید بیزاری سے بولا۔ ”اپنے حق میں دعائے مغفرت کا وقت ہے۔“

”جاؤ.....!“ فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اُسے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ ”اگر واقعی

تمہاری جان نکل رہی ہے تو اپنے ساتھ حامد کو بھی لیتے آنا۔“

حمید نے جھلا کر کار کا دروازہ بند کیا اور انجن اشارت کر دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا رہا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

عالیہ نے اسے جو مہمانوں کی لسٹ دی تھی اس میں قریب قریب سب ہی نام معمر قسم کے لوگوں کے تھے۔ ان میں سے اسے ایک بھی ایسا نظر نہ آیا جسے وہ عالیہ کا پرانا آشنا سمجھ سکتا۔

وہ بجھا ہوا سگار پھینک کر پرانی حویلی کے عقبی میدان کی طرف مڑ گیا۔ میجر داؤد کی نارنج اب

تک اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔

بارجے کے نیچے والے درخت کے قریب پہنچ کر اچانک اس نے محسوس کیا کہ وہ تاریک میدان میں تنہا نہیں ہے۔

ٹھیک بارجے کے نیچے جہاں پتھر ٹوٹ کر گرا تھا ایک تاریک سایہ بے حس و حرکت کھڑا نظر آیا۔ فریدی نے دوسرے ہی لمحے میں درخت کے موٹے تنے کی اوٹ لے لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سایہ بارجے کے نیچے سے ہٹ کر درخت کے نیچے آ گیا۔ اب فریدی سے اس کا فاصلہ بمشکل دو گز رہا ہو گا۔ فریدی اس کی تیز تیز سانسوں کو بخوبی سن رہا تھا۔ لیکن تاریکی اتنی گہری تھی کہ وہ اس کے خدوخال نہ دیکھ سکا اور پھر جب وہ میدان سے نئی عمارت کی طرف مڑا تو ایک کار فرائے بھرتی ہوئی اس کے قریب سے نکل گئی۔ کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی ایک پل کے لئے اس کے چہرے پر پڑی تھی اور فریدی ایک بیک چونک پڑا تھا۔ یہ میجر داؤد تھا۔ فریدی بدستور اپنی جگہ پر کھڑا میجر کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر تک وہاں یونہی بے مقصد کھڑے رہنے کے بعد وہ پھر سڑک پر آ گیا۔ اس کے ذہن میں بے شمار خیالات آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کیس کے سلسلے میں ابھی تک جتنے لوگوں کو اس نے قابل اعتنا سمجھا تھا وہ سب کے سب اُسے مشتبہ معلوم ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد پھر اسے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ غالباً اس بار پھر میجر داؤد ہی پرانی حویلی کے عقبی میدان کی طرف جا رہا تھا۔ مگر اب وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ ایک ہاتھ میں اس نے چھوٹی سی کدال سنبھال رکھی تھی اور دوسرے میں کوئی چیز لٹکائے ہوئے تھا۔

فریدی دبے پاؤں اس کا تعاقب کرنے لگا۔

میجر داؤد میدان کے جنوبی کنارے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ یہاں سے کچھ دور تک پرانے زمانے کی عمارت کے کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے اور پھر جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

میجر تھوڑی دیر کھڑا اور دھر دیکھتا رہا پھر کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ فریدی درختوں کی آڑ لیا ہوا تیزی سے اُدھر جھپٹا اور جب اس نے ایک گری ہوئی دیوار کے بلے کے پیچھے سے سر ابھارا تو میجر داؤد اسے زمین کھودتا ہوا نظر آیا۔ پھر اس نے کوئی چیز گڑھے میں رکھ کر زمین برابر کر دی۔

اس کے چلے جانے کے تقریباً پانچ منٹ بعد فریدی اوٹ سے نکل کر اسی جگہ آیا جہاں میجر نے کوئی چیز دفن کی تھی۔ اس نے مٹی ہٹانی شروع کی اور پھر چند لمحوں کے بعد اس کے ہاتھ میں

کے پیروں کے نشانات سو گئے رہا ہے۔“

کتا پھر رک کر زمین سو گئے لگا۔ اس بار اس نے سر اٹھا کر ایک ہلکی سی آواز نکالی اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دو تین منٹ گزر گئے لیکن کتا اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

”چھاؤ والاؤں۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔

”کیوں؟“ فریدی چونک کر بولا۔

”مجرم شاید زمین کے نیچے چلا گیا۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”بکو مت۔“ فریدی نے زمین پر نارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ آگے بڑھتے بڑھتے یک یک ایک جگہ جم

کیوں جاتا۔“

”تم سے سنجیدگی کی امید فضول ہے۔“ فریدی زمین کی طرف جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک اسی حالت میں رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر زمین پر نارچ کی روشنی ڈالتا ہوا

ایک طرف چلنے لگا۔

”غالباً آپ کسی سرگ کا دہانہ تلاش کر رہے ہیں۔“ حمید نے اسے پھر چھیڑا۔ ”بات ہے

بھی ٹھیک، جب آپ نے کتے کی رہبری قبول کر لی تو پھر کسی بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

حالانکہ حمید نے دیکھ لیا تھا کہ وہ کسی موٹر کے پہیوں کے نشانات پر چل رہا ہے اور یہ بھی

سمجھتا تھا کہ جہاں تک مجرم پیدل آیا کرتے ہیں اس کے پیروں کے نشانات سو گئے سو گئے کر ان کی

رہنمائی کی اور جہاں سے وہ موٹر پر سوار ہوا کتا بھی بے بس ہو گیا۔ لیکن اسے اس وقت فریدی کو

چھیڑنے میں خاصا لطف محسوس ہو رہا تھا۔

وہ سخت مٹی کی ہموار سطح والی زمین پر چل رہے تھے۔ پہیوں کے نشانات زیادہ گہرے نہیں

تھے۔ لیکن ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ زیادہ دیر کے نہیں ہیں۔

”جناب والا۔“ حمید نے کہا۔ ”آخر کہاں تک سر مارے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم کم و بیش میل

ڈیڑھ میل چل چکے ہیں۔ اگر نشانات کا سلسلہ براہ راست قیامت سے جاملتا تو کیا کریں گے۔“

فریدی نے پھر زمین پر نارچ کی روشنی ڈالی۔ اچانک شمال کی طرف سے ایک فائر ہوا اور کتا

ایک تھیلا بھول رہا تھا۔ فریدی جیب سے نارچ نکال کر اس کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لے

لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے اس تھیلے کو دوبارہ دفن کر کے مٹی برابر

کردی۔ وہ اٹھ رہا تھا کہ اسے کسی کتے کی آواز سنائی دی۔ جو انتہائی جوش و خروش کے ساتھ بھونک

رہا تھا۔ آواز قریب ہی آرہی تھی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی وزنی چیز گسیٹنی جا رہی ہو۔

فریدی آواز کی طرف دوڑا۔ بارے کے قریب والے درخت کے نیچے حمید عالیہ کے

بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے خود ہی اس کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔

کتا دراصل آزاد ہونے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ قبل اس کے کہ فریدی درخت تک پہنچتا بلڈ

ہاؤنڈ حمید کو درخت سے کافی دور تک گھسیٹ لے گیا۔

فریدی نے جھپٹ کر زنجیر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔ کتے نے اب اپنی ہی جگہ پر اچھلنا کودنا

شروع کر دیا تھا۔

حمید بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

”یہاں پہنچتے ہی گویا سالے کا دماغ خراب ہو گیا۔“ حمید اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش

کرتا ہوا بولا۔

آہستہ آہستہ کتا پرسکون ہوتا گیا لیکن وہ اب بھی بار بار زمین سو گئے رہا تھا۔

”دماغ نہیں خراب ہو گیا بلکہ اس وقت یہ تم سے بھی زیادہ عقلمند ثابت ہو رہا ہے۔“ فریدی

نے کہا۔

کتا تھوڑی دیر تک زمین سو گئے رہا پھر یکایک اس میں پہلا سا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

فریدی نے زنجیر ڈھیلی چھوڑ دی اور کتے کے ساتھ دوڑنے لگا۔

”ارے.... ارے۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔

”آؤ.... میرے ساتھ آؤ۔“ فریدی پلٹ کر بولا۔

حمید بے بسی سے فریدی کے ساتھ دوڑنے لگا۔

”آخر یہ کیا حماقت ہے۔“

”حماقت۔“ فریدی نے کہا۔ ”برخوردار یہ ہمیں مجرم کے پاس لے جا رہا ہے۔ مجھ پر حملہ

کرنے والا وہی تھا جس نے شاید کا سوٹ چرا کر اس کو تنگ کیا تھا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ اتار

اچھل کر دور جاگرا۔ فریدی مارچ بھگا کر تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ حمید نے بھی اضطرابی طور اس کی تقلید کی۔ کتنا زمین پر تڑپ رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کے وزنی جسم کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی مگر اس کے منہ سے کسی قسم کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ایک فائر اور پھر پھر تھوڑی دیر بعد حمید نے کچھ دور پر کسی کے تیز قدموں کی آواز سنی، جو بہت سرعت کے ساتھ دور ہوتی جا رہی تھی۔ شاید کوئی دوڑ رہا تھا۔

”فریدی صاحب۔“ حمید نے کچھ دیر بعد آہستہ سے پکارا۔ مگر جواب نہ دار۔ اس نے اپنا پکارا اور پھر بندرتج اس کی آواز تیز ہوتی گئی۔ پھر وہ بے تابانہ انداز میں کھڑا ہو کر چاروں طرف دوڑنے لگا۔ فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید کی پریشانی بڑھ گئی لیکن پھر یہ سوچ کر اطمینان سا ہو گیا کہ اگر دوسری گولی فریدی کی لگی ہوتی تو وہ بھی یہیں کہیں ہوتا۔

حمید بھی اسی سمت دوڑنے لگا جدھر اس نے قدموں کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ نہ جانے کہ تک دوڑتا رہا پھر اچانک اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور وہ رک گیا۔ بھلا اس طرح بے متہ دوڑتے رہنے سے کیا فائدہ؟

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ کر اپنی سانسیں درم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

صرف ایک دن کے اندر ہی اندر اتنے واقعات پیش آئے تھے کہ حالات کا اندازہ لگانا دشوار ہو گیا تھا۔ اس کیس میں بہتیرے ایسے نکتے تھے جن پر بحث کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا اور اس میں سب سے زیادہ اہم نکتہ خود مقتول شاہد کی شخصیت تھی۔ وہ کون تھا؟ کہاں سے آچکا تھا؟ اور اس کے اعزہ کیسے تھے جن کے کان پر جوں تک نہ رہی تگی؟

دوسری بات یہ کہ اچانک عالیہ اور فریدی میں شکر رنجی کیوں ہو گئی تھی؟ اس نے اس کی لینے سے انکار کیوں کر دیا تھا؟ یہ چیزیں بھی اپنی جگہ پر انتہائی پُر اسرار اور قابل غور تھیں کیونکہ خود فریدی کے ساتھ کئی بار ایسا ہو چکا تھا کہ اکثر قاتلوں نے مظلوم بن کر محض اس لئے کہ اس سے مدد طلب کی تھی وہ ان پر شبہ نہ کر سکے؟ تو کیا عالیہ بھی اسی قسم کا رول انجام دے رہی ہے؟ حمید نے عالیہ کے متعلق پہلے ہی یہ بات سوچی تھی لیکن فریدی نے اس پر دھیان نہیں

تھا اور اب آہستہ آہستہ حمید کا یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ جہانگیر پیلس کا کوئی فرد شاہد کا قاتل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میجر داؤد عالیہ اور اس کی ماں تینوں اس سازش میں برابر کے شریک ہوں اور بیچارے سعید کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہو۔

حمید سوچنے لگا کہ یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ عالیہ جیسی فطرت رکھنے والی لڑکیاں عاش بدلنے میں یہ طویل رکھتی ہیں۔ ان کی جنسیت کی سیمائی کیفیت کسی سے پیچھا چھڑانے کے لئے انہیں قتل تک پر آمادہ کر سکتی ہے۔

وہ اسے آج سے نہیں برسوں سے جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے اس دوران میں متعدد نوجوانوں سے رشتہ جوڑا تھا اور پھر انہیں اس طرح بھول گئی تھی جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو۔ ایک زمانے میں خود حمید نے بھی اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی لفٹ نہ ملنے پر ٹال گیا تھا۔ ٹھیک ہے اس نے سوچا، اسے جہانگیر پیلس ہی کی طرف چلنا چاہئے۔ اسے میجر داؤد سے تو خاص طور پر ضد ہو گئی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اسے ضرور ٹھک کرے گا۔ اس کا غرور کانٹے کی طرح حمید کے دل میں کھٹک رہا تھا۔

وہ اٹھ کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ آبادی میں پہنچ کر روشنی میں اس نے اپنے کپڑوں پر جی ہوئی گرد جھماڑی۔ ایک ریسٹوران کے غسل خانے میں بال درست کئے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر جہانگیر پیلس کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ اسی کے قریب اس نے فریدی کی کار چھوڑی تھی۔ وہ ابھی تک فریدی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

نئی مصیبت

گیارہ بج چکے تھے۔ لیکن جہانگیر پیلس کے برآمدے میں ابھی تک روشنی ہو رہی تھی اور لوگوں کے گفتگو کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ حمید دراندہ اندر گھستا چلا گیا۔ لیکن برآمدے میں پہنچ کر یک بیک چونک سا پڑا۔ عالیہ جس آدمی سے باتیں کر رہی تھی حمید اسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔ یہ وہی پُر اسرار آدمی تھا جس سے آج صبح اس کی ملاقات ٹرین میں ہوئی تھی اور پھر اس نے اُسے فریدی سے بے سرو پا گفتگو کرتے سنا تھا۔ فریدی نے اس کا تذکرہ حمید سے چھیڑا تھا

لیکن وہ محض اپنی اکتاہٹ کی وجہ سے اُس کے متعلق پوری معلومات حاصل نہ کر سکا تھا۔
حمید تو یہ توقع لے کر آیا تھا کہ عالیہ اس سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرے گی اور اُسے اپنا
آفسرانہ شان کو کام میں لانا پڑے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ عالیہ اُسے دیکھتے ہی کھڑی ہو کر
اور حمید کو اُس کے خوش اخلاقانہ انداز سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کے گھر کسی تقریب پر
شرکت کرنے کی غرض سے آیا ہو۔

”تشریف رکھئے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

اجنبی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ آپ ہی تھے۔“ اجنبی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”کون....!“ حمید چونک پڑا۔

”آپ ہی تو مجھے ٹرین پر بیوقوف بنایا تھا۔“ اس نے جھپٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اتنی جلدی بھول گئے۔ آج ہی کی تو بات ہے۔“

”شاید آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں اس

سے قبل آپ سے کبھی نہیں ملا۔“

”اگر آپ اس وقت بھی مجھے بیوقوف نہیں بنا رہے ہیں تو مجھے حیرت سے بیہوش ہو جانا چاہئے۔“

”میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں جب کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو کہیں دیکھا بھی نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ عالیہ نے کہا۔ ”آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے اور آپ شاید مرحوم

کے کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔“

”اوہ.... ہو سکتا ہے۔“ اجنبی نے کہا۔ ”یا تو میں خواب دیکھ رہا ہوں یا پھر....؟“

”میں ایک ضروری بات دریافت کرنے کے لئے آپ کے پاس آیا تھا۔“ حمید نے اس کی

بات پر دھیان دیئے بغیر عالیہ سے کہا۔

”فرمائیے۔“

حمید کا توقف دیکھ کر اجنبی اٹھا۔

”اچھا تو مس عالیہ اب میں چلوں گا۔“ اس نے کہا۔ لیکن وہ اب بھی بار بار حمید کی طرف

دیکھ رہا تھا۔

اسکے چلے جانے کے بعد حمید سوچنے لگا کہ وہ عالیہ سے کیا پوچھے! دفعتاً ایک بات سوچ گئی۔

”میں انہیں حضرت کے متعلق پوچھنے آیا تھا۔“

”ہیا....؟“ عالیہ چونک کر بولی۔

”یہ کون ہیں اور ان کا کیا نام ہے۔“

”نعیم الرشید.... جنوبی افریقہ کے ایک ہندوستانی تاجر ہیں.... اور والد صاحب کی تجارت

کے ایک حصے دار۔“

”یہاں کب سے مقیم ہیں۔“

”یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہاں کے کچھ تاجروں سے حساب فہمی کے لئے آئے ہیں۔“

”اوہ....!“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا اُس دن تقریب میں یہ بھی شریک تھے۔“

”جی ہاں۔“

”مگر ان کا نام تو مہمانوں کی فہرست میں نہیں ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ عالیہ لا پرواہی سے بولی۔ ”لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ممکن ہے دو ایک

نام رہ بھی گئے ہوں۔ اس وقت بھلا اس کا ہوش کسے رہا ہو گا کہ کون آیا اور کون گیا۔“

”ٹھیک ہے....“ حمید نے کہا۔ ”میں نے یونی پوچھا تھا۔“

”تو کیا یہ سچ ہے کہ آج آپ نے انہیں ٹرین میں پریشان کیا تھا۔“ عالیہ نے پوچھا۔

”نہیں، انہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو ایک عرصے سے شہر ہی میں مقیم ہوں۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر عالیہ بولی۔

”اس وقت دراصل مجھے غصہ آگیا تھا۔ بات بھی ایسی ہی تھی۔ فریدی صاحب کا لہجہ بھی

بہت ناگوار گذر رہا تھا۔“

”کیا بات ہوئی تھی۔“

”اب کیا بتاؤں، یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں بہت سوشل ہوں۔ ہر ایک سے آزادانہ ملتی

ہوں۔ فریدی صاحب نے اس پر طنز کیا تھا۔ میں انہیں کافی آزاد خیال اور الراموڈرن سمجھتی تھی۔“

”اوہ مجھے افسوس ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ بُرا نہ مانئے گا۔ بعض اوقات وہ خیالات میں اس

”قطعی بے مقصد۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”بعض اوقات بے مقصد ہی گفتگو کرنے کو دل چاہتا ہے۔“
 ”تو پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ فریدی صاحب بخیریت تمام گھر پہنچ گئے ہیں۔“

”اور آپ کو اس پر حیرت ہے۔“ حمید نے جلدی سے پوچھا۔
 ”جی.... جی نہیں۔“ عالیہ گڑبڑا کر بولی۔ پھر وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔ حمید بنور اس کی بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہا تھا۔
 ”آپ آخر چاہتے کیا ہیں۔“ وہ تھوڑی دیر بعد پھر بولی۔

”کوئی خاص بات نہیں۔ میں آپ کو صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ فریدی صاحب پر آپ ہی کے گھر سے حملہ شروع ہوئے ہیں۔“
 ”تو پھر! کیا ہم لوگ اس کے ذمہ دار ہیں۔“ عالیہ گھبرا کر بولی۔

”دیکھئے ثبات بالکل صاف ہے۔ شاید کہاں مارا گیا؟ آپ کے گھر پر۔ کسی نے اس کا سوٹ بھی چرایا تھا۔ فریدی صاحب کو بھی یہیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر میجر صاحب وغیرہ فریدی صاحب کو پرانی حویلی میں جانے سے کیوں روک رہے تھے۔ حویلی کی عجیب و غریب آوازوں کا قصہ بھی کم دلچسپ نہیں ہے۔ لیکن بھوت پریت وغیرہ کے متعلق میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی پر چاقو سے حملہ کیا ہو یا گولی چلائی ہو۔ آپ کا شکاری کتاب جس شکار کی تلاش میں مارا گیا وہ بھوت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بھوت اپنے قدموں کے نشانات نہیں چھوڑتے۔“

”تو یہ کہنے کہ آپ لوگ گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔“ عالیہ نے پوچھا۔
 ”میرا ہرگز یہ مطلب نہیں۔“ حمید نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔
 ”میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آپ لوگ بھی ہوشیاری سے رہنے گا۔ کوئی آپ کے خاندان سے دشمنی پر کمر بستہ نظر آ رہا ہے۔“

”اوہ.... اس کی فکر نہ کریں۔“ عالیہ طنزیہ انداز میں بولی۔

تھوڑی دیر تک حمید خاموش رہا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔

”خیر میرا جو فرض تھا میں نے ادا کر دیا۔“

جیسے ہی اس نے برآمدے سے قدم نکالا عالیہ نے کسی نوکر سے برآمدے کی روشنی گل

طرح ڈوب جاتے ہیں کہ انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ زبان سے کیا کہہ رہے ہیں۔
 ”خیر بہر حال.... مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے۔“ عالیہ نے کہا۔

”اب اسی سے ان کی نیک دلی کا اندازہ لگا لیجئے کہ انہوں نے آپ کی تلخ کلامی کا بُرا نہیں مانا۔“
 ”فریدی صاحب ہیں کہاں۔“ عالیہ نے پوچھا۔
 ”شاید اس بار ان کے گولی لگی ہے۔“

”کیا مطلب....؟“ عالیہ تقریباً اچھل کر بولی۔
 ”کسی نے ان پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد سے مجھے پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے۔“ حمید نے کہا۔
 وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ عالیہ کو سب کچھ بتا کر اس پر اس کا رد عمل دیکھے کیونکہ وہ بھی اس کی مشتبہ آدمیوں کی لسٹ میں شامل تھی۔

اس نے فریدی کے چہرے سے گرنے کے بعد کے واقعات دہرا دیئے۔

”اوہ میرے خدا!....؟“ عالیہ تقریباً چیخ کر بولی۔

اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگی تھیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے جو کی طرف دیکھتی رہی پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

”تو گویا ان پر دوسرا حملہ تھا۔“

”یہی سمجھنا چاہئے۔“ حمید نے کہا۔

”اور آپ یہاں اطمینان سے بیٹھے باتیں بنا رہے ہیں۔“ عالیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”پھر آپ کی دانست میں کیا ہونا چاہئے؟“ حمید نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔“ عالیہ جھنجھلا کر بولی۔

”بیٹھے بیٹھے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فریدی کو کرائے کے آدمی نہیں مار سکتے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”اوہ چھوڑیے بھی۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”آپ کی انگوٹھی بہت خوبصورت ہے۔ دے

کسی اور کے ہاتھ میں اچھی بھی نہ لگتی۔“

عالیہ حیرت آمیز نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کی گفتگو کا مقصد کیا ہے۔“

کردینے کے لئے کہا اور پھر لان پر بھی اندھیرا چھا گیا۔

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا پائیں باغ کے پھانک تک آیا۔ آج آسمان بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لئے تاریکی بڑھ گئی تھی۔

جیسے ہی حمید پھانک سے نکلا کسی نے اس کی داہنی کپٹی پر ایک زوردار گونہ رسید کیا۔ حمید اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس لئے توازن برقرار رکھنا اس کے لئے دشوار ہو گیا اور وہ لہر لہر کر زمین پر آ رہا۔

تھوڑی دیر بعد جب اُسے ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ کسی کار کی پچھلی سیٹ پر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ اس کے ہاتھ اور پیر ایک ساتھ ملا کر باندھ دیئے گئے ہیں۔ کار چل رہی تھی، اس نے بہتری کوشش کی کہ کار چلانے والے کا چہرہ دیکھ سکے لیکن ممکن نہ ہوا۔ اس کے ہاتھ اور پیر چھت کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُسے اپنی ہیئت کدائی پر ہنسی آنے لگی۔ بڑا ستم ظریف تھا جس نے اُسے اس طرح باندھ کر ڈال دیا تھا۔

کچھ دیر تک اسی حالت میں رہنے کے بعد حمید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ہاتھ اور پیر ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ درد لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ آخر کار ایک جگہ رکی۔ کار چلانے والا اتر گیا۔ پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد دو آدمی آئے اور انہوں نے اسی حالت میں حمید کو اٹھا کر ایک طرف چلنا شروع کیا۔ ایک نے اس طرح پکڑ رکھا تھا کہ اس کا ایک ہاتھ اس کی آنکھوں پر تھا۔ اس لئے حمید راہ کا بھی اندازہ نہ لگا سکا۔ دفعتاً حمید نے عجیب قسم کی بو محسوس کی۔ حد درجہ ناخوشگوار۔ اگر اس کے ہاتھ آزاد ہوتے تو وہ بے اختیار اپنی ناک بند کر لیتا.... تو کیا وہ اسے کسی مردہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ دفعتاً حمید کا ذہن جاگ اٹھا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ حقیقتاً کسی سڑے ہوئے مردہ جسم ہی کی بو تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد ہوا کے جھونکے پھر پاک و صاف محسوس ہونے لگے۔

”اب مجھے ڈال کر تم بھی سستالو۔“ حمید نے جی کڑا کر کہا۔ ”ہے ہے.... کسی نم"

طرح ہانپ رہے ہو.... چہ چہ۔“

”چپ رہو سالے۔“ ایک آدمی گرج کر بولا۔

”یار ایسے وقت میں تو مجھے گالیاں نہ دو جب کہ میں مرنے جا رہا ہوں۔“ حمید ہنس کر بولا۔

”تم کیا جانو کہ تم مرنے جا رہے ہو۔“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ندی میں پھینکو گے۔“

”اوہ تو کیا تمہیں دکھائی دے رہا ہے۔“ اس بار وہ بولا جس نے حمید کی آنکھیں ڈھانپ رکھی تھیں۔

”اس وقت من کی آنکھیں کھل گئی ہیں بابا۔“ حمید نے ٹھیکہ درویشانہ انداز میں کہا۔

”اچھا بس خاموش رہو۔“

”کیوں بگڑتے ہو یار۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”میں شاید چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ میری دلی

خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے تمہیں کئی گر کی باتیں بتا دوں۔“

”بکو اس بند کرو۔“

”اچھا بیٹا بند کر دی بکو اس۔“ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کائی اور سیلن کی بساندہ بتا رہی تھی کہ دریا نزدیک ہی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر انہوں نے اُسے اسی حالت میں پھینکا تو ڈوب جانا یقینی ہے۔ انہوں نے اسے اپنے کانڈھوں پر لا د رکھا تھا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اب بھی اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر وہ تھوڑی سی جدوجہد کرے تو اس کا داہنا ہاتھ آزاد ہو سکتا ہے۔ اتنی مسافت طے کرنے کے دوران میں اس کی بندش کچھ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ بات یہ تھی کہ ہاتھوں اور پیروں کے لئے ایک ہی رسی استعمال کی گئی تھی اور انہیں ایک ساتھ ملا کر باندھا گیا تھا۔ باندھنے والے کا مقصد محض حمید کو اذیت دینا تھا۔ لیکن اُس نے اس معاملے میں عقلمندی سے کام نہیں لیا تھا۔

حمید نے اپنے داہنے ہاتھ کو جنبش دی اور اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔

”سنو بیٹو۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”مرنے سے پہلے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ سب کچھ کرنا مگر شادی کبھی نہ کرنا۔“

”اچھا اچھا بابا جان۔“ ایک جھلا کر بولا۔ ”اب چپ بھی رہو ورنہ ہڈیاں سرمہ کر دوں گا۔“

”اور اگر تم نے میری نصیحت نہ مانی تو تمہیں جھگٹنا پڑے گا۔ یار ذرا ہاتھ ڈھیلا کرو، تم تو میری آنکھیں پھاڑے ڈال رہے ہو۔“

دراصل اس کے قدموں کی آواز پر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ حمید یلکھت رک گیا۔ اب وہ سیدھا جانے کے بجائے داہنی طرف مڑ کر بچوں کے بل چل رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ کی بھاگ دوڑ کے بعد وہ شارع عام پر آگیا۔ تعاقب کرنیوالوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سڑک سنان پڑی تھی۔ غیر آباد علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں بجلی کے کھمبے بھی نہیں تھے۔ حمید کو خوف تھا کہ کہیں وہ پھر نہ پکڑ لیا جائے۔ اس لئے اس نے جوتے اتار کر بچوں کے بل دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ اس کے چاروں طرف بیکراں تاریکی تھی اور پیروں کے نیچے کنکریٹ اور کوئلہ کی چکنی سڑک۔

تھوڑی دیر بعد اسے روشنی کے ننھے ننھے دھبے دکھائی دیے۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ وہ شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اگر سمت مخالف میں جا پڑتا تو اسے اس کا احساس تک نہ ہوتا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ آبادی میں پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔ جوتے پہنے اور ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ وہ کسی طرح پھر جہانگیر پبلک تک پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ فریدی کی کار ابھی تک وہیں تھی۔ بدقت تمام اُسے ٹیکسی مل گئی۔

جہانگیر پبلک پہنچنے کے بعد اسے پھر اسی ٹیکسی پر واپس آنا پڑا کیونکہ فریدی کی کار وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حملہ آور اُسے فریدی ہی کی کار پر لے گئے تھے۔ اگر ایسا ہے تو کار بھی گئی۔ اسے دراصل اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر وہ عالیہ سے ملا ہی کیوں تھا۔

حمید نے ٹیکسی ڈرائیور کو فریدی کی کوٹھی کا پتہ بتایا اور پھر خیالات میں ڈوب گیا۔ کوٹھی کا پھانگ ابھی تک کھلا ہوا تھا؟ حمید سوچنے لگا کیا ابھی فریدی واپس نہیں آیا؟ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دینے اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کوٹھی میں داخل ہوا۔ فریدی کی کار پور نیکیو میں کھڑی ہوئی تھی اور پھر اس نے فریدی کے کمرے میں روشنی بھی دیکھی۔ وہ اس کی طرف جھپٹا۔ فریدی کمرے میں تنہا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جسے دیکھتے ہی حمید بے اختیار چونک پڑا۔ یہ شہر کا ایک شریف بد معاش نادر تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھا فریدی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”کہاں رہ گئے تھے۔“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔

”یہی داستان ہے۔“ حمید نادر کو گھورتا ہوا بولا۔ ”آپ کی موجودگی کا مطلب۔“

”لے بیٹا تو بھی کیا یاد کرے گا۔“ دوسرے نے کہہ کر اس کی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹالیا۔

”شکریہ.... کیا تم لوگ مجھے جانتے ہو۔“

”نہیں۔“

”مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔“

”بکومت۔“ پہلا گرج کر بولا۔

اس دوران میں حمید کا داہنا ہاتھ آزاد ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد پوری رسی کھول ڈالنے میں کوئی دشواری نہ رہ گئی۔ حمید نے رسی کھول کر اپنے پیٹ پر رکھ لی اور بدستور ہاتھ اور پیر اٹھائے رہا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ اُسے دریا میں پھینکیں گے لیکن جب وہ دریا والا راستہ چھوڑ کر دوسری طرف مڑے تو اسے اطمینان ہو گیا۔ اب وہ ایک کافی چوڑی پگنڈی پر چل رہے تھے جس کی دونوں طرف چھپول کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔

”سنو دوستو۔ میں ذرا پیشاب کرنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”چپ رہو۔“

”خیر میں تمہارے اوپر ہی کروں گا۔ مرنا تو ہے ہی۔“

”سچ مجھ ڈالوں گا۔“ پہلا گرج کر بولا۔

”اچھا تو بچو۔“ حمید نے اس طرح کہا جیسے سچ مجھ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے جا رہا ہو۔

دونوں نے اسے جلدی سے زمین پر ڈال دیا۔

دوسرے لمحے میں حمید اچھل کر جھاڑیوں کے اندر گھس چکا تھا۔

دونہیں جیتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے۔ حمید قطعی نہبتا تھا اس لئے اس نے ٹھہر کر ان سے

دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ پوری قوت سے جھاڑیوں میں دوڑ رہا تھا۔

مجرم کون؟

تھوڑی دیر بعد حمید کو خیال آیا کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔ اگر وہ اسی طرح دوڑتا رہا تو تعاقب کرنے والے زندگی بھر پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ وہ ان کے قدموں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔

”ایک عورت نے۔“

”عورت.... کون عورت؟“ فریدی نے چونک کر پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”بہت اچھے۔“

”میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔ میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی۔“

”بہت خوب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اب میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں۔ وہ مجھے ہمیشہ رات میں ملتی رہی ہے۔ کسی دیران مقام پر اس نے مجھے شاہد کا سوٹ چرانے کی ترکیب بتائی تھی اور اسی نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ میں جہانگیر پیلس کے بلند ہاؤس کو وہی سوٹ پہن کر راتوں میں تنگ کیا کروں۔ اس نے مجھے پرانی حویلی میں داخل ہونے کا راستہ بتایا تھا۔ ان سب کاموں کی اجرت پانچ ہزار روپے تھی۔ ڈھائی ہزار پیشگی دیئے گئے تھے میں اتنا احمق نہیں کہ بغیر سمجھے اس چکر میں پھنس گیا۔“

”اور وہ خط۔“

”وہ خط بھی اسی نے منگوایا تھا۔ اس کے لئے پرسوں رات کو اس نے دوبارہ جہانگیر پیلس کا اندرونی نقشہ سمجھایا تھا۔“

”عورت بوڑھی تھی یا جوان۔“

”آواز سے تو جوان ہی معلوم ہوتی تھی۔“

”تو تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ عورت کون تھی۔“

”نہیں۔“

”نادر۔“ دفعتاً فریدی کی آواز بلند ہو گئی۔

”جی....!“ وہ سہم کر بولا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”نہیں نہیں۔“

”کموت! اس نے جو کام تم سے لیا تھا وہ اتنا بے سرو پا تھا کہ تم کسی طرح اس کا پتہ و نشان جاننے کی خواہش نہیں دبا سکتے تھے۔ تمہاری جگہ اگر کوئی احمق ترین آدمی ہو تا تو وہ بھی یہی کرتا۔“

”اوہ.... آپ....!“ فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ ”آپ کے حوصلے بہت بلند ہو گئے ہیں۔“

”انسپکٹر صاحب مجھے نہیں معلوم تھا؟“ نادر بے بسی سے بولا۔

”ہاں ہاں۔“ فریدی ہونٹ سکڑ کر بولا۔ ”تمہیں معلوم تھا کہ میں اتنے حملوں کے بعد بھی

بچ جاؤں گا۔“

”آپ سنئے تو سہی۔“ نادر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

”سنائیے۔“ فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ....!“

”ہاں ہاں کہو رک کیوں گئے۔“

نادر خاں پھر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر سوچنے رہنے کے بعد پھر بولا۔

”میں وہ خط چرانے کے لئے گیا تھا۔ وہاں مجھے نوکروں کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ کوئی جاسوس شاہد کے کمرے میں چھان بین کر رہا ہے۔ بخدا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ آپ ہیں، ورنہ میں اس کی ہمت نہ کرتا۔“

”اور دوسرے حملے کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”دوسرا حملہ صرف کتے پر تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ مجھے کبھی نہ چھوڑتا۔“

”تو شاہد کا سوٹ تم نے چرایا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”آج رات تم تنہا تھے۔“

”جی ہاں.... جی ہاں۔“

”لیکن اس وقت تک تمہارے پاس رائفل نہیں تھی جب تم نے درخت پر خنجر سے حملہ کیا تھا۔“

”نہیں تھی۔“

”تو پھر تم رائفل لے کر دوبارہ واپس آئے تھے۔“

نادر خاں پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”جی نہیں.... وہ رائفل مجھے کسی نے دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ آپ نے کتا منگو لیا۔“

”کس نے۔“

”اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔“
 ”خیر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ ”تم ایک بار ملک الموت کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرو گے۔ لیکن ادھر دیکھو! میری طرف تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری فقرے بازی میں آکر عالیہ کو مجرم سمجھ لوں گا۔“
 ”کون عالیہ۔“ نادر خان چونک کر بولا۔

”حمید۔“ فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”اسے بتاؤ کہ کون عالیہ۔“
 ”میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔“ حمید نے کہا اور فریدی کی میز پر سے ایک چھوٹا سا قلم تراش چا تو اٹھا کر نادر خاں کی طرف بڑھا۔

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کہا اور نادر خاں کو گھورنے لگا۔
 ”مگر..... مگر..... یہ قانون کے خلاف ہے۔“ نادر خان چیخا۔
 ”قانون..... جب قانون کی حفاظت میرے ذمہ آپڑتی ہے تو میں مجرموں کو قانون سے دور ہی رکھتا ہوں۔“

حمید نے چاقو کی نوک نادر کی گردن پر رکھ دی۔
 ”ٹھہرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ ”یہ بہت ہی معمولی قسم کی اذیت ہوگی۔ انگلیٹھی میں کوئلے سلگاؤ۔“

”سنئے تو سہی۔“ نادر لرز کر بولا۔
 ”سنائیے۔“

”میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔“
 ”چلو میں نے اسے بھی تسلیم کر لیا، جو تم عرض کرنا چاہتے ہو۔“ حمید بولا۔

”ٹھہریئے..... ٹھہریئے۔“ نادر گڑ گڑایا۔
 ”ہاں کہو! کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”وہ میجر داؤد تھا۔“
 فریدی بیٹھ گیا۔ اس کی عقابی آنکھیں نادر خاں کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”اس نے اب سے ایک ماہ پیشتر مجھے اس کام کے لئے کافی رقم دی تھی کہ میں پرانی حویلی کو

آہستہ زدہ بنادوں۔ میں ہی وہاں جا کر عجیب و غریب آوازیں پیدا کیا کرتا تھا۔ پھر اس نے مجھے شاہ کا سوٹ چرانے کے لئے آمادہ کیا۔ پھر کتے کو تنگ کرنے کے لئے کہا اور آخری کام خط چرانا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سوٹ والا معاملہ ظاہر ہو چکا ہے تو اس نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ آپ کو ختم کر دوں۔“

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”اچھا بیٹے تم میری مہمان رہو گے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میں فی الحال تمہیں پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اپنی قید میں رکھوں گا۔“

”مجھے آپ حوالات ہی بھیج دیں تو بہتر ہے۔“

”کیوں؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کی قید کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ آپ کے تہ خانے پر جہنم کو ترجیح دوں گا۔“

”بہت پرانی بات ہے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”اب وہاں بہتری اصلاحات ہو چکی ہیں،

ٹیوب لائٹ اور بجلی کے سنبھلے کا خاص انتظام ہے۔ فرش پر ایرانی قالین ملے گا۔ بہترین قسم کا صوفہ

سیٹ۔ بہر حال قیام و طعام کا معقول انتظام رہے گا۔“

”نہیں نہیں! خدا کے لئے آپ مجھے حوالات ہی میں بھجوادیتے۔“

”ہوں اور پھر وہاں لوگ مار مار کر تمہارا کچومر نکال دیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اب بھی

تمہارے ساتھ رعایت برتنے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔ مثلاً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تم پر

یہ الزام عائد نہ کروں کہ تم نے مجھ پر تین بار قاتلانہ حملہ کیا تھا۔“

”اوہ.....!“

”ہاں..... لیکن ایک شرط کے ساتھ۔“

”کیا.....!“

”تم مجھے سب کچھ سچ سچ بتاؤ۔“

”تو آپ کو اس پر بھی یقین نہیں آیا۔“

”نہیں بیٹے میں احمق نہیں ہوں۔ غالباً تم نے میجر داؤد سے میری تکرار سن لی تھی۔ اس

لئے اب تم اسے گھینٹنے لگے۔ میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔“

”تو پھر اب میں کسی پر جھوٹا الزام نہیں رکھ سکتا۔ میں نے سچی اور آخری بات آپ سے کہ دی۔“ نادر نے کہا۔

”ابھی تم ایک اور سچی اور آخری بات بتاؤ گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تھوڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا پھر اس کا گریبان پکڑ کر بولا ”اٹھو...!“

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی کمرے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ نادر خاں کو انہوں نے تہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ حمید کے استفسار پر فریدی بولا۔

”میں نے تھوڑی دور تک تعاقب کرنے کے بعد اُسے پکڑ لیا تھا۔“

”اب میری دکھ بھری داستان سنئے کہ اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔“

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا اور سارے واقعات دہرا دیئے۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پورا گروہ کام کر رہا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”نہیں... ذرا یہ تو بتائیے کہ نعیم الرشید آپ کے پاس کیوں آیا تھا...؟“

”وہ مجھے افریقہ بھیجنا چاہتا تھا۔ وہاں اس کی تجارت میں گول مال ہو رہا ہے۔“

”اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ عالیہ کے باپ کی تجارت میں بھی اس کا حصہ ہے۔“

”نہیں۔“ فریدی چونک کر بولا۔

”جی ہاں مجھے یہ بات عالیہ سے معلوم ہوئی ہے۔“

”اوہ...!“ فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

پھر حمید نے ٹرین کا واقعہ بھی دہرا دیا۔

”تم نے پہلے ہی کیوں نہ بتایا تھا۔“

”ابھی اور سنئے۔“

”کیا...؟“

”وہ اس دن عالیہ کی معافی کی تقریب میں بھی شریک تھا۔“

”ہوں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا ”اور مہمانوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں تھا۔“

”میں نے عالیہ سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن وہ بڑی لاپرواہی سے ٹال

گئی۔ اس نے کہا کہ اسی پر منحصر نہیں، ممکن ہے کچھ نام اور بھی رہ گئے ہوں۔“

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا پھر بیٹھ گیا۔ حمید نے کافی کا دوسرا پیالہ لبریز کیا اور ہلکی ہلکی چکیاں لینے لگا۔ فریدی قطعی بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ اس کے پیالے کی کافی نہ جانے کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

”وہ مجھے افریقہ بھیجنا چاہتا تھا۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”احتمال کہیں کا۔ تیس ہزار، چالیس ہزار، پچاس ہزار، ساٹھ ہزار، ستر ہزار... ایک معمولی سی بات کے لئے ستر ہزار، جس کام کو کوئی معمولی سا جاسوس وہیں انجام دے سکتا تھا۔ اس کے لئے وہ میرے پاس آیا۔ اسٹیل پرنس کی اکلوتی بیٹی اپنے باپ کے بعد اس کی دولت کی تنہا مالک ہو گی؟ کیا سمجھے؟“

”جی...؟“ حمید چونک کر بولا۔

”اگر عالیہ کی شادی تمہارے ساتھ ہو جائے تو کیسی رہے۔“

”مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔

”تم اس شہر کے مالدار آدمیوں میں ہو گے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے سوچنے کا موقع دیجئے؟“

فریدی اس کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔

”دولت کی تلاش انسان سے نہ جانے کیا کیا کراتی ہے۔ تم دولت حاصل کرنے کے لئے

سب کچھ کر سکتے ہو۔“

”جی ہاں... جی ہاں... مجھے منظور ہے۔“

”کیا منظور ہے۔“ فریدی اس طرح بولا جیسے یک بیک سوتے سوتے چونک پڑا ہو۔

”میں عالیہ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔“

”کیا مطلب۔“

”آپ ہی تو ابھی کہہ رہے تھے۔“

”میں...!“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”ابے گدھے وہ تو میں مثال کے طور پر کہہ رہا تھا۔“

”مثال کے طور پر۔“ حمید اس طرح بولا کہ اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

”اوہو! تو کیا شہناز کا بھوت سر سے اتر گیا۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

”نہیں تو.... میں چار شادیاں کروں گا۔“

”خیر.... خیر.... فضول باتیں بند کرو۔“ فریدی دیوار کی طرف بڑھا۔ کوٹ ہک میں چڑھ
کا ایک مضبوط سا کوڑا لٹک رہا تھا۔ فریدی نے اُسے اتار لیا۔

”کیا مطلب؟“ حمید یک بیک چونک کر بولا۔

”ڈرو نہیں! یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

وہ تہہ خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نادر خاں فریدی کے ہاتھ میں کوڑا دیکھ کر لرز گیا لیکن اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا
جیسے وہ اس دوران میں زیادہ سے زیادہ ڈھیٹ بننے کی مشق کر رہا ہو۔

”نعیم الرشید سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی۔“ فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

نادر خاں بے اختیار چونک پڑا۔

”نعیم الرشید.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔“

کوڑا فضا میں بلند ہوا اور سڑا کے کی آواز کے ساتھ ہی نادر خاں کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
دوسرا، تیسرا اور چوتھے پر نادر خاں فریدی پر جھپٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ حمید دخل دیتا فریدی نے
نادر خاں کو صوفے کی طرف اچھال دیا اور پھر اس پر کوڑے برسنے لگے۔

”ٹھہریئے۔“ نادر خاں چیخا۔

فریدی نے ہاتھ روک دیا۔

”آپ نے وعدہ.... وعدہ.... کیا....!“ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

”ہاں میں اب بھی اس وعدے پر قائم ہوں۔ اگر تم سچ مچ بتادو تو بچائے جاؤ گے۔“ فریدی
اتنے پرسکون لہجے میں بولا جیسے وہ اب تک اسے پیٹتے رہنے کے بجائے لڈو کھلاتا رہا ہو۔

”نعیم الرشید ہی نے مجھے اس کام پر اکسایا تھا۔“

فریدی نے کوڑا ایک طرف ڈال دیا اور پرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم نے اتنی آسانی سے کیوں بتا دیا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اس حرام زادے نے مجھے اطمینان دلایا تھا کہ اس تک کسی کا خیال پہنچ ہی نہیں سکتا۔“

خاں جھلا کر بولا۔ ”اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کبھی تم پکڑے بھی جاؤ گے تو میں تمہیں بچاؤں گا“

بس تم ادھر، ادھر کے لوگوں پر الزامات عائد کرتے رہنا۔“

”ہیسا اس نے تمہیں اس کا مقصد بھی بتایا تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کیوں نہیں! میں اسی مقصد کے چکر میں پڑ کر ہی مارا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ عالیہ
سے شادی ہو جانے کے بعد تمہیں اپنی ہندوستان کی تجارت کا فیجر بنادوں گا اور نہ جانے کتنے
بڑے بڑے وعدے کئے تھے۔“

نادر خاں نے نعیم الرشید کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔

”خیر.... خیر.... زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا
بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

”نعیم الرشید اس وقت کہاں ہو گا۔“

”یہ نہیں بتا سکتا۔ معلوم نہیں کہاں ہو گا۔“

”سر جنٹ حمید پر کس نے حملہ کیا تھا اور اسے لاد کر لے جانے والے کون تھے؟“

”یہ بھی میں نہیں جانتا، ہو سکتا ہے کہ اس نے اس کیلئے میرے آدمیوں سے مدد لی ہو۔“

”تمہارے آدمی کہاں ہیں۔“

”سیتا گھاٹ والی فوجی عمارت میں۔“

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ مجھے سیتا گھاٹ ہی کی طرف لے جا رہے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں تہہ خانے سے باہر آئے۔

فریدی نے کوٹ پہنا اور جب میں ریو الوور ڈال کر حمید کے کمرے میں آیا۔ حمید بھی تیار
ہو چکا تھا۔ وہ دونوں برآمدے میں آکر کھڑے ہو گئے۔ فریدی سوچ رہا تھا۔

”ٹھہرو....“ فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔ وہ پھر تہہ خانے کی طرف جا رہا تھا۔

نادر اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”تقریب کی شام کو کتے کی ڈور کس نے کاٹی تھی۔“ اس نے نادر خاں سے پوچھا۔

”نعیم نے.... اور چا تو سعید کی جیب میں ڈال دیا تھا۔“

فریدی کچھ اور پوچھے بغیر واپس چلا آیا۔

”آؤ جی حمید صاحب۔“ وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ ”یہ قطعی بھول جاؤ کہ رات بھر جاگے ہو۔“ دوسرے لمحے میں ان کی کار پھانک کے باہر نکل رہی تھی۔

انجام

شہر کی سنان سڑک پر فریدی کی کار فرائے بھر رہی تھی۔ حمید کی آنکھیں نیند سے پونجھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی وہ نیند کی جھونک میں ادھر ادھر گرنے لگتا تھا۔

”میں تو اب بھی عالیہ کی طرف سے مشکوک ہوں۔“ دفعتاً وہ چونک کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیوں.....؟“

”ہو سکتا ہے کہ وہ اب نعیم پر عاشق ہو گئی ہو اور پھر اس کی مدد سے سعید اور شاہد دونوں اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”جانتے ہو کہ میں نے اب بھی نادر کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا۔“

”نہیں۔“

”بڑا مکار آدمی ہے۔ مجھے اب بھی اس کے بیان پر شبہ ہے۔“

”تو پھر شبہ کس طرح رفع ہو گا۔“

”ایک اندھی چال چل رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”فی الحال منطقی دلائل کسی طرح کا نہیں آسکتے۔“

”تو کیا آپ سیتا گھاٹ چل رہے ہیں۔“

”نہیں! نعیم کے گھر۔ اس نے مجھے اپنا پیہ دیا تھا۔“

”مگر وہ تو آج میرے ہی ساتھ آیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”یہاں بھی ایک بنگلہ اس نے کرائے پر لے رکھا ہے۔“

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید بدستور اوتھ رہا تھا۔

”اے گدھے تم اوتھ رہے ہو شاید۔ نیچے پھینک دوں گا۔“

”لیکن آپ وہاں کیوں جا رہے ہیں۔“ حمید چونک کر بولا۔ ”ثبوت کے لئے محض نادر کا بیان ہی کافی نہیں ہو سکتا۔“

”اب کی ہے تم نے عقلمندی کی بات۔“ فریدی نے کہا۔ ”ایک بات شاید میں نے تمہیں اب تک نہیں بتائی۔ وہ یہ کہ سعید کے جیب سے جو چاقو برآمد ہوا تھا اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں تھے، لیکن نشانات تھے.... کسی اور کے.... کس کے تھے؟ یہ ابھی تک پردہ راز میں ہے۔ مجرم نے صرف یہی ایک غلطی کی ہے جس کی بناء پر وہ پکڑا جاسکتا ہے۔ اگر اس سے یہ بھول نہ ہوئی ہوتی تو قیامت تک نہ پکڑا جاسکتا۔“

”اوہ.....!“

فریدی نے ایک جگہ کار روک دی۔ تھوڑی دیر تک وہ کار ہی میں بیٹھے رہے پھر فریدی کار سے اتر۔ ”یہی ہے اس کا بنگلہ۔“ فریدی نے ایک عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔“ اور پھر وہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔

حمید بھی باہر نکل کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔ آسمان پر منڈلاتے ہوئے سیاہ بادل مغرب میں جھنے لگے تھے ہوا بند تھی۔ جس کی وجہ سے دم گھٹ رہا تھا۔ حمید نے کوٹ اتار کر کار میں ڈال دیا اور قمیض کے بٹن بھی کھول دیئے۔ اسے ایسے موقعوں پر فریدی پر سخت غصہ آتا تھا جب وہ اسے کہیں ساتھ لے جاتا تھا مگر کام کے وقت پیچھے چھوڑ دیتا تھا۔

نیند کی وجہ سے حمید کا دماغ پرانندہ ہو رہا تھا۔ پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اوتھنے لگا پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے قریب ہی کوئی کار گزری ہو۔ وہ چونک پڑا۔ ساتھ ہی اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

”حمید.... وہ نکل گیا.... انجن اشارت کرو۔“

لیکن حمید کے سننے سے پہلے ہی وہ کار تک پہنچ گیا۔

”اندر چلو۔“ وہ حمید کو دھکا دیتا ہوا بولا۔

حمید کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ بہر حال فریدی نے پھرتی سے انجن اشارت کیا اور کار کو مشرق کی طرف گھما کر سڑک پر ڈال دیا۔

”اگر وہ نکل گیا تو زندگی بھر افسوس رہے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن تم نہ جانے کیا کر رہے۔ اگر چاہتے تو کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کر سکتے تھے۔“

”میں دراصل اونگھ گیا تھا۔“

”ہاں ایسے موقعوں پر تو تمہیں نیند ستاتی ہے۔ ویسے نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں میں رات رات بھر رنگ رلیاں مناتے رہتے ہو۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

فریدی لمحہ بہ لمحہ کار کی رفتار تیز کرتا رہا تھا لیکن بے سود نہ جانے وہ اپنی کار کدھر نکال گیا تھا۔

”لیکن یہ ہوا کس طرح۔ کیا آپ جانتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”قطعی نہیں۔ میں اس ارادے سے اس وقت نہیں آیا تھا۔ مجھے صرف یہ دیکھنا تھا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود ہے یا نہیں۔ لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مجھے اس بات پر یقین کر لینا پڑا کہ نادر خاں کا آخری بیان صحیح ہے۔“

”یعنی!۔۔۔!“

”وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ میں نے ایک کھڑکی سے اس کی حالت دیکھی تھی۔ وہ بار بار ٹیلا فون کر رہا تھا اور یہ سب کالیں سیتا گھاٹ والی فوجی عمارت کے لئے تھیں۔ وہ بار بار کسی سے پوچھ رہا تھا کہ نادر خاں واپس لوٹا یا نہیں؟“ فریدی خاموش ہو گیا۔

”پھر!۔۔۔!“

”میں نے سوچا کہ اسے اسی وقت پکڑ لیا جائے۔ لیکن وہ نکل بھاگا۔“

”تو آپ نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔“

”ہاں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”گرمی کی شدت کا اندازہ اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ بہر حال وہ میری گرفت سے نکل گیا۔“

”آپ نے ریوالور کیوں نہیں استعمال کیا؟“ حمید نے پوچھا۔

”میں اس وقت تک ایسا اقدام نہیں کرنا تھا کہ میرے پاس مجرم کے خلاف مکمل ثبوت نہ ہو۔“

”لیکن وہ کم بخت کیا کدھر؟“ حمید نے کہا۔ ”کیا خیال ہے کیا وہ سیتا گھاٹ گیا ہو گا۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ ایسی حماقت کبھی نہ کرے گا۔ وہ سمجھ گیا ہے کہ نادر خاں گرفتار ہو گیا ہے۔“

”نادر کے ساتھیوں میں سے کسی نے اطلاع دی ہوگی۔“ حمید بولا۔

”سچ سچ تم سو رہے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ نہ بچوں کی سی باتیں نہ کرتے! ارے میاں اس وقت یہاں میری موجودگی ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ نادر خاں گرفتار ہو گیا۔ ورنہ اس کی بنائی ہوئی اسکیم اس کی اپنی نظر میں اتنی خام نہیں تھی کہ سراغ رساں اس کی تہہ تک پہنچ سکتا۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً اسے اپنے کان کے قریب ریوالور کی آواز سنائی دی اور وہ بے اختیار اچھل پڑا۔

”اوگدھے تم سچ سو رہے ہو۔“ فریدی نے دوسرا فائر کرتے ہوئے کہا۔

حمید کو اب ہوش آیا۔ آگے سڑک پر ایک کار تیزی سے جا رہی تھی۔

”کہیں کوئی اور نہ ہو۔“ حمید بے اختیار بولا۔

”میں تمہاری طرح سو نہیں رہا ہوں۔“ فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

اس نے پھر فائر کیا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اتنے فاصلے سے کار تو س ضائع کرنا فضول ہے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

اس نے رفتار کچھ اور تیز کر دی۔

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے خود اپنی حالت پر غصہ آ رہا تھا۔ اچانک اسے ایک تدبیر سو گئی۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور ایک بازو کھڑکی میں پھنسا کر دونوں پیر پائیدان پر رکھے اور باہر کی طرف لٹک گیا۔

”یہ کیا کر رہے ہو۔“ فریدی چیخا۔

”اب شاید آپ سو رہے ہیں۔“ حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور جیب سے ریوالور نکال کر آگے والی کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کرنے لگا۔

”شباباش۔“ فریدی پُر جوش آواز میں بولا۔ ”اب تم سچے شاگرد ثابت ہو رہے ہو۔ بخدا اس وقت تم نے استاد کے بھی کان کاٹ لئے۔ مگر ذرا احتیاط سے۔“

چوتھی گولی ایک پیڑ پر پڑی گئی۔ آگے والی کار اچھلنے لگی پھر یکایک رک گئی۔ فریدی نے

پھرتی سے کام لیا ورنہ اس کی کار اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔ اچانک بریک لگنے کی وجہ سے حمید کے پیرائیدان سے پھسل گئے لیکن قدرت مہربان تھی کہ اس کا بازو کھڑکی ہی میں پھنسا رہا اور ورنہ شاید پھر کبھی نہ اٹھ سکتا۔

نعیم اپنی کار سے کود کر جھاڑیوں میں گھس گیا۔ فریدی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید نے بھی اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

جھاڑیوں کا سلسلہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا اور یہ اتنی گھنی تھیں کہ ان میں دوڑنا قطعی دشوار تھا۔ فریدی محض جھاڑیوں کی سرسراہٹ کی آواز پر نعیم کا تعاقب کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آوازیں بھی بند ہو گئیں۔ ”یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اس وقت ہمارے پاس ایک نارنج بھی نہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”خیر تم یہیں ٹھہرو۔“

فریدی نے کہا اور جوتے اتار کر قریب کے درخت پر چڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر نیچے اتر آیا۔

”میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔“ وہ جلدی سے جوتے پہنتا ہوا بولا۔ ”جلدی کرو اگر وہ دریادہ کر گیا تو بڑی دشواری ہوگی۔“

وہ دونوں تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی حمید کا ہاتھ تھامے اسے گھسیٹ رہا تھا۔ کھلے میدان میں پہنچ کر انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑا سا تھکے ملنے کے بعد انہیں بہت دور ایک متحرک دھبہ دکھائی دیا۔ فریدی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ البتہ حمید کے لئے یہ چیز بڑی مشکل تھی، وہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب اس کے پیچھے دوڑے پھٹ جائیں گے۔ وہ فریدی سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

دفعۃً تاریک دھبہ ایک جگہ رک گیا اور فریدی زور سے چیخا۔

”نعیم اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گولی مار دوں گا۔“

دوسرے لمحے میں حمید نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دھبہ فضا میں بلند ہو رہا ہو اور پھر وہ بڑی سرعت سے غائب ہو گیا۔ دوسرے دھبے نے بھی اس کی تقلید کی اور وہ بھی غائب ہو گیا۔ جب انتہائی تھکن کے باوجود بھی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

اگر وہ یک بیک رک نہ جاتا تو غیر ارادی طور پر وہ بھی دریا میں گر پڑا ہوتا۔ وہ ایک کلاہ پر کھڑا

ہوا تھا، جو پانی کی سطح سے تقریباً پچیس تیس فٹ اونچی رہی ہوگی۔ نیچے دریا میں گویا بھونچال سا اٹھ گیا تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کیونکہ اسے واجبی ہی سائیرنا آتا تھا اور کچھ دیر بعد اس نے فریدی کا نام لے لے کر اُسے پکارنا شروع کر دیا۔ مگر جواب نہ ادا۔

فریدی دریا کا سینہ چیر کر بڑی سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا اس کے آگے نعیم تھا۔ فریدی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ نعیم ایک اچھا تیراک ہے۔ وہ اس دوران میں بھی ایک بار اس کی گرفت میں آ کر نکل گیا تھا۔

اس وقت وہ اس سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر تھا۔ دریا کا دوسرا کنارہ تھوڑی ہی دور رہ گیا تھا لیکن نعیم دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے کی بجائے فریدی کو دریا میں چکر دے رہا تھا۔ رات ختم ہو رہی تھی اور افق میں اجالا چھوٹ رہا تھا۔ ستارے ڈوبنے لگے تھے۔

فریدی نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے تیرنا شروع کر دیا۔ نعیم کی رفتار سست پڑ گئی تھی۔ فریدی کو قریب دیکھ کر اس نے غوطہ لگایا، لیکن اس بار فریدی کی رفتار کا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔ دوسرے لمحے میں اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سر کے بالوں کی جڑوں میں کسی نے چنگاریاں بھردی ہوں۔ اسے پھر سطح پر ابھر آنا پڑا۔ اس کے بال فریدی کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ پھر فریدی نے اس کے منہ پر گھونٹہ مارا اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

فریدی نے اس کے بال پکڑے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف تیرنا شروع کیا۔ کنارہ زیادہ دور نہیں تھا لیکن وہاں تک پہنچتے پہنچتے فریدی کے ہاتھ پیر بھی جواب دینے لگے۔ دفعۃً اسے حمید کی آواز کہیں قریب ہی سنائی دی، جو اس کا نام لے لے کر چیخ رہا تھا۔

فریدی اس طرح چونک پڑا جیسے وہ ابھی تک سوتا رہا ہو اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ یک بیک نئے سرے سے تازہ دم ہو گیا ہو۔ پھر وہ بڑی تیزی سے نعیم کو دوسرے کنارے پر کھینچ لے گیا۔

حمید اب تک اُسے پکار رہا تھا اور قریب ہی چٹواروں کی شاپ سنائی دے رہی تھی۔ ”میں اُھر ہوں۔“ فریدی اپنی پوری قوت سے چیخا اور تھوڑی دیر بعد ایک ناؤ کنارے آگئی اور حمید کود کر فریدی کے قریب پہنچ گیا۔

قل اس کے کہ حمید کچھ کہتا فریدی بولا۔

ميجر داؤد کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ فریدی پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ ميجر داؤد اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھرنے لگا۔

”ہاں تو میرا خیال ہے کہ اس رشتے میں کوئی عیب نہیں۔“ فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پھر وہ عالیہ کی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سعید نے مفت میں، تنہی مصیبتیں جھیلی ہیں اور آپ سبھی اس کی عمر قید یا پھانسی کے منتظر تھے اور جب کہ خود عالیہ بانو بھی یہی چاہتی ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔ عالیہ اٹھ کر چلی گئی۔

”بھئی میں کیا کر سکتی ہوں۔“ عالیہ کی ماں نے کہا۔ ”اگر عالیہ اسی پر مصر ہے تو صرف اتنا کر سکتی ہوں کہ سیٹھ جی کو اس پر رضامند کرنے کی کوشش کروں۔ ویسے اختیار تو انہیں کو ہے۔“ آپ چاہیں تو سب کچھ ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔

ميجر داؤد اس دوران میں بالکل خاموش رہا اور اس کی خاموشی پر عالیہ کی ماں کو بھی حیرت ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب فریدی اور حمید واپس جانے کے لئے برآمدے سے گزر رہے تھے انہیں عالیہ ملی۔ ”فریدی صاحب میں نے آپ کی شان میں کل رات بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ جن کی معافی چاہتی ہوں۔“ عالیہ نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

”کوئی بات نہیں! ہم لوگ اس کے عادی ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”مجھے سخت شرمندگی ہے۔“ عالیہ فریدی کی طرف نونوں سے بھرا ہوا پرس بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”میری طرف سے یہ حقیر نذر قبول فرمائیے! حالانکہ یہ آپ کے شایان شان نہیں۔“

”آپ جانتی ہیں کہ میں نے یہ پیشہ حصول زر کیلئے نہیں اختیار کیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ عالیہ کا ہاتھ جھک گیا۔ فریدی اور حمید آگے بڑھ گئے۔ لیکن عالیہ پھر ان کی طرف بڑھی۔ ”ذرا ایک بات سنئے۔“ اس نے انہیں روک کر کہا۔ ”آپ نے ميجر صاحب سے کیا کہا تھا اور انہوں نے مخالفت کرتے کرتے چپ کیوں سادھ لی تھی۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں یہ نہ بتا سکوں گا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن مجھے امید ہے کہ اب وہ آپ کی پسندیدہ شادی پر معترض نہ ہوں گے۔“

”جلدی سے اپنے پائپ میں تمباکو بھرو۔ میرے سب سگار بھیگ کر بیکار ہو گئے ہیں۔“ حمید بھنا کر رہ گیا۔ نعیم زمین پر اوٹھ پڑا ہوا تھا۔

”کیا مر گیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں! بیہوش ہے۔ پانی پی گیا ہے۔“ بھئی تمباکو۔ کیا پائپ چھوڑ آئے ہو۔ بڑے گدھر ہو۔“ فریدی نے کہا اور نعیم کے پیٹ سے پانی نکالنے کی تدبیر کرنے لگا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اسی دن چار بجے شام کو فریدی اور حمید جہانگیر پبلیس میں چائے پی رہے تھے۔ میز پر ميجر داؤد بھی موجود تھا۔

”اس کی طرف تو خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔“ عالیہ کی ماں بولی۔ ”مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار سیٹھ جی نے اس کی بے ایمانیوں کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ ایک بار ہمارا کافی روپیہ ہضم کر چکا ہے۔“

”میں پھر کہتا ہوں آپ نے غلطی کی۔“ ميجر داؤد خشک لہجے میں بولا۔ ”بھلا وہ کیوں شاہد کو مارنے لگا۔“

”ایک دولت مند لڑکی سے شادی کرنے کی امید پر۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا عالیہ بانو اپنے باپ کی ساری دولت کی تنہا مالک نہیں ہیں۔“

”تو کیا سعید رہا کر دیا جائے گا۔“ ميجر داؤد نے پوچھا۔

”قطعاً....!“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

”کان کھول کر سن لو۔“ ميجر داؤد عالیہ کی ماں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”عالیہ کی شادی سعید کے ساتھ ہر گز نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں اس میں ہرج ہی کیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”سعید غریب ضرور ہے لیکن نجیب الطرفین اور اچھے خاندان کا لڑکا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہے۔“

”جی....!“ ميجر داؤد گرج کر بولا۔ ”آپ میرے خاندانی معاملات میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں۔“

عالیہ کی ماں کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اسے ميجر داؤد کا لہجہ بہت گراں گذرا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ یک بیک فریدی ميجر داؤد کی طرف جھکا اور اس کے کان میں آہستہ آہستہ کچھ کہنے

جاسوسی دنیا نمبر 19

رقاصہ کا قتل

(مکمل ناول)

پھر وہ عالیہ کو حیرت زدہ چھوڑ کر اپنی کار میں آ بیٹھے۔
 ”کیوں میجر داؤد کا کیا معاملہ تھا۔“ حمید نے پوچھا۔
 فریدی ہنسنے لگا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔ کل رات کو میں نے اس کی ایک غیر قانونی حرکت کا پتہ لگایا ہے۔“
 بھی اتفاق ہی تھا۔ پرانی حویلی میں مجھے جو حادثہ پیش آیا تھا اس کی بناء پر شاید اُسے یہ اندیشہ لاحق
 ہوا کہ کہیں پولیس جہانگیر پیلس کی تلاشی نہ لے۔ کیونکہ یہ اس کے ہاں دوسرا حادثہ تھا۔“
 ”پھر.....؟“

”اسی خوف کے تحت اس نے ایک غیر قانونی چیز جو اسی کی تھی پرانے کھنڈروں میں چھپانے
 کی کوشش کی۔“
 ”کیا چیز.....؟“

”چانڈو.... اور چانڈو پینے کے کچھ پائپ۔“
 ”اوہ.....!“ حمید بے اختیار ہنس پڑا۔
 ”شاید اس کے گھروالے بھی نہیں جانتے کہ اسے چانڈو کی لت ہے۔“ فریدی نے کہا۔
 ”مگر یہ کیس جلد ختم ہو گیا۔ اس کا افسوس ضرور ہے۔“
 ”کیوں.....؟“ فریدی نے چونک کر پوچھا۔
 ”مگر..... خیر کوئی بات نہیں۔“ حمید خود سے بولا۔ ”اب عالیہ رقص گاہوں میں مجھ سے
 کترائے گی نہیں۔“

”اور کچھ تعجب نہیں کہ تمہیں متنبی بھی کر لے۔“ فریدی ہونٹ سکڑ کر بولا۔
 ”اب آپ گالیوں پر اتر آئے۔“ حمید نے براہِ سامنہ بنا کر کہا۔
 ”دیکھو یار تم ہر وقت عورت کا تذکرہ کر کے مجھے بورنہ کیا کرو۔ ورنہ کسی دن تمہارا گلا گھونٹ
 دوں گا۔“ فریدی چہنچہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیہ۔
 حمید بیزاری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

ختم شد

پیش رس

”رقاصہ کا قتل“ جاسوسی دنیا کا انیسواں شمارہ ہے۔ یہ ناول بھی ابن صفی کے ان سابقہ ناولوں میں سے ایک ہے، جو اپنی دلچسپ اندازِ بیان، سنسنی خیز واقعات اور تھیر کی بناء پر بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکا ہے اور جاسوسی ناولوں میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کی کہانی رام گڈھ کی سرسبز شاداب پہاڑیوں کے دامن سے ابھرتی ہے اور ابتداء ہی سے پڑھنے والے کی دلچسپی اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پھر یہی دلچسپی آگے چل کر حیرت و استعجاب کے ان نکتہ تک پہنچ جاتی ہے، جہاں پڑھنے والا خود اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔

اس ناول میں سرجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی کا طریقہ کار بھی بالکل جداگانہ ہے۔ دونوں آخر وقت تک اپنی اپنی شخصیتوں کو چھپائے رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ مقامی پولیس انہیں بھی مشتبہ لوگوں کی فہرست میں شامل کر لیتی ہے۔ اس موقع پر حمید کی ظرافت کہانی کو اور پُر لطف بنا دیتی ہے۔ خاص طور سے اس کی اور پولیس انسپکٹر رام سنگھ کی نوک جھونک بے حد دلچسپ ہے۔

فریدی کا پُر وقار کردار اس ناول میں بھی اپنی مخصوص ذہانت کے ساتھ سامنے آتا ہے اور سراغ رسانی کا ایک انوکھا معیار پیش کرتا ہے۔ ابن صفی کے گذشتہ کارناموں میں یہ ناول جراثیم، رومان اور سراغ رسانی کا ایک عجیب و غریب ماحول پیش کرتا ہے۔

”پبلشر“

رقاصہ کی برہنہ لاش

رام گڈھ کی سرسبز شاداب پہاڑیوں کے دامن میں پیراڈائز ہوٹل کی خوبصورت عمارت کسی انگوٹھی میں جڑے ہوئے ہیرے کے نگ سے کم حسین نہیں معلوم ہوتی۔ عمارت کے چاروں طرف ہرے بھرے میدان ہیں اور پھر وہ میدان بتدریج بلند ہوتے ہوئے پہاڑوں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ مغربی گوشے میں ایک جھیل ہے جس کے چاروں طرف دیودار کے درخت عشق پیچاں کی بیلوں سے ڈھکے ہوئے تنوں سمیت پُر وقار انداز میں کھڑے ہوئے ہیں۔ موسم بہار میں یہ بلیں ننھے ننھے سرخ پھولوں سے ڈھک جاتی ہیں اور پھر جھیل کے شفاف سینے پر چنگاریاں ہی چنگاریاں نظر آتی ہیں۔ ہوٹل کی طرف سے یہاں ایک جانب ایک پختہ گھاٹ بنایا گیا ہے اسی کے متصل ایک کافی طویل و عریض پختہ فرش ہے جسے اسکیننگ اور ڈانس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ فرش کے چاروں طرف بے شمار سدا بہار درخت ہیں جن کی چوٹیوں پر برقی فانوس لگائے گئے ہیں۔ رات میں ان کی سبز روشنی سدا بہار درختوں کو ایک نئی زندگی بخش دیتی ہے۔

آج مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا۔ اس لئے گھاٹ پر کافی رونق تھی۔ کچھ نہارے تھے اور کچھ دھوپ نہ ہونے کے باوجود بھی رنگ برنگی چھتریوں کے نیچے مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول تھے۔ کچھ نوخیز جوڑے پختہ فرش پر اسکیننگ کر رہے تھے۔ فضا میں بے شمار ہلکی، بھاری، بھدی اور سرلی آوازوں کی وجہ سے عجیب سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔

سرجنٹ حمید ایک چھتری کے نیچے بیٹھاپانی میں ابھرتے اور ڈوبتے ہوئے صندلی جسموں کو ہنگامی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اسی کے قریب ایشیا کا جوان سال اور مشہور ترین سراغ رساں انسپکٹر فریدی چت لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ دونوں میدان علاقے کی جھلسا دینے والی گرمی سے تنگ

کیپٹن سلیم لکھوایا تھا۔

حیدر دو تین غوطے لگانے کے بعد پھر باہر نکل آیا اس کے ساتھ اینگلو انڈین لڑکی بھی تھی۔
دروں پھتری کے نیچے آ بیٹھے! فریدی بدستور لیٹا رہا۔

”کیپٹن عابد کو تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ لڑکی ہنس کر بولی۔

فریدی نے کتاب ایک طرف رکھ دی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”کس قسم کی تفریحات چاہتی ہو۔“ اس نے لڑکی سے پوچھا۔ پوچھنے کا انداز کچھ اس قسم کا تھا کہ لڑکی بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ فریدی کی غیر متحرک آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”میں دراصل اس قسم کی تفریحات پسند کرتا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے نیچے جھک کر حیدر کو گود میں اٹھالیا۔

”یہ کیا کرتے ہیں۔“ حیدر چل کر بولا۔

”تفریح۔“ فریدی اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پُر سکون لہجے میں بولا اور پھر دو تین قدم آگے بڑھ کر اس نے حیدر کو جھیل میں اچھال دیا۔ قریب بیٹھے ہوئے لوگ چونک کر اسے غورنے لگے لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ فریدی اینگلو انڈین لڑکی کی طرف مزاجو گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے فریدی کا چہرہ حد درجہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”اور اب تم بتاؤ۔“

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔“ حیدر ہانپتا ہوا بولا جو جھیل سے نکل آیا تھا۔

”تفریح۔“

”میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا۔“ حیدر نے جھلا کر کہا۔

”میں تمہاری پسند کی پرواہ کب کرتا ہوں۔“ فریدی خشک لہجے میں بولا۔

لڑکی بغیر کچھ کہے سے وہاں سے کھسک گئی۔

فریدی اطمینان سے بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

”لوگ آپ کو پاگل سمجھنے لگیں گے۔“ حیدر تھوڑی دیر بعد تلخ لہجے میں بولا۔

”اور میرے لئے یہ ایک حسین ترین اطلاع ہو گی۔“

آکر رام گڈھ آئے تھے۔ خوش قسمتی سے انہیں پیراڈائیز ہوٹل میں ایک بڑا کمرہ مل گیا تھا اور آج کل یہاں سے لوگوں کو عموماً میونس لوٹا پڑتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس ہوٹل کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں ضروریات زندگی کے ساتھ ہی ساتھ جمالیاتی حسن کی تسکین کے مواقع بھی نصیب ہو سکیں! آج کل بھی یہاں سے روزانہ متعدد سیاح ناکام لوٹ رہے ہیں۔

فریدی جس کی تفریح کا معیار ہی سب سے الگ تھا محض حیدر کے بے پناہ اصرار کی بناء پر اس ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ ان واقعات میں جب کہ سرکاری کاموں سے اسے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا صرف مطالعہ کرنا پسند کرتا تھا لہذا وہ اپنے ساتھ کثیر تعداد میں کتابیں لایا تھا اور کچھ یہاں خریدیں تھیں حیدر کے رنگین مشاغل سے اسے قطعی دلچسپی نہ تھی لیکن کبھی کبھی اس کے اصرار پر اسکیٹنگ اور ڈانس میں حصہ لینا ہی پڑتا تھا۔

حیدر نے ایک ہفتہ کے اندر کئی لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کر لی تھی اور ان پر بے تحاشہ رویہ برپا کر رہا تھا۔ فریدی نے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی لیکن کون سنتا تھا۔

اس وقت وہ بڑی دیر سے ان میں سے کسی لڑکی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے نہانے کے لباس پر لبادہ پہن رکھا تھا۔

”تم کب نہاؤ گے۔“ دفعتاً فریدی نے اس سے پوچھا۔

”پرسوں۔“ حیدر نے لاپرواہی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”غالباً کسی کا انتظار ہو رہا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

جی.... ہاں.... پھر! آپ سے مطلب۔“

”ارے حیدر کے بیچے! دماغ کی چولیس پھر ڈھیلی ہوئیں۔“ فریدی کتاب رکھ کر اٹھ بیٹھا۔

”ہلو سلیم۔“ دفعتاً ایک سریلی آواز سنائی دی اور حیدر چونک کر پلٹا۔ ایک نیم عریاں اینگلو انڈین

لڑکی اسے اپنی طرف مخاطب کر رہی تھی۔

”ہلو....!“ حیدر اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم آگئیں! بہت دیر کر دی تم نے۔“

حیدر نے اپنا لبادہ اتار پھینکا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جھیل میں کود پڑا۔

فریدی بڑا سامنہ بنا کر پھر لیٹ گیا۔ وہ حیدر کی انہیں حرکتوں کی بناء پر ہوٹلوں کے رجسٹروں میں اپنا صحیح نام و پتہ لکھوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنا نام کیپٹن عابد اور حیدر کا نام

”آپ نے اس وقت مجھے کافی شرمندہ کیا ہے۔“

”اور اب یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ مجھے اس طرح ریگستان نہیں بنا سکتے۔“

”مجھے اس کا اعتراف ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب تم اپر عشق سوار ہوا کرے تو مجھ سے دور ہی رہا کرو۔“

”تو کیا میں اس وقت آپ کے سر پر سوار تھا۔“

”کو مت۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ”مجھے کیا کرتا ہے! جاؤ جہنم میں ننگے ہو کر تاپو نالیوں میں ناک رگڑتے پھرو۔“

فریدی سگار پھینک کر پھر لیٹ گیا۔ حمید جھلا کر کپڑے پہنے لگا۔ چارنج پکے تھے اور ہوا میں کچھ کچھ خنکی پیدا ہو چکی تھی۔ فریدی نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ویٹر سے چائے لانے کو کہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

”کہاں چلے؟“

”کہیں نہیں!“ حمید منہ چڑھا کر بولا۔

”بیٹھو۔“ فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

”واہ یہ اچھی زبردستی۔“

”چپ رہو۔“

حمید دانت پیتا ہوا بیٹھ گیا۔

”غالبا اس لونڈیا سے معافی مانگنے جا رہے تھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ جو ایک پگ و ہسکی پر خود کو بچا دیتی ہے۔ آدمی بنو صاحب زادے! اس طرح اپنا وقار ہاتھ سے نہ جانے دو۔“

”بس آپ ہی وقار کو شہد لگا کر چانا کریں۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”میں بے وقار ہی بھلا۔ دوسری بار دنیا میں نہیں آتا ہے۔“

”لیکن اس طرح تم جلد ہی دوسری دنیا میں پہنچ جاؤ گے۔“

”آپ کا نہ ہانہ وجئے گا میرے جنازے کو۔“

”اچھا کو اس بند! تم نہیں جاسکتے۔“

حمید دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

شام کی چائے کے لئے بینڈ بجنا شروع ہو گیا تھا ایک اینگلو انڈین لڑکی سریلی آواز میں ”دی بلڈس آف دی ہلکی وے“ گارہی تھی۔ لوگ چھتریوں کے نیچے سے اٹھ کر پختہ فرش کے کنارے پڑی ہوئی میزوں کے گرد آ بیٹھے تھے۔ فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ حمید نے اٹھ ہی جانے میں مصلحت بھی سمجھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پھر دوسروں کے لئے مذاق کا موضوع بنے۔ وہ دونوں ایک میز کے گرد آ بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر چائے لایا۔

”کیا سوچ رہے ہو۔“ فریدی نے حمید کو پھر چھیڑا۔

”کیا اب سوچنے پر بھی پابندی لگائی جائے گی۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک سب انسپکٹر پولیس دوکانیبلوں اور ایک ویٹر کے ساتھ ان کی میز کے قریب آ کر رک گیا۔

”کیپٹن عابد اور کیپٹن سلیم۔“ سب انسپکٹر دونوں کو گھورتا ہوا آہستہ سے بولا۔

فریدی نے داہنی بھون چڑھا کر پُر وقار انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

”کہئے۔“

”آپ لوگ کمرہ نمبر چالیس میں مقیم ہیں نا۔“

”ہاں.... آں۔“ فریدی جیب میں ہاتھ ڈال کر سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

”کمرہ نمبر آکتالیس میں کون ہے؟“ سب انسپکٹر نے پوچھا۔

”ہوٹل کار جسٹر ملاحظہ فرمائیے۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے واقف ہیں۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”ایک مس پروین ہے اسٹارڈانسنگ پارٹی کی مغنیہ اور دوسری پارٹی کی رقصہ دیاوتی۔“

”آپ انہیں کب سے جانتے ہیں؟“

”مآپ کا مطلب کیا ہے۔“ فریدی سگار کو الٹیش ٹرے میں رکھتا ہوا بولا۔

”دیاوتی کو کسی نے کمرہ نمبر آکتالیس میں قتل کر دیا۔“

”اوہ....!“

حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ لوگ اپنے کمرے میں کب گئے تھے۔“ سب انسپکٹر نے پوچھا۔

”دوبجے۔“

”کتنی دیر تک وہاں رہے۔“

”جتنی دیر تک ہمارا دل چاہا۔“ حمید نے منہ بنا کر کہا۔

”جی....!“ سب انسپکٹر اُسے گھور کر بولا۔ ”آپ کو کافی احتیاط سے گفتگو کرنی چاہئے یہ“

بھولنے کے مقتولہ کا کمرہ آپ کے کمرے سے ملا ہوا ہے۔“

”تو اس کے ذمہ دار ہم تو نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”چپ رہو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہم لوگ بمشکل تمام وہاں دس یا پندرہ منٹ ٹھہرے ہوں گے۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ وہاں کیا کرتے رہے۔“

”جھک مارتے رہے۔“ حمید بھنا کر بولا۔

فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا۔

”لیکن یہ قتل ہوا کب؟“ فریدی نے پوچھا۔

”یہ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”کیا مطلب....؟“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

”ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ قتل دو اور تین بجے کے درمیان کسی وقت ہوا۔“

”تو آپ خاص طور سے ہمیں کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”کمرہ نمبر.... بیالیس میں پارٹی ہی کے آدمی ہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پارٹی کے آدمی قاتل نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا اور فریدی نے پیالی اٹھالی۔

”میں آپ کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

”چھری تلاش کریں گے آپ۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

دفتر سب انسپکٹر چونک پڑا۔

”آپ کو اس قتل کی اطلاع پہلے سے تھی۔“ اس نے پوچھا۔

”قطعاً نہیں!“

”پھر آپ نے چھری کا حوالہ کیسے دیا۔“

”یہ تو بہت معمولی سی بات ہے انسپکٹر صاحب۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ہوٹلوں میں عموماً

”چیزیں استعمال کی ہوتی ہیں۔ چھری یا زہریا پھر لگا گھونٹا جاتا ہے۔“

سب انسپکٹر فریدی کو گھور تارہا، جو نہایت اطمینان سے سر جھکائے چائے پی رہا تھا۔

”میا وہ سو رہی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں غیر ضروری سوالات کے جواب نہیں دیا کرتا۔“ پولیس انسپکٹر بولا۔ ”مجھے آپ کے

کمرے کی تلاشی لینی ہے۔“

”تو کان کھول کر سن لیجئے۔“ حمید نے کہا۔ ”ہم چائے ختم کئے بغیر یہاں سے نہیں اٹھ

سکتے۔“

”مجھے کسی سخت رویے پر مجبور نہ کیجئے۔“

حمید چائے کی پیالی رکھ کر اُسے گھورنے لگا۔

”تم بیٹھو۔“ فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”آئیے انسپکٹر صاحب میرا

دست کچھ چڑچڑے مزاج کا واقع ہوا ہے۔“

وہ دونوں چلے گئے حمید بیٹھا چائے پیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب خیر نہیں۔ ساری تفریح

خاک میں مل کر رہ جائے گی۔ آہستہ آہستہ ساری میزیں خالی ہوتیں جا رہی تھیں شاید لوگوں کو

قتل کی اطلاع ہو گئی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اس کا اس طرح یہاں بیٹھ رہنا ٹھیک نہیں وہ اچھی

طرح جانتا تھا کہ فریدی اس موقع پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرے گا۔

چائے ختم کرنے کے بعد حمید اٹھ گیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جگہ آیا جہاں بہت سے

لوگ اکٹھے اروا سی قتل کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

”وہ بالکل برہنہ تھی۔“ ایک چھوٹے قد کا آدمی کہہ رہا تھا۔ ”کسی نے اسے جانوروں کی طرح

ڈنکا کر دیا۔ میں نے اتنا دردناک منظر آج تک نہیں دیکھا۔“

”بڑی پیاری رقاہ تھی۔“ دوسرے نے کہا۔
”آخر کون ہو سکتا ہے۔“

”پولیس شاہد اس کے ساتھ کی دوسری لڑکی پر شبہ کر رہی ہے۔“
”کس پر؟“ ایک چونک کر بولا۔ ”پروین پر! کبھی نہیں ہو سکتا وہ ننھی منی سی شرمیلی لڑکی قتل نہیں کر سکتی۔“

”جناب آپ کیا جانیں۔ قاتلوں کے چہرے بڑے معصوم ہوتے ہیں۔“ دوسرا بولا۔

”معاف کیجئے گا! آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہیں۔“ پہلے نے کہا۔
”فضول بات ہے۔“ دوسرا ہونٹ سکڑ کر بولا۔ ”آپ میرے متعلق کیا جان سکتے ہیں۔“
”اس کا کل شام والا تاج۔“ پستہ قد والا آدمی پھر بولا۔ ”میں زندہ رہا، بھرنہ بھلا سکوں گا۔“
”وہ دونوں ایک ہی کمرے میں مقیم تھیں۔“ ایک نے کہا۔ ”دوسری لڑکی کہاں تھی۔“
”لاش سب سے پہلے اسی نے دیکھی تھی۔“ کسی نے کہا۔

”لیکن وہ تھی کہاں؟“
”معلوم نہیں۔“

حمید وہاں سے ہٹ کر عمارت کی طرف جانے لگا۔ راستے میں وہی اینگلو انڈین لڑکی مل گئی۔
”اوہ! کیپٹن سلیم تمہارے برابر میں قتل ہو گیا۔“ اس نے حمید سے کہا۔ ”تمہارے کمرے کی بھی تلاشی لی گئی ہے۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”تم کہاں سے آرہی ہو؟“
”اوپری منزل سے۔ پولیس لوگوں کے بیانات لے رہی ہے۔ کیپٹن عابد سے بھی کافی پوچھ گچھ ہوئی ہے۔“

”اوہ....!“

”بالکل ننگی تھی!“ اینگلو انڈین لڑکی معنی خیز انداز میں آہستہ سے بولی۔

”اور دوسری لڑکی کہاں تھی؟“

”کہیں باہر گئی تھی۔ واپسی پر اس نے دیاوتی کی لاش دیکھی۔“
”پارٹی کے دوسرے افراد۔“ حمید نے پوچھا۔

”ان کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔ البتہ پارٹی کا مالک اقبال کافی مطمئن نظر آ رہا ہے۔“
”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میں نے بھی اُسے وہی پتہ دیکھا ہے۔ کیا بتاؤں تم سے کہ اس کے چہرے پر کیسی سرکھٹ تھی۔ بہر حال اتنا سمجھ لو کہ عام آدمی ایسے حالات میں اس طرح نہیں مسکرا سکتے۔“
”اقبال وہی ناجس کی پیشانی پر ایک ابھرا ہوا سیاہ تل ہے۔“
”وہی! میں نے ہمیشہ اسے پتہ دیکھا ہے۔“

”وہ کہاں تھا؟“

”یہ مجھے معلوم نہیں۔ پولیس کافی رازداری سے کام لے رہی ہے۔“
”لیکن تم کہاں جا رہی ہو۔“

”گھاٹ پر، اس حادثے نے مجھ پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ اُن میرے خدا۔“

حادثے کی تفصیل

حمید آہستہ آہستہ اوپری منزل کے زینے بٹے کر رہا تھا۔ قتل و خون اس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور نہ وہ کسی قتل کی خبر سے اس طرح متاثر ہوتا تھا جیسے کہ عام آدمی ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف ایک بات سوچ رہا تھا۔ اسے اپنی تقدیر پر رونا آ رہا تھا کہ چھٹیوں میں بھی اسے سکون نصیب نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہاں کے کسی کیس سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر فریدی کہاں نچلا بیٹھ سکتا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اب اسے اس حسین تفریح گاہ میں بھی الجھنوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ رہ گیا فریدی تو اس کی سب سے بڑی تفریح یہی تھی کہ اسے پیچیدہ قسم کے کیس ملتے رہیں۔

”وہ طویل زاہداری سے گزرتا ہوا اپنے کمرے کے سامنے آیا۔ مقتولہ کا کمرہ بند تھا۔ کچھ دور ہٹ کر اٹھ دس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر پولیس والوں کے علاوہ ہوٹل کا منیجر پارٹی کا مالک اقبال مغیہ پروین اور فریدی بیٹھے ہوئے تھے۔“
”میرا دوست خود ہی آ گیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

سب کی نظریں حمید کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سب انسپکٹر جو تھوڑی دیر قبل فریدی اور جبر کے پاس گیا تھا دوسرے انسپکٹر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ دوسرا انسپکٹر ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھر آدمی تھا۔ چڑھی ہوئی مونچھیں خضاب آلودہ تھیں۔ اس نے تیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر اور حمید کو خواہ مخواہ ہنسی آنے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ فریدی ابھی تک اپنی اصلیت چھپائے ہوئے ہے۔

”بیٹھ جائیے۔“ بوڑھا انسپکٹر بھاری بھر کم آواز میں بولا۔

حمید ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”آپ کا نام۔“

”سلیم الدین“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ہیڈ محرر جیب سے قلم نکال کر لکھنے لگا۔

”باپ کا نام۔“

”شیخ محمد کلیم الدین، قادری، چشتی، نقشبندی.... اور.... اور.... خفی بھی۔“

انسپکٹر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

”پیشہ....!“ وہ گرج کر بولا۔

”آہ وزاری، نالہ و بکا.... مدھو بالا کے عشق میں گرفتار۔“

”اے مسٹر.... ذرا ہوش سے، آپ پولیس کو بیان دے رہے ہیں۔“

”آپ کس کا پیشہ پوچھ رہے ہیں۔“

”آپ کا؟“ انسپکٹر دانت پیس کر بولا۔

”میں سمجھا شاید والد صاحب کا۔ میں تو ایک برطرف شدہ کیپٹن ہوں۔“

”برطرف شدہ۔“

”مطلب یہ کہ جنگ کے بعد ہمیں بالکل چھٹی دے دی گئی۔“ فریدی جلدی سے بولا۔

”آپ براہ کرم خاموش رہئے۔“ انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔

”بہت بہتر۔“ فریدی انتہائی سعادت مندانہ انداز میں بولا۔

حمید نے محسوس کیا کہ پروین بے اختیارانہ انداز میں مسکرا رہی ہے بس پھر کیا تھا۔ حمید کے

دماغ کے کیڑے باقاعدہ طور پر کلبلانے لگے۔

”موجودہ پیشہ....!“ انسپکٹر پھر غرایا۔

”کہیں مرد بھی پیشہ کرتے ہیں۔“

”مسٹر....!“

”فرمائیے۔“

”مجھے سختی کرنی پڑے گی۔“

”میں صبر کروں گا۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔

”سلیم....!“ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

”آپ لوگوں کو میرے ساتھ کو توالی چلنا پڑے گا۔“ انسپکٹر غصے میں ہانپتا ہوا بولا۔

”کیوں؟“ حمید نے بھویں تان کر پوچھا۔

”ہم تیار ہیں انسپکٹر صاحب۔“ فریدی نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

انسپکٹر خاموشی سے تھوڑی دیر تک حمید کو گھورتا رہا جو برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ پھر وہ فریدی

کی طرف مخاطب ہوا۔

”اپنے دوست کو سمجھائیے! خواہ مخواہ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔“

”سلیم۔“ فریدی بگڑ کر بولا۔ ”شرارت اور مذاق کا وقت ہوتا ہے۔ اگر تم نہیں مانو گے تو پھر

میں نتیجے کا ذمہ دار نہیں۔“

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

اس کے بعد وہ انسپکٹر کے سوالات کے جواب قاعدے سے دیتا رہا۔

”اچھا اب آپ لوگ جاسکتے ہیں۔“ انسپکٹر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”لیکن پولیس کی اجازت کے

غیر آپ رام گڈھ سے باہر نہ جاسکیں گے۔“

”اوہ! تو کیا ہم لوگ بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شامل ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں۔“ ہیڈ محرر لکھتے لکھتے سر اٹھا کر بولا۔

”تب تو مزے آجائیں گے۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔

”کیا مطلب....!“ انسپکٹر چونک کر بولا۔

”میں غیر ضروری سوالات کے جواب نہیں دیتا۔“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ فریدی اور حمید

بہرینچہ آئے۔

”لیکن دوسرا راستہ پوچھنا کوئی جرم نہیں۔“ حمید نے کہا۔
 ”ٹھیک ہے لیکن دوسرے راستے سے جسے مسافر استعمال نہیں کرتے نیچے جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“
 لڑکی نے کیا بیان دیا۔

”اس کا بیان ہے کہ وہ دو بجے تفریح کے لئے باہر نکلی تھی اس وقت دیاوتی زندہ تھی لیکن اس نے اپنے سارے کپڑے اتار رکھے تھے اور صرف ایک چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔ جاتے وقت متوالہ نے اس سے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کب تک واپس آئے گی۔“
 ”لیکن وہ عقبی زینے سے کیوں گئی تھی۔“ حمید نے ٹوکا۔
 ”اس نے بتایا کہ وہ ایک آدمی کو نظر انداز کرنا چاہتی تھی، جو اسے اپنے ساتھ تفریح کے لئے لے جانا چاہتا تھا۔“
 ”اوہ....!“

”وہ سامنے والے زینوں کے نیچے اس کا منتظر تھا اس لئے اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے عقبی سیڑھیاں استعمال کیں۔ پھر ساڑھے تین بجے جب وہ واپس آئی تو اس نے کمرے میں دیاوتی کی برہنہ لاش دیکھی۔“

”پولیس نے اس آدمی کا نام نہیں پوچھا جسے وہ ٹالنا چاہتی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔
 ”کیوں نہیں.... وہ ڈانسنگ پارٹی کا مالک اقبال تھا۔“
 ”اوہ....!“ حمید نہ جانے کیوں چونک پڑا۔

”کیوں؟ کیا تم اقبال کے متعلق کچھ جانتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔
 حمید نے اقبال کے متعلق اینگلو انڈین لڑکی کا جملہ دہرا دیا۔
 فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ وہ لڑکی قتل نہیں کر سکتی۔“

”اچھا....!“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”یہ آپ اس کے بھولے بھالے چہرے کی بناء پر کہہ رہے ہیں۔“

”نہیں بر خوردار۔ اپنے تجربات کی بناء پر۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”وہ اب سے

جھیل کے کنارے پھر پہلی سی رونق نظر آنے لگی تھی۔ لوگ تھوڑی دیر بعد یہ بھی بھاگ گئے کہ رقصہ کی لاش ابھی ہوٹل میں موجود ہے! پختہ فرش پر رات کے تاج کا انتظام ہو رہا تو فضاؤں میں سریلے قہقہے رقص کر رہے تھے۔ چاروں طرف گداز جسموں کی نمائش ہو رہی تھی فریدی اور حمید ایک میز کے قریب بیٹھ گئے۔

”فرمائیے سرکار! اب کیا ارادے ہیں۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔

”کیس بڑا دلچسپ ہے۔“ فریدی جیب سے سگار نکالتا ہوا بولا۔

”یہ میں بھی جانتا ہوں۔ کوئی نئی بات بتائیے۔“

”اوہو! بہت چمک رہے ہو۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ یہ کیس مجھے بھی دلچسپ معلوم ہو رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا! یہ پہلا موقع ہے کہ تمہاری زبان سے اس قسم کا جملہ سن رہا ہوں۔“

”ابھی آپ کو کئی ایسے موقعے نصیب ہوں گے۔“

فریدی خاموش ہو کر حمید کو غور سے دیکھنے لگا۔

”آپ اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”میں صرف اس لئے دلچسپی لے

ہوں کہ مقامی پولیس بھی ہم پر شبہ کر رہی ہے۔“

”تم خواہ مخواہ اس بوڑھے کو غصہ دلارہے تھے۔“

”وہیں سے تو دلچسپی شروع ہوئی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”سنا ہے کہ وہ بیچاری پروین پر

کر رہے ہیں۔“

”حالات ہی کچھ اس قسم کے ہوئے ہیں۔“

”یعنی....!“

”خود لڑکی کا بیان مشتبہ ہے۔“

”کچھ بتائیے بھی تو۔“

”آج دو بجے کے قریب اس نے اوپری منزل کے ایک نوکر سے نیچے جانے کا کوئی ”

راستہ پوچھا تھا اور کچھ گھبراہٹ ہوئی بھی تھی۔ نوکر نے اسے دوسری سیڑھیاں بتائیں، جو غلام

کے عقبی حصے کے باورچی خانے میں ختم ہوتی ہیں۔“

”سجھ میں نہیں آتا کہ آج کے پروگرام کا کیا بنے گا۔“
 ”جی۔“ پروین بے اختیار چونک پڑی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
 ”ہاں آج کا پروگرام۔ تم تھوڑا بہت ناچ بھی سکتی ہو۔“
 ”مگر.... دیاوتی۔“ پروین رک رک کر بولی۔ ”کیا وہ آپ کی بیوی نہیں تھی۔“
 ”قطعی تھی۔“ اقبال نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن مجھے اس کے انجام پر ذرہ برابر
 بھی حیرت نہیں۔“

وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ کچھ لوگ آکر ان کی میز کے گرد اکٹھا ہو گئی۔ غالباً یہ ان سے
 جان پہچان رکھنے والے تھے۔
 ”دیاوتی اس کی بیوی تھی۔“ حمید آہستہ سے بولا۔
 فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

”اور اسے اس کے انجام پر حیرت نہیں۔“ حمید پھر بولا۔ ”وہ آج کے پروگرام کے متعلق
 سوچ رہا ہے۔“ فریدی کھڑا ہو گیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دونوں اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں ابھی تک
 پولیس والے موجود تھے۔ دیاوتی اور پروین کا کمرہ کھلا ہوا تھا اور اس میں روشنی ہو رہی تھی، اندر
 بھی کچھ پولیس والے موجود تھے۔

بوڑھے انسپکٹر نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا لیکن وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے
 بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

فریدی لکھنے کی میز پر بیٹھ کر اپنی ڈائری میں کچھ لکھنے لگا۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک
 دی۔ میڈ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، بوڑھا انسپکٹر اسے کھڑا گھور رہا تھا۔

”کیا آپ لوگوں نے نہیں سنا۔“ وہ گرج دار آواز میں بولا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”آپ یہاں کس کی اجازت سے آئے ہیں۔“

”اجازت....!“

”گناہاں! جب تک تفتیش مکمل نہ ہو جائے کوئی اوپر نہیں آسکتا۔“

صرف ایک ہفتہ قبل اس پارٹی میں داخل ہوئی ہے اس سے پہلے وہ ایک دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔
 پور کے ایک گرلز کالج کے ڈرائے میں اس نے حصہ لیا تھا۔ وہیں اس کی اقبال سے ملاقات ہوئی۔
 اقبال نے اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ دفتر کی ملازمت چھوڑ کر اس کی پارٹی میں بحیثیت منفیہ
 شامل ہو جائے۔ اس کیلئے اس نے جو معاوضہ پیش کیا وہ اس کی دفتر کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ تھا۔
 پروین تیار ہو گئی اور پھر وہ پارٹی سمیت یہاں چلے آئے اس سیزن بھر کے لئے حیراڈائیز والوں سے
 ان کا معاہدہ ہو گیا ہے۔“

”مگر اب وہ کیا کریں گے رقصہ تو قتل کر دی گئی۔“

”یہ انہیں سے پوچھنا۔“ فریدی منہ سکڑ کر بولا۔ ”ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ فریدی چونک کر مڑا۔ اقبال
 پروین کو سہارا دیتا ہوا اسی طرف لا رہا تھا۔ فریدی اور حمید نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں
 سے دیکھا۔

اقبال اور پروین قریب ہی ایک میز کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کی آوازیں انہیں صاف سنائی دے
 رہی تھیں۔

”اوہ بے بی.... بے بی.... اپنی طبیعت سنبھالو! مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو! بھلا تم کیوں
 اسے قتل کرنے لگیں۔“ اقبال بولا۔

”میں ٹھیک ہوں بالکل ٹھیک ہوں۔“ پروین نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میرے خیال میں تم تھوڑی سی براہی پی لو۔“ اقبال پھر بولا۔

”نہیں! میں نے شراب کبھی نہیں پی۔“

”ضرورتاً.... دوا کے طور پر۔“

”نہیں بالکل نہیں۔“

”میں تمہارے لئے بہت مغموم ہوں۔“ اقبال نے کہا۔

حمید نے فریدی کو آنکھ ماری۔

”شکریہ۔“ پروین بے دلی سے بولی۔

اقبال تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”ہمیں اس کی اطلاع نہیں تھی۔“

”زیے پر نوٹس لگا دیا گیا ہے۔“ بوڑھا غرا کر بولا۔

”ہمیں افسوس ہے؟“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلا آیا۔
آکر فریدی نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی اور بھی نیچے آیا ہے اور سائے کی طرف
کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

”ذرا اس بوڑھے خطی کو دیکھو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اس نے ہماری نگرانی کے

کسی کو ہمارے پیچھے لگا دیا ہے۔“

”تو سنئے! کیوں نہ اسے آلو بنایا جائے۔“ حمید نے کہا۔

”چھوڑو بھی۔“

”خدا قسم مزا آجائے گا۔“

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا وہ آدمی
بھی ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ حمید کی طبیعت بے قابو ہو گئی۔ وہ فریدی کے ساتھ جانے کے بجائے
جھیل کی طرف مڑ گیا۔ فریدی پختہ فرش کے کنارے پڑی ہوئی میزوں کے قریب ایک پر
بیٹھ گیا تھا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب برابر جاری ہے۔

حمید جھیل کا پورا چکر لگانے کے بعد ایک جگہ رک گیا۔ پھر اس نے اپنی مائی کھولی اور اس
پتھر کا ایک ٹکڑا باندھ کر ایک درخت سے لٹکا دیا۔ تعاقب کرنے والا مالٹی کی جھانپوں میں چھپ
گیا تھا۔

حمید پھر فریدی کے پاس لوٹ آیا۔

”کہاں تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”یونہی ٹہل رہا تھا۔“

”وہ لوگ اسے لے گئے۔“

”کسے!“

”پروین کو۔“

”کون لوگ۔“

”پولیس.... پولیس۔“ فریدی جھلا کر بولا۔

”کیوں....!“

”اس کے سوٹ کیس سے ایک خون آلود چھری برآمد ہوئی ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا

بولا۔ ”لیکن وہ مجھے مجرم نہیں معلوم ہوتی۔“

”آپ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہے ہیں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”مجھے اس سے ہمدردی ہے۔“

”پہلے کی جان پہچان؟“ حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

”بکومت۔“

”لیکن میں اس ہمدردی کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔“

فریدی کچھ جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔ حمید سمجھا تھا کہ شاید وہ اس کی باتوں سے اکتا کر اٹھا ہے
لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ فریدی ایک آدمی کے قریب جا کر رک گیا جو ایک سدا بہار درخت کے
قریب کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید بھی اٹھا۔

”آپ کے پاس دیاسلائی ہوگی۔“ فریدی نے اس آدمی سے پوچھا۔ ”میرا لائسنس خراب ہو گیا
ہے۔“

اس نے فریدی کو بڑے خیال انداز میں گھورتے ہوئے دیاسلائی پکڑادی۔

”شکریہ۔“ فریدی گارسلگانے لگا۔ پھر سر اٹھا کر دیاسلائی واپس کرتا ہوا بولا۔ ”آپ بھی تو

شاید اقبال صاحب کی ڈانٹنگ پارٹی کے ایک آرٹسٹ ہیں۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

”میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ وہ لڑکی قاتل نہیں ہو سکتی۔“ فریدی نے کہا۔

”جی....!“ وہ چونکا۔

”وہ ایک معصوم لڑکی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”یوں تو ان گدھوں نے ہمارا نام بھی مشتبہ

آدمیوں کی فہرست میں درج کر لیا ہے۔“

”آپ کا!“

”جی ہاں.... ہمارا کرہ مقتولہ کے کمرے سے ملا ہوا ہے نا۔“

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ کوئی خواہ مخواہ اپنا جرم اس کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے

ہم دونوں ڈھائی بجے سے ساڑھے تین بجے تک ساتھ رہے۔“

”کہاں!...“ فریدی نے لا پرواہی سے پوچھا۔

”ستیل ندی کے کنارے جو یہاں سے ایک میل کی دوری پر ہے۔“

”آپ دونوں ساتھ گئے ہوں گے۔“

”نہیں! مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس سے اچانک ملاقات ہو جائے گی۔ میں یوں ہی ٹہلتا

ہوا اُدھر نکل گیا تھا۔ اتفاقاً وہ بھی ادھر ہی آ نکلی۔“

”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ پچھلے زینوں سے کیوں اتری تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”چھوڑیے بھی۔“ وہ اکتا کر بولا۔ ”میں اس وقت صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ حوالات میں

اس کا کیا حال ہوگا۔ احمق لڑکی.... شہرت کے شوق میں اس نے اپنی اچھی خاصی زندگی برباد

کر لی۔“

”شہرت کے شوق میں۔“ فریدی نے اس کا جملہ دہرایا۔

”وہ آج سے پندرہ دن قبل ایک آفس میں ٹائپسٹ تھی۔ نہ جانے اقبال اُسے کس طرح پھلایا۔“

”لایا۔“

”اقبال بھی عجیب ہی آدمی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اسے کبھی ہوش میں نہیں

دیکھا۔“

وہ نفرت سے منہ سکڑ کر رہ گیا۔

”اور آج بھی۔“ فریدی پھر بولا۔ ”ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے کوئی غم ہی نہ ہو جیسے

مقتولہ، بیوی کیا اس کی شاسا بھی نہ رہی ہو۔“

”اس کی وجہ سن کر ایک معمولی آدمی بھی چونک پڑے گا۔“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”آپ

جانتے ہیں کہ ان کی شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔“

فریدی نے نفی میں سر ہلادیا۔

”خیر ہٹائیے! مجھے کیا؟ پولیس خود ہی سب کچھ معلوم کر لے گی۔ فی الحال پروین کی گرفتار کا

یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ اسے کل ہی پھانسی دے دی جائے گی۔“

”مگر اس نے پچھلے زینے!...!“

”کچھ بھی نہیں۔ سب فضول۔“ وہ فریدی کی بات کاٹ کر بولا۔ ”ایسے اتفاقات ہوتے ہی

رہتے ہیں اور پھر جہاں تک میرے قیافے کا تعلق ہے وہ کوئی بد چلن یا آوارہ لڑکی نہیں ہے۔ اوہ

مجھے اب جانا چاہئے۔“

وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا عمارت کی طرف چلا گیا۔

فریدی پُر خیال انداز میں حمید کی طرف بڑھ گیا۔

”یہ چند ایک دوسری الجھن میں مبتلا کر گیا۔“ حمید نے کہا۔ ”اب کس سے پوچھتے پھریں کہ

اس اقبال کے پٹھے کی شادی کن حالات میں ہوئی۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

حمید مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا ٹہلنے لگا۔

نیا انکشاف

دوسرے دن صبح حمید جب سو کر اٹھا تو اس نے فریدی کا بستر خالی پایا۔ پہلے تو اس نے کوئی

دھیان نہ دیا لیکن جب کافی وقت گزر جانے کے بعد بھی اس کا پتہ نہ چلا تو حمید کی تشویش بڑھ

گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا کہ وہ ضرور اس نئے حادثے کی چھان بین میں مشغول ہو گا اسے

پروین کا حسین اور افسردہ چہرہ یاد آ گیا۔ خود اسے بھی یقین تھا کہ پروین کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔

حمید دروازہ کھول کر راہداری میں آیا۔ زینے کے قریب اقبال کھڑا ایک آدمی سے آہستہ آہستہ کچھ

کہہ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ حمید بھی خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

اس آدمی کو رخصت کرنے کے بعد اقبال آہستہ آہستہ حمید کی طرف بڑھا۔

”آپ نے کل رات اس بوڑھے کو بہت تنگ کیا تھا۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ اور شراب کی بو

حمید کا دماغ پھاڑنے لگی۔ حمید جو اب صرف مسکرا کر رہ گیا۔

”نہیں یہ کم بخت انہیں کو دباتے ہیں، جو ان سے دبتے ہیں۔“ اقبال پھر بولا۔

”مس پروین کا کیا ہوا۔ مجھے اس حادثے پر سخت افسوس ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ہونے والی باتیں اسی طرح ہو جاتی ہیں۔“ اقبال نے مضحل آواز میں کہا۔ ”میں نے رشوت دے کر اسے حوالات میں بند ہونے سے تو بچا لیا ہے لیکن ان کم بختوں کو نہ جانے کبے یقین ہو گیا ہے کہ وہی قاتل ہے۔“

”آپ کی دانست میں قاتل کون ہو سکتا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اب میں اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں میرے خیال میں تو کوئی اس کا دشمن نہیں تھا۔“

”مجھے حیرت ہے۔“ حمید کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔

وہ دراصل دیاوتی کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا تھا لیکن اس نے سوچا کہ کہیں یہ چیز فریدی نا پسند نہ کرے۔ معلوم نہیں اس نے کون سا نیا طریقہ کار اختیار کیا ہو۔

”سگریٹ۔“ اقبال نے سگریٹ کیس نکال کر حمید کی طرف بڑھایا۔

”شکریہ۔“ حمید نے سگریٹ لے کر ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا۔ ”مجھے انتہائی افسوس ہے

کہ ایسے موقع پر جب کہ صحیح معنوں میں آپ کی پارٹی کو اپنے کمالات دکھانے کا....!“

”اوہ! مجھے اس کا غم نہیں۔“ اقبال حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ ”میری زندگی میرا فن ہے۔

ہمارے پروگرام ہوتے رہیں گے مجھے دیاوتی کی موت پر افسوس ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ

میری بیوی تھی محض اس لئے کہ وہ ایک اچھی فنکار تھی اور اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔“

”وہ آپ کی بیوی تھی؟“ حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔“

”اور آپ اس کے دشمنوں سے واقف نہیں۔“

”ہماری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔“

حمید کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ زینوں پر فریدی دکھائی دیا۔ وہ ہلکے سرمئی رنگ کے سوٹ میں

لبوس اوپر کی طرف آرہا تھا۔

”اوہو! آپ سے ملے۔“ حمید نے اقبال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔ ”منر

اقبال ڈانگ پارٹی کے مالک اور یہ میرے دوست کیپٹن عابد۔“

فریدی نے اکتائے ہوئے انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔

حمید سمجھا تھا کہ فریدی اپنے مخصوص انداز میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے لیکن اس کی بے وفائی دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔

اقبال تھوڑی دیر تک کھڑا بیوقوفوں کی طرح مسکراتا رہا۔ پھر دونوں سے دوبارہ ہاتھ ملا کر زمین کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی اور حمید اپنے کمرے میں چلے آئے۔

”تو تم نے اس سے جان پہچان پیدا کر لی۔“ فریدی اپنی فلت ہیٹ نیز پر ڈالتا ہوا بولا۔

”جناب والا....!“ حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھکتے ہوئے کہا۔

”اس لڑکی سے بھی جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کرو۔“

”یہ آپ فرما رہے ہیں۔“ حمید طنزیہ انداز میں بولا۔

فریدی اسے گھورنے لگا۔

”سرکاری میں آوارہ نہ ہو جاؤں گا؟“ حمید نے پھر کہا۔

”فضول باتیں مت کرو۔“

”نہیں نہیں میں شریف کا بچہ ہوں۔“

”خاموش رہو۔“

میں نے عہد کر لیا ہے کہ اب میں کسی عورت سے بات نہ کروں گا۔“

”جہنم میں جاؤ۔“

”آمدورفت کے اخراجات آپ کے ذمہ۔“

فریدی منہ بناتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ واپس آنے کے بعد اس نے ناشتے کے لئے فون

کیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔ شاید وہ حمید کی موجودگی سے بھی بے خبر ہو گیا

تھا۔ حمید خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن بولنے کی ہمت نہ کر سکا؟ وہ اچھی طرح جانتا تھا

کہ اگر اس وقت اس نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی تو شامت آجائے گی۔“

تھوڑی دیر بعد ناشتہ آگیا۔ ناشتے کے دوران میں بھی خاموشی ہی رہی۔

کسی نے باہر سے دروازے کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔

”آجاؤ۔“ فریدی نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

کل والا بوڑھا انسپکٹر داخل ہوا۔

”اوہ آپ۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”تشریف لائیے۔ یہاں تشریف رکھئے چاہئے۔“

”شکریہ۔“ انسپکٹر منہ سکوڑ کر بولا۔ پھر وہ حمید کو گھورنے لگا۔

”یہ ٹائی آپ کی ہے۔“ اس نے جیب سے ایک ٹائی نکالتے ہوئے کہا جس کے سر۔ پتھر کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا۔

حمید سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں اس کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔“ انسپکٹر ٹائی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”اس کا مطلب۔“ حمید نے چونک کر کہا۔ ”اس کا مطلب شاید میں پاگل خانے سے ”نہ بتا سکوں گا۔“

فریدی حیرت سے ٹائی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ حمید کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی حمید نے اسے انگلیںڈ میں خریدا تھا سیاہ رنگ کی ٹائی تھی جس پر ریڈیم کے حروف میں me in the Dark uncle اندھیرے میں یہ حروف چمکنے لگتے تھے۔

”یہ تو آپ ہی کی ہے۔“ سب انسپکٹر نے پھر پوچھا۔

”سو فیصدی میری ہے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”لیکن اس حرکت کا مطلب۔“

”انگریزی آتی ہے آپ کو۔“ حمید نے پوچھا۔

”جی نہیں! بھلا میں انگریزی کیا جانوں۔“ بوڑھا طنزیہ انداز میں بولا۔

”اس تحریر کا یہ مطلب ہے۔“ حمید اس کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کر کے بولا۔

مجھے اندھیرے میں پیار کرو۔“

”یعنی۔“

”یعنی یہ کہ میں آپ کو چچا بنا کر چھوڑوں گا۔ میں بھی ملٹری میں کیپٹن رہ چکا ہوں“

خاص کا محکمہ میرے سپرد تھا۔“

”کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔“ فریدی نے حمید کو ڈانٹا۔ ”انسپکٹر صاحب! مجھے بتا۔“

بات ہے؟“

”میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔“ انسپکٹر جامے سے باہر ہو کر گر جا۔ ”میرے پاس آپ دونوں حضرات کے وارنٹ ہیں۔ میں آپ دونوں کو دیاوتی کے قتل کے سلسلے میں گرفتار کرنے کے لئے آیا ہوں۔“

”اوہ....!“ فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا اور حمید بے تحاشہ ہنس پڑا۔

”خاموش رہو۔“ فریدی نے اسے پھر ڈانٹا۔

”دیاوتی کا معاملہ تو پانچ سو پر ہو گیا تھا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”ہم سے ایک ہزار لے لیجئے انسپکٹر صاحب۔“

”جلدی کیجئے۔“ انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”خود سپرنٹنڈنٹ صاحب نیچے موجود ہیں۔“

”بہت اچھا۔ انہیں یہیں بھیج دیجئے۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

”اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ آپ کے ہتھکڑیاں لگیں تو یہ بھی ہو جائے گا۔“ انسپکٹر نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

”یہ ٹائی اس کے پاس کس طرح پہنچی؟“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔

حمید نے اپنی رات والی حرکت دہرا دی۔ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

”میرے خیال میں ماتھر صاحب ہی یہاں کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں اور میں اس سے ابھی تک نہیں ملا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اسے بڑی شکایت ہوگی۔“

”تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔“ حمید نے پوچھا۔ ”کیا سچ ہتھکڑیاں ہی لگوائے گا۔“

”کیا ہرج ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ہمیں اپنی شخصیت چھپانی ہے۔“

”لیکن ماتھر صاحب۔“

”میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ اگر ہم حوالات میں نہ بھی بند ہوں تو کم از کم ہمیں مشتبہ

آدمیوں کی حیثیت سے معاذ اکرام کو توالی تک ضرور جانا چاہئے۔“

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔ یہ ایس۔ پی ماتھر تھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور لوگ

بھی تھے۔ یہ سب کے سب وردیوں میں تھے۔ فریدی کو دیکھ کر ماتھر کا منہ حیرت سے کھل گیا

لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے اسے آنکھ ماردی۔ اس کے باوجود بھی ماتھر شاید اس کا

”چھری تو اس لڑکی کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئی ہے۔“

”تو اس سے کیا ہوتا ہے ممکن ہے کسی نے اسے پھنسانے کے لئے ایسا کیا ہو۔“

”لیکن اس کا مشکوک رویہ وہ پچھلے زینوں سے کیوں اتری تھی اور گھبرائی ہوئی کیوں تھی۔“

”وجہ بھی تو بتادی تھی اُس نے۔“ فریدی نے سگار سگاتے ہوئے کہا۔

”اور تم نے اس پر یقین کر لیا۔ تاپنے والیاں اتنی شریف نہیں ہوتیں۔“

”نہ ہوتی ہوں گی۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ ”لیکن وہ اس ماحول میں نئی ہے۔ اس لئے

پکپکٹ لازمی ہے اور پھر اقبال یوں بھی نشے میں رہتا ہے۔“

”خبر یوں تو اقبال بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں موجود ہے۔“ ماتھر نے کہا۔

”ہونے کو تو ہم لوگ بھی ہیں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے! معاملہ واقعی پیچیدہ ہے۔“

”پروین نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کہ دیادتی اس وقت

کی کا انتظار کر رہی تھی اور جس حال میں اس کی لاش پائی گئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کا وہ

انتظار کر رہی تھی وہ یا تو اس کا شوہر ہو سکتا ہے یا کوئی اور جس سے وہ شوہر ہی کی طرح بے تکلف

رہی ہو۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔“ ماتھر نے کہا۔ ”لیکن کیا ممکن نہیں کہ پروین ہی اسے قتل کر کے گئی

ہو۔“

”ہو سکتا ہے! لیکن وہ پارٹی کے ایک آرٹسٹ سعید کو ستیل ندی کے کنارے ملی تھی۔ سعید کا

بیان ہے کہ اس کے انداز سے کسی قسم کی بے اطمینانی یا بے چینی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔“

ماتھر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”اقبال نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ نیچے پروین کا انتظار کر رہا تھا۔“ فریدی بولا۔

”تو پھر کیا اقبال ہی کو قاتل سمجھا جائے۔“ ماتھر نے کہا۔

”دشوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں؟“

”کیا تم نے بارنڈر کے بیان پر غور نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اقبال ڈھائی بجے سے ساڑھے

مطلب نہ سمجھ سکا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“ فریدی غصے کا

اظہار کرتا ہوا بولا۔

ماتھر پلٹ کر بوڑھے انپکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

”تمہارا چال چلن مشتبہ ہے۔“ بوڑھا ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

”تم لوگ نیچے میرا انتظار کرو۔“ ماتھر نے اپنے ساتھیوں سے کہا وہ سب چلے گئے۔

”ہاں اب بتاؤ۔“ ماتھر نے کہا۔ ”تم نے مجھے اطلاع تک نہ دی کہ تم یہاں مقیم ہو۔“

”معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بیٹھو۔“

”یہ ثانی کا کیا قصہ تھا۔“ ماتھر نے پوچھا۔

”حمید کی شرارت! تمہارے انپکٹر نے ہماری نگرانی شروع کر دی تھی۔“

”خیر مارو گولی۔“ ماتھر نے فریدی کے سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ ”جب میں

یہاں موجود ہوں تو تمہیں ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے نام بدل رکھے ہیں۔“ فریدی نے بات بتائی۔

”کوئی خاص معاملہ۔“

”ہاں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن ہماری اصلیت کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔“

”رام سنگھ تمہیں پریشان کر ڈالے گا۔“

”کون رام سنگھ۔“

”یہی بوڑھا.... بہت ضدی آدمی ہے۔“

”اس کی فکر نہ کرو۔ اس پر تم یہی ظاہر کرنا کہ تم بھی مجھ پر شبہ رکھتے ہو لیکن کسی وجہ سے

حراست میں نہیں لے سکتے۔“

”آخر کیوں بھئی۔“

”بس یونہی۔“

”خیر ہٹاؤ! اس قتل سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”معاملہ پیچیدہ ہے۔“

تین بجے تک بار میں بیٹا بیڑ پتار ہاتھ۔“

”ٹھیک تو ہے۔“ ماتھر نے کہا۔ ”ڈاکٹر کا بیان ہے کہ قتل دو اور تین کے درمیان ہوا۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ہاں یاد ہے۔۔۔ اس نے کہا تھا کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ اقبال پروین کی تلاش میں اوپر ضرور گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے دیاوتی کو کسی اور کے ہاتھ سے قتل کر دیا ہو۔“

”اگر یہ بات ہوتی تو وہ دوسرا آدمی اب تک خود کو ضرور ظاہر کر دیتا۔“ فریدی نے کہا۔

”ممکن ہے اس نے اپنی بدنامی کے خیال سے ایسا نہ کیا ہو۔“ ماتھر نے کہا۔

”بدنامی سے زیادہ اسے اپنی جان جانے کا خوف ہونا چاہئے۔ بھلا اقبال اسے کبھی چھوڑتا۔ فرض کرو وہ موقع پر بھاگ نکلا ہو! لیکن اقبال نے کم از کم اسے پہچان ہی لیا ہوگا۔ بارہ بجے رات کو میں نے کمرہ چھوڑ دیا تھا۔ سعید بار میں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ بارنڈر اسے صورت میں وہ کبھی نہ کبھی اس پر ضرور حملہ کر سکتا ہے۔“

”اقبال کا تو بیان ہے کہ وہ پھر اوپر گیا ہی نہیں۔“ ماتھر نے کہا۔

”اس کا بیان قطعی درست معلوم ہوتا ہے! مجھے پارٹی کے آدمیوں سے معلوم ہوا ہے اس سے سب کچھ پوچھ لیا لیکن اگر وہ نشے میں نہ ہوتا تو شاید ایک لفظ بھی نہ بتاتا۔“

دیاوتی اس پر بڑی طرح حاوی تھی اور خود ہی نے پروین کو اپنے کمرے میں رکھا تھا کہیں فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے ساتھ رنگ رلیاں نہ منانا شروع کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اقبال پروین کی تلاش میں اوپر جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

”پھر آخر کون ہے۔“ ماتھر اکتا کر بولا۔

”یہ بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ماتھر چلا گیا۔

”تو کیا واقعی اقبال کو مجرم نہیں سمجھتے۔“ حمید نے کہا۔

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا ویسے حالات اس کے خلاف ہیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ حمید چونک کر بولا۔ ”کون سے حالات! ابھی تو آپ انہیں حالات

تحت اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”میں صرف یہی ایک چیز میں اس سے نہ اگلا۔ اس نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ شاید یہ

میں اس کا نام سعید ہے۔ وہ اس پارٹی میں بیٹا ہو جاتا ہے اور ایک اچھا آرٹسٹ ہے۔“

”کل رات جس آدمی سے ہماری

تھی اس کا نام سعید ہے۔ وہ اس پارٹی میں بیٹا ہو جاتا ہے اور ایک اچھا آرٹسٹ ہے۔“

کل دور ان گفتگو اس نے ایک بات کہی تھی۔ اقبال اور دیاوتی کی شادی کے متعلق۔“

حمید کچھ سوچنے لگا۔

”او۔۔۔۔۔!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ہاں یاد ہے۔۔۔ اس نے کہا تھا کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ اقبال پروین کی تلاش میں اوپر ضرور گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے دیاوتی کو کسی اور کے ہاتھ سے قتل کر دیا ہو۔“

”ٹھیک۔“ فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا بولا۔ ”میں کل رات سے اب تک اس

”اگر یہ بات ہوتی تو وہ دوسرا آدمی اب تک خود کو ضرور ظاہر کر دیتا۔“ فریدی نے کہا۔

”ممکن ہے اس نے اپنی بدنامی کے خیال سے ایسا نہ کیا ہو۔“ ماتھر نے کہا۔

”بدنامی سے زیادہ اسے اپنی جان جانے کا خوف ہونا چاہئے۔ بھلا اقبال اسے کبھی چھوڑتا۔ فرض کرو وہ موقع پر بھاگ نکلا ہو! لیکن اقبال نے کم از کم اسے پہچان ہی لیا ہوگا۔ بارہ بجے رات کو میں نے کمرہ چھوڑ دیا تھا۔ سعید بار میں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ بارنڈر اسے صورت میں وہ کبھی نہ کبھی اس پر ضرور حملہ کر سکتا ہے۔“

”اقبال کا تو بیان ہے کہ وہ پھر اوپر گیا ہی نہیں۔“ ماتھر نے کہا۔

”اس کا بیان قطعی درست معلوم ہوتا ہے! مجھے پارٹی کے آدمیوں سے معلوم ہوا ہے اس سے سب کچھ پوچھ لیا لیکن اگر وہ نشے میں نہ ہوتا تو شاید ایک لفظ بھی نہ بتاتا۔“

دیاوتی اس پر بڑی طرح حاوی تھی اور خود ہی نے پروین کو اپنے کمرے میں رکھا تھا کہیں فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے ساتھ رنگ رلیاں نہ منانا شروع کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اقبال پروین کی تلاش میں اوپر جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

”پھر آخر کون ہے۔“ ماتھر اکتا کر بولا۔

”یہ بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ماتھر چلا گیا۔

”تو کیا واقعی اقبال کو مجرم نہیں سمجھتے۔“ حمید نے کہا۔

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا ویسے حالات اس کے خلاف ہیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ حمید چونک کر بولا۔ ”کون سے حالات! ابھی تو آپ انہیں حالات

تحت اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”میں صرف یہی ایک چیز میں اس سے نہ اگلا۔ اس نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ شاید یہ

میں اس کا نام سعید ہے۔ وہ اس پارٹی میں بیٹا ہو جاتا ہے اور ایک اچھا آرٹسٹ ہے۔“

”کل رات جس آدمی سے ہماری

تھی اس کا نام سعید ہے۔ وہ اس پارٹی میں بیٹا ہو جاتا ہے اور ایک اچھا آرٹسٹ ہے۔“

کل دور ان گفتگو اس نے ایک بات کہی تھی۔ اقبال اور دیاوتی کی شادی کے متعلق۔“

والوں کی بھیڑ میں آگئے تھے۔

”اس میں جرأت کی کیا بات ہے۔“

”عموماً آج لوگ مجھ سے کترارہے ہیں۔“

”لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتیں۔“

پروین حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

”شاید آپ کو رمبا اچھی طرح نہیں آتا۔“ حمید نے کہا۔ ”نہیں.... داہنا.... ٹھیک بائیں

نہیں پھر داہنا.... بائیں.... بائیں.... ٹھیک!.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ

قاتل نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے بہت بُرا کیا کہ اس پارٹی میں داخل ہوئیں۔ ابھی ہمارے یہاں کا

ماحول اس کے لئے سازگار نہیں۔“

”آپ پولیس والوں سے بھی خائف نہیں۔“ پروین نے کہا۔

”میں ملٹری کا آدمی ہوں نا۔“

”کل مجھے انتہائی پریشانی کے عالم میں بھی آپ کی باتوں پر ہنسی آتی تھی۔“

”ابھی میں انہیں اور تنگ کروں گا۔ ان گدھوں نے ہمارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست

میں لکھ رکھا ہے۔“

”سنا ہے آج وہ آپ لوگوں کو بھی حراست میں لینے کے لئے آئے تھے۔“

”آئے تو تھے لیکن میرے ساتھی نے ان کی کافی حجامت بنائی۔“

”یعنی....!“

”اس سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔“

”لیکن وہ ناچ کیوں نہیں رہے ہیں۔“

”اسے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ دراصل فلسفی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ناچوں

میں شکر ناچ سب سے بہتر ہے جس سے جسم میں توانائی آتی ہے۔ رمبا وغیرہ کو وہ مکھی مارنے کے

مترادف سمجھتا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ عورتوں سے دور بھاگتا ہے۔“

”ٹھیک ہے میں نے انہیں ابھی تک کسی عورت سے بات کرتے نہیں دیکھا۔“

”کہہ تو دیا کہ وہ عورتوں سے اس طرح بھاگتا ہے جیسے شیر بکری سے۔“

دوسری عورت

اسی رات کو رقص گاہ میں رمبا کے لئے ساز بج رہے تھے۔ آج اقبال کی پارٹی کے پڑا نہیں ہوئے تھے، خود ہوٹل کے فیئر نے ایک ہفتہ کے لئے انہیں رکوا دیا تھا۔

خوش پوش جوڑے رقص کے لئے اٹھ رہے تھے۔ پروین بھی ایک طرف بیٹھی تھی۔ اس سے کسی نے رقص کرنے کی درخواست نہیں کی تھی اور اقبال نشے کی وجہ سے اس قابل تھا کہ رقص کر سکے۔ لوگ دراصل پروین سے کترارہے تھے۔ سب کو علم ہو گیا تھا کہ اس کے کیس سے خون آلود چھری برآمد ہوئی ہے۔

فریدی اور حمید ایک طرف بیٹھے تھے۔ اس دوران میں حمید نے کئی بار رقص کے لئے اکرشش کی لیکن فریدی اسے برابر روکتا رہا۔ اس کی جان پہچان کی کئی لڑکیاں ادھر سے لیکن وہ فریدی کی وجہ سے مجبور تھا۔

”حمید اس سے بہتر اور کوئی موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔“

”کیا عبادت کا موقع۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”میا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو! تم جیسے سعادت مند فرزند کے لئے آوارہ اور

لڑکیاں ٹھیک نہیں۔ میں نے اب تک تمہیں پروین کے لئے روک رکھا تھا۔“

”اوہ....!“ حمید اچھل کر بولا۔ ”میں سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ مجھے نامحرم عورتوں کے

رقص نہیں کرنے دیں گے۔“

”چلو جلدی کرو۔“ فریدی اکتا کر بولا۔

حمید اٹھ کر پروین کے پاس آیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”میا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔“ حمید قدرے جھک کر آہستہ۔

”جی.... جی۔“ وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

”میں شکر گزار ہوں گا۔“

پروین کھڑی ہو گئی۔

”لیکن آپ نے اس کی جرأت کس طرح کی۔“ پروین نے آہستہ سے کہا وہ دونوں

پروین بے تحاشہ ہنس پڑی۔

”کیا میں نے کوئی بے وقوفی کی بات کہہ دی ہے۔“

”شیر بھی کہیں بکری سے بھاگتا ہے۔“

”میرا مطلب یہ تھا جیسے بکری شیر سے۔“

پروین خاموش ہو گئی۔ دونوں ناچتے رہے۔

”اقبال بڑا ادایات آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”ہوں۔“

”میں نے کبھی اُسے ہوش میں نہیں دیکھا۔“

”میں تو اب اپنی زندگی سے بیزار ہو گئی ہوں۔“

”کیوں؟“

”میں ایک دلدل میں آ پھنسی ہوں۔ شہرت اور دولت کی لالچ نے مجھے کہیں کانہ رکھا۔“

”اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔“

”مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اقبال بڑا مکار ثابت ہوا۔ اس نے مجھ سے چھ ماہ کا کنٹریکٹ کیا ہے

اگر میں علیحدہ ہوتی ہوں تو مجھ پر دعویٰ دائر کر دے گا۔“

”خیر اس کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔“

”کیسی کوشش۔“ پروین چونک کر بولی۔

”سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ قتل کے الزام سے بری ہو جائیں اس کے بعد ہم

اس کے لئے بھی کوشش کریں گے۔“

”میں اب کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے۔ اگر پہلے ہی سے آپ کا یہ رویہ ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔“

”آخر آپ کیوں اتنے ہمدرد ہو گئے ہیں۔“

”اس لئے کہ ہم ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ ہم بھی تو مشتبہ ہیں نا۔“

”مگر آپ کے خلاف ان کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔“

”تو جس کے خلاف ان کے پاس واضح ثبوت موجود ہے اس کا وہ کیا بگاڑیں گے۔“

”یعنی۔“

”یعنی یہ کہ اسے ثابت کر دینا کوئی مشکل کام نہیں کہ وہ چھری کسی اور نے آپ کے سوٹ

میں رکھی تھی۔“

”کیا اب میرے گرد کوئی نیا جال بنایا جانے والا ہے۔“ پروین نے کہا۔

”اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

پروین پھر خاموش ہو گئی۔

”بیادتی اور اقبال کے تعلقات کیسے تھے؟“

”میں ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں کر سکی۔ البتہ اتنا جانتی ہوں کہ اقبال اس سے بہت ڈرتا

ا۔“

”کیوں؟“

”وہ اس پر چھائی ہوئی تھی۔“

”اس کی وجہ؟“

”وجہ میں نہیں جانتی۔“

”حمید براشریف آدمی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا آپ اُسے جانتے ہیں؟“

”میں جان پہچان ہوئی ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔“

”بھلا آدمی ہے۔“ پروین نے کہا۔

”لیکن وہ اقبال کو پسند نہیں کرتا۔“

”اقبال کو پسند ہی کون کرتا ہے۔“ پروین بولی۔

”بڑا کردار آدمی ہے۔“

”میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔ ویسے اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔“

”اچھا اس بیادتی سے کسی کی آشنائی تھی۔“

”مجھے نہیں معلوم۔“ پروین نے کہا اور حمید کو گھورنے لگی۔ ”آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے

نہ۔“

”آپ کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے۔“

”نہیں....!“

”آپ بہت اچھا گاتی ہیں۔“

”شکریہ۔“

”آپ سے پہلے بھی تو کوئی مغییر ہی ہوگی اس پارٹی میں۔“

”پروین بے ساختہ چونک کر حمید کو گھورنے لگی۔“

”ہاں تھی تو۔“

”اس نے ملازمت ترک کر دی۔“

”لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”پھر کہوں گا کہ آپ کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے۔“

”آپ کون ہیں؟“

”آپ مجھے نہیں جانتی۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”کیپٹن سلیم۔ ایک یونٹ کے محکمہ سراغ

رسانی کا انچارج۔“

”اوہ....!“

”لیکن اس سلسلے میں آپ کو اپنی زبان بند رکھنی ہوگی۔ میں مجرم اور پولیس دونوں کو

مغالطے میں رکھ کر اپنا کام کرنا چاہتا ہوں۔“

”تو کیا آپ سچ مجھے بے گناہ سمجھتے ہیں۔“ پروین کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

”قطعاً! اسی لئے تو میں سر مار رہا ہوں۔ آپ سمجھی تھیں، شاید میں بھی آپ کے فن کے

بجاریوں میں سے ایک ہوں اور اس طرح آپ سے متعارف ہونا چاہتا ہوں۔ نہیں بے بی میں اتنا

ذریعہ نفل نہیں ہوں۔“

پروین حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”لہذا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے ابھی تک جو بات پولیس سے چھپائی ہے مجھے

بتائیے۔“

”میں نے کیا بات چھپائی ہے۔“ پروین نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”نہیں....!“ حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

”مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہیں۔“

”شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”شاید آپ یہ سمجھتی ہیں کہ

حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ساز بند ہو گئے۔ رقص کرنے والے ادھر ادھر منتشر

لگے۔ حمید پروین کے ساتھ مالتی کی جھازوں کے قریب والی میزوں میں سے ایک پر بیٹھ

ایک ویٹر کو اشارے سے بلا رہا تھا کہ پروین بولی۔

”واضح رہے کہ میں شراب نہیں پیتی۔“

”لاحول ولا قوۃ! تو یہاں کون فاختہ کا پٹھاپٹا ہے۔“

حمید نے ویٹر کو آئس کریم کا آرڈر دیا۔

پروین اسے پر خیال انداز میں گھور رہی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے قائم کر رہی ہیں۔“ حمید مسکرا کر

پھر دفعتاً دوسری طرف مڑ کر کہنے لگا۔ ”لیجئے نگرانی شروع ہو گئی۔“

”نگرانی۔ کیا مطلب۔“ پروین چونک پڑی۔

”رام سنگھ کے آدمی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔“

”کون رام سنگھ۔“

”وہی بوڑھا انسپکٹر۔“

”اوہ.... تو آپ ہٹ جائیے۔“

”کیوں؟“

”وہ آپ لوگوں کو اور زیادہ تنگ کرے گا۔“

”اچھا فرض کیجئے! اگر میں ہی دیادتی کا قاتل ہوں تو۔“

”آپ! نہیں.... بھلا.... آپ کیوں؟“

”ناممکن نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”خیر چھوڑئیے۔ وہ آئس کریم بھی آگئی۔“

دونوں آئس کریم کھانے لگے۔

”دیادتی تو گانا نہیں جانتی تھی؟“ حمید نے پوچھا۔

کرے جیسا کہ وہ اس واقعے کے بعد بھی کر چکی تھی، لیکن میں نے آج اقبال سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے نسیم کو ڈھونڈھ نکالنا بہت ضروری ہے۔ آج بارہ بجے کے بعد ہم دونوں اسے یہاں کے ہوٹلوں اور قیام گاہوں میں تلاش کریں گے۔“

ایک اور قتل

”یہ بھی آپ نے اچھا ہی کیا کہ مجھے اپنا پروگرام بتادیا۔“
”کیوں....؟“

”اب میں آپ کی حفاظت بھی کر سکوں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ کا یہ فعل غیر دانشمندانہ ہے کہ آپ نے اقبال سے بارہ بجے کے بعد ہوٹل گردی کا وعدہ کر لیا ہے۔“

پروین نے کوئی جواب نہیں دیا۔
”آپ کے علاوہ بھی کسی اور کو یہاں نسیم کی موجودگی کا علم ہے۔“
”اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”اچھا ایک اور بات؟ کیا دیادتی کا رویہ آپ کے ساتھ بھی خراب تھا۔“
”نہیں! لیکن وہ اس بات کی کڑی مگر امی رکھتی تھی کہ میں اقبال کے ساتھ کہیں جانے پاؤں۔“

”اوہ....!“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن کل اس نے آپ کو کیوں ٹوکا نہیں تھا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ آپ بغرض تفریح کہیں جا رہی ہیں۔ اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی یا نہیں کہ آپ تنہا جا رہی ہیں یا کوئی اور بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔“
”نہیں قطعی نہیں۔“

”حیرت ہے۔“

پروین حمید کو غور سے دیکھنے لگی۔

”کیا آپ اندازہ بتا سکتی ہیں کہ وہ کس کا انتظار کر رہی تھی۔“

”اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتی! آپ پھر بھول رہے ہیں کہ اس پارٹی میں شامل ہوئے

”تو آپ سب کچھ جانتے ہیں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔“ حمید اپنے جوش پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ شاید اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر نشانے پر بیٹھا تھا، اس خیال سے اس کا دم گھٹنے لگا کہ اب وہ بھی فریدی پر اپنی کارگزاری کا رعب ڈالے گا۔

”میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

پروین تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

”جی ہاں.... وہی مجھ سے پہلے بحیثیت مغنیہ پارٹی میں کام کرتی تھی لیکن وہ واقعہ میرے سامنے نہیں پیش آیا تھا۔“
”کون سا واقعہ؟“

”جب آپ جانتے ہی ہیں تو....!“

”ممکن ہے کوئی بات مجھے نہ بھی معلوم ہو۔“ حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”یہ واقعہ پارٹی کے ہر آدمی کو معلوم ہے لیکن..... اپنے عادات و اطوار کی بناء پر پارٹی میں اتنی مقبول تھی کہ پولیس کو بیان دیتے وقت کسی نے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔“
حمید پائپ سلگانے لگا۔ پروین تھوڑے وقفے کے بعد پھر بولی۔

”نسیم اقبال کو بے حد چاہتی تھی اور اقبال بھی اسے چاہتا تھا، میں آپ سے لوگوں کا خیال بتا رہی ہوں۔ ویسے میں اقبال کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی۔ ہاں تو اقبال نے نسیم سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور پھر جب ایک دن یہ بات مشہور ہوئی کہ اقبال نے دیادتی سے شادی کر لی تو نسیم کئی گھنٹے تک پاگلوں کی طرح اول فول بکتی رہی پھر اسی شام کو جب کہ اقبال اور دیادتی پارٹی کے کچھ آدمیوں کے ساتھ چائے پی رہے تھے نسیم غصے میں بھری ہوئی اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں خنجر تھا جس سے اس نے دیادتی پر حملہ کر دیا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اس وقت ہوش میں نہ تھی۔ اسی رات کو سعید اسے لے کر کہیں چلا گیا۔ دوسرے دن واپسی پر اس نے بتایا کہ وہ اسے اس کی ماں کے پاس گاؤں چھوڑ آیا ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ میں ہر بار ہوٹل سے باہر ہی رہی تھی لیکن آخر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا ضرورت بھی کیا تھی۔ میں نے سوچا ممکن ہے دیادتی اسے گرفتار کرادیے کی کوشش

چند ہی روز گزرے ہیں۔“

دونوں خاموش ہو گئے۔ پروین تھوڑی دیر تک بیٹھی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔

”اچھا اب میں اجازت چاہوں گی۔“

”بہتر ہے لیکن میرے متعلق اقبال کو بھی کچھ نہ معلوم ہونا چاہئے۔“

”حتی الامکان یہی کوشش کروں گی۔“

”شکریہ۔“

پروین چلی گئی۔ حمید نے ادھر ادھر دیکھا فریدی کی میز یہاں سے کافی فاصلے پر تھی اور ایک

سدابہار درخت کی اوٹ میں پڑ گئی تھی۔ حمید اٹھ کر اس کی طرف روانہ ہو گیا۔

فریدی کافی کی پیالی سامنے رکھے اونگھ رہا تھا۔

”آج تو میں نے کمال کر دیا۔“ حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

”کسے حلال کر دیا۔“

”حلال نہیں کمال۔“

”کون کمال۔ کیا احمد کمال۔ مگر وہ تو میرا ہی نام ہے۔“

”سمجھا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”خیر جناب اس بار میدان میرے ہاتھ رہا۔“

”اچھا....!“ فریدی آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”میدان تمہارے ہاتھ رہا۔ گویا میدان نہ ہوا کی

آوارہ لڑکی کا ہاتھ ہو گیا۔“

”تو آپ اس وقت کچھ سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔“ حمید اکتا کر بولا۔

”کیوں نہیں! ضرور سنوں گا۔ کچھ بھی سناؤ۔ ٹھہری، دائرا، اسادری، بھیریوں، میاں کی

ٹوکری، شیاں کلیان، سوہنی حتیٰ کہ قوالی تک سننے کے موڈ میں ہوں۔“

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ نسیم کون ہے۔“ حمید نے اکثر کر پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں ایک خوبصورت سی لڑکی۔ اسی پارٹی میں پروین سے پہلے مغنیہ تھی۔“

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس کی علیحدگی کس طرح عمل میں آئی تھی۔ نہ وہ دیاوتی پر خنجر

سے حملہ کرتی اور نہ اسے اس کے گاؤں پہنچایا جاتا۔“

”تو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔“ حمید نے جھپٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا وہ کچھ سوچ رہا

”دقتاً نے خیال آیا کہ ابھی ایک اطلاع اور باقی ہے۔“

”اور کچھ۔“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اقبال بارہ بجے کے بعد پروین کو کہاں لے جائے گا۔“

”یہ بھی بہت پرانی اطلاع ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”وہ دونوں آج نسیم کی تلاش میں

ہیں گے وہ یہیں کہیں مقیم ہے اور کئی بار پروین سے ملنے کی کوشش کر چکی ہے اور بتاؤں تم بالکل

دہو۔ تم یہ بتائے بغیر پروین سے کچھ نہیں معلوم کر سکے کہ تم کسی خیالی فوجی یونٹ کے محکمہ

رائج رسانی کے انچارج رہ چکے ہو۔ یہ ایک فنی غلطی تھی خیر بہر حال مجموعی حیثیت سے یہ انٹرویو

بڑا نہیں رہا۔ ہاں ایک بہت زیادہ کام کی بات تم نے نہیں پوچھی۔“

حمید حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے خاموش ہوتے ہی چونکا۔

”کیا....؟“

”تمہیں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی کہ آخر سعید ہی کیوں نسیم کو اس کے

گاؤں لے گیا تھا۔ ان دونوں کے تعلقات کس قسم کے تھے۔“

”مگر آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا۔“ حمید بے چینی سے بولا۔

”میرے ہمزاد نے بتایا ہے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”میں کسی جاسوس ناول کے سراغ رساں

کی طرح سب کچھ جانتا ہوں۔“

”بتائیے نا!“ حمید اکتا کر بولا۔

”تم خود ہی بتاؤ۔“

حمید فریدی کو گھورنے لگا۔

”سوچو.... سوچو.... ذہن پر زور دو۔“

”چھوڑیے.... میں خواہ مخواہ درد سری کیوں مول لوں۔“

”کوئی خاص بات نہیں تھی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے ابھی ابھی یہ ساری باتیں

معلوم کی ہیں۔ میں تمہارے قہقہے ہی بیٹھا ہوا تھا۔“

”کہاں؟“ حمید چونک کر بولا۔

”مالتی کی جھاڑیوں میں۔“

”ہوں۔“ حمید نہ سکڑ کر بولا۔ ”بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔“

”ابھی کچے ہو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

”لیکن اگر رام سنگھ کے کسی آدمی نے آپ کو جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔“

نے کہا۔

”ممکن ہے دیکھا ہو! اگر ایسا ہوا تو اور بھی اچھا ہے۔“

”کیوں؟“

”اس طرح وہ ہم دونوں کی کڑی نگرانی شروع کر دیں گے۔“

”اس سے فائدہ؟“

”چھوڑو اس بحث کو۔ وہ دیکھو تمہاری چھوکریاں ادھر آ رہی ہیں اب تمہیں چھٹی۔

جاسکتے ہو۔“ فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

حمید فریدی کو گھورتا ہوا اٹھ گیا۔

رقص کی موسیقی پھر شروع ہو گئی تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ میزوں سے اٹھ کر رقص کا

طرف جارہے تھے۔ حمید اپنی جان پہچان والی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ ناچنے لگا۔ اگر

طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اس وقت اس کی پیٹھ ٹھونکنے کا مگر مایوسی کے

ہی چھیننے نے اس کا سارا جوش ٹھنڈا کر دیا۔

فریدی چپ چاپ بیٹھنا ناچنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نظریں زیادہ تر ڈاننگ با

کے آرٹسٹوں پر پڑ رہی تھیں۔ اس وقت اقبال اور سعید کے علاوہ سب رقص میں حصہ لے رہے

تھے اقبال تو نشے میں تھا لیکن سعید نہ جانے کیوں سب سے الگ تھلگ ایک گوشے میں تھا۔

تھا۔ اس وقت اس نے شراب بھی نہیں پی تھی۔ فریدی کی نظریں شام ہی سے اس پر تھیں۔

کا اندازہ تو اس نے بچپلی ہی رات کو لگایا تھا کہ وہ زیادہ پینے کا عادی نہیں ہے۔

فریدی تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ کر سعید کی میز کی طرف بڑھا۔ سعید

دیکھ کر بے ساختہ چونک پڑا۔

”معاف کیجئے گا۔“ فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ شاید بچپلی رات کو میں اپنا سگار

لاسٹر آپ کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔“

”مجھے نہیں معلوم! دیکھوں گا۔“ اس نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”رات میری حالت

خراب تھی۔ کیا آپ ہی نے مجھے میرے کمرے میں پہنچایا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”میں اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”سعید میز پر نظریں جمائے خاموش بیٹھا تھا۔“

”آپ پیانو بہت اچھا بجاتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”جی۔“ وہ چونک کر بولا۔ پھر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔ ”بس یونہی ٹوٹا پھوٹا

بجالیٹا ہوں۔ ویسے فن تو ایک بحر ذخار ہے۔“

”کچھ بھی ہو! مجھے آپ کی پارٹی کے سارے فنکار باکمال معلوم ہوتے ہیں۔“ فریدی نے

کہا۔

سعید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے رقص کرنے والوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی

سگار سلگانے کے بعد پھر اس کی طرف مخاطب ہوا۔

”اس افسوس ناک حادثے کی وجہ سے ہم اتنے اچھے اچھے پروگراموں سے محروم ہو گئے۔“ وہ

پھر بولا۔

سعید پھر چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً فریدی کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ کر رقص کرنے والوں کی طرف مبذول ہو گئی۔

پارٹی والوں میں سے ایک کم ہو گیا تھا اور اقبال بھی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ پھر اس نے حمید کو بھی مجمع

سے نکل کر عمارت کی طرف جاتے دیکھا۔

”وہ صاحب جو دالکن بجاتے ہیں ان کا کیا نام ہے۔“ فریدی نے پلٹ کر سعید سے پوچھا۔

”حمید.....!“

”وہ بھی اپنے فن کے ماہر ہیں۔ مجھے بھی دالکن سے تھوڑا بہت شوق ہے۔“

”تینوں اپنے اپنے کمروں میں بند ہو گئے۔“

”پروین بھی کہیں دکھائی دی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔
”نہیں۔“

”پروین پر خاص طور سے نظر رکھنا۔“ فریدی نے کہا۔
”کیوں؟“

”پھر تم نے مجھ سے سوالات کرنے شروع کئے۔“ فریدی بگڑ کر بولا۔ ”جو میں کہوں وہ رو۔“

”آپ مجھ سے کہئے کہ سر کے بل کھڑے ہو جاؤ تو کیا سچ سچ سر کے بل کھڑا ہو جاؤں گا۔“
”فضول بکواس کا وقت نہیں جاؤ۔“

اسی رات کے بارہ بجے دو کاریں پہاڑیوں میں چکرانے والی سنسان سڑکوں پر فرائے بھر رہی تھیں۔ اگلی کار کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں لیکن پچھلی کار کی ساری روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔ وہ دونوں کاریں اسی طرح آگے پیچھے چلتی رہیں۔ اگلی کی رفتار سست ہوتے ہی پچھلی کار روک دی جاتی۔ اگلی کار رام گڈھ کے متعدد ہونٹوں کے سامنے رک چکی تھی۔ اگلی کار میں اقبال اور پروین تھے اور دوسری میں فریدی اور حمید! اقبال اور پروین نے اب تک کئی ہوٹل دیکھ ڈالے تھے۔

اب ان کی کار بالی کیپ کی طرف جا رہی تھی۔ یہاں بھی وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے پہنچ کر کر کے یہاں قرب و جوار میں دو ایک چھوٹے موٹے کارخانے تھے جہاں رات میں بھی کام ہوتا تھا اس لئے یہ ہوٹل رات بھر کھلا رہتا تھا۔ پروین اور اقبال اتر کر اندر چلے گئے۔ فریدی نے اپنی کار دو درختوں کے نیچے کھڑی کر دی تھی اور وہ بھی اتر کر ہوٹل کی طرف بڑھے انہوں نے لمبا سفر کرنے والے سیاحوں کا حلیہ بنا رکھا تھا۔ ان کے کوٹ میلے تھے اور پتلونوں کی کمر بنائے تھے۔ بالوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے چروں میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کی تھی اور آسانی سے پہچانے نہیں جاسکتے تھے جس وقت وہ ہوٹل میں داخل ہوئے انہوں نے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی عورت کو اقبال اور پروین سے گفتگو کرتے دیکھا۔ وہ چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ اقبال ہوٹل کے رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً وہ چونک کر پروین کی طرف مڑا۔
”یہ دستخط اسی کے ہیں۔“

سعید پھر اسے گھورنے لگا۔

”معاف کیجئے گا۔“ وہ دفعتاً اٹھتا ہوا بولا۔ ”مجھے ذرا ایک کام یاد آگیا۔ میں آپ کا سرگرم لائبر ضرور تلاش کروں گا۔“
”اوہ! کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تو یونہی خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کر رہا تھا۔“

”یہ بات نہیں۔“ سعید اخلاقتاً دانت نکال کر بولا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں۔“
وہ چلا گیا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔
وہ بھی اٹھ کر ٹیلی فون بوتھ کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اندر جا کر ڈائل پر نمبر ملانے لگا۔

”ہیلو! کون بول رہا ہے اوہ ماہر!.... میں ف بول رہا ہوں۔“ جیروڈائیز سے دیکھو، مجھے ابھی اور اسی وقت ایک کار چاہئے.... مگر وہ تمہاری نہ ہو.... یہاں بھجوادو.... ذرا نیور سے کہہ دو کہ کار یہاں چھوڑ کر واپس جائے.... پہچان کے لئے مجھے کار کا نمبر بتادو.... ہاں.... ہاں.... کیا.... تین سو سات.... بھی پھر کہو میں نے سنا نہیں۔ تین سو ساٹھ.... اچھا شکریہ.... صبح تک کار واپس بھجوادی جائے گی۔“ فریدی ریسپور رکھ کر باہر نکل آیا۔
رقص گاہ میں حمید سے مد بھیڑ ہو گئی۔ وہ تنہا تھا اور ایک میز پر ہاتھ ٹیکے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”ایک دلچسپ اطلاع۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”میں نے اس وقت ایک ایسا منظر دیکھا ہے کہ اگر الجھن کا مریض ہوتا تو میرا ہارٹ فیل ہو جاتا یقینی تھا۔“
”ہوں؟“ فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”وہ جو وائلن بجاتا ہے نا....!“

”وحید؟“

”ہاں.... وہی! اقبال اس وقت اس کا تعاقب کر رہا تھا اور سعید اقبال کا اور لطف یہ ہے کہ“
تینوں اس سے بے خبر تھے کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور پھر آخری آدمی یعنی میں نے یہ دیکھا کہ

فریدی نے اطمینان کا سانس لیا اور بوڑھی عورت کو مخاطب کر کے کافی کا آرڈر دیتا ہوا
سگائے لگا۔ پروین اور اقبال نے بھی انہیں دیکھا لیکن کوئی اہمیت نہ دی اور پھر دونوں رجز
جھک گئے۔

”مگر یہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔“ بوڑھی نے اقبال سے کہا۔

”کوئی بات نہیں، ہم انتظار کریں گے۔“ اقبال نے کہا اور پروین سمیت ایک میز کے قریب
بیٹھ گیا۔

اقبال تھوڑی دیر تک بیٹھا دنگتارہا پھر اچانک پروین سے بولا۔

”وہ میری کار پہنچاتی ہے! کیوں نہ میں کار کو اندھیرے میں گھڑی کر آؤں.... ہو سکتا۔
وہ میری کار پہچان کر واپس چلی جائے۔“

پروین نے سر ہلادیا۔ اقبال کے چلے جانے کے بعد اس نے میز پر تھوڑی ٹیک کر آنکھیں
کریں اور حمید کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

”اوہ.... ذرا دیکھئے.... خدا کی قسم وہ بچوں کی طرح معصوم دکھائی دیتی ہے۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ خاموشی سے کافی پی رہا تھا۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا لیکن اقبال واپس نہ آیا۔ پروین بے چینی سے کرسی پر پہلو بدل رہی
اس کی نگاہیں بار بار دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ پندرہ منٹ اور گذر
دفعۃً اقبال کچھ گھبراہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے دروازے ہی سے پروین کو اشارے سے
پروین اٹھ کر اس کی طرف بوڑھی اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا۔ بوڑھی حیرت سے
طرف دیکھنے لگی۔

فریدی نے بھی اٹھ کر بل ادا کیا اور دونوں باہر نکل آئے۔ درختوں کے نیچے اقبال
اشارت کرنے کی کوشش کر رہا تھا پھر وہ گالیاں بکتا ہوا نیچے اتر آیا۔

”تم اسٹیرنگ لو میں دھکا دیتا ہوں۔“ اس نے پروین سے کہا۔ ”اس کم بخت کو بھی اتار
خراب ہونا تھا۔“

اس نے کار کو دھکا دینا شروع کیا۔ لیکن یہ اکیلے اس کے بس کی بات نہ تھی۔

آخر وہ تھک ہار کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔

”میں چاہتا تھا کہ تمہیں ہوٹل پہنچا کر پھر واپس آ جاؤں۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس اس
نہ پر تمہیں میرے ساتھ دیکھے۔“

”لیکن اسے کس نے قتل کیا؟“ پروین اندر سے بولی۔ ”آپ اب تک کہاں تھے؟“

”اوہ! یہ نہ پوچھو! اس کی لاش ادھر چٹانوں میں پڑی ہوئی ہے۔“ وہ ایک طرف اشارہ کر کے
”کسی نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا ہے۔“ اُف میرے خدا! ہائے کیسی کیسی حسنائیں قتل ہو رہی
”اوہ بے بی۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔“

”لیکن آپ ادھر کیا کرنے گئے تھے۔“ پروین نے پوچھا۔

”میں نے چیخ سنی تھی! مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نسیم کی چیخ ہے۔ میں ادھر بھاگا مگر....
... یا خدا وہ منظر میرے ذہن سے محو کر دے.... بے بی پھر اشارت کرو، میرا دم گھٹ رہا
“

پروین نے کار اشارت کی اس بار انجن اشارت ہو گیا۔

”شکر ہے۔“ اقبال نے اٹھتے ہوئے کہا، پروین دوسری طرف سرک گئی اور اقبال نے
بزرگ سنبھال لیا۔ کار چل دی۔

تھوڑی دیر چٹانوں میں بھٹکنے کے بعد فریدی اور حمید سچ ایک لاش تک پہنچ گئے۔ یہ ایک
معمولی طور پر حسین اور نوجوان عورت تھی۔ کسی بیرحم نے اس کا پیٹ چاک کر دیا تھا۔ اس
پہنے ہوئے لباس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی جدوجہد کے بعد قتل کی گئی ہے۔ فریدی
اُپر جھک گیا۔ حمید کے ماتھے سے پسینے کی دھاریں پھوٹ نکلی تھیں، جنہیں وہ بار بار رومال سے
مٹا کر مٹا رہا تھا۔

ہیروں کا ہار

”سرے دن صبح ہوٹل میں پولیس موجود تھی۔ فریدی اور حمید اپنے کمرے میں تھے۔ دفعۃً
پہنچا۔ مقرر نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے دروازہ کھول دیا۔
”کو بھئی ایک اور قتل۔“ ماتھر بیٹھتا ہوا بولا۔

”کیا یہاں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.... بالی کیپ کے قریب! لیکن مقتولہ کا تعلق بھی اقبال سے ہے۔“

”یعنی۔“

”اوہ....!“

”کسی نے رات کو بالی کیپ سے اس قتل کی اطلاع فون سے دی تھی۔“

”کس نے؟“

”کسی نامعلوم آدمی نے؟“

”اچھا! فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔“

”نسیم کے کچھ کاغذات کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ اسی پارٹی میں ملازم تھی۔“ ماتھر نے

”وہ بالی کیپ کے کیپ ریفر شو میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ہوٹل کی مالکہ کا بیان ہے کہ کل رات

ایک بجے کے بعد ایک عورت اور ایک مرد اس کی تلاش میں آئے تھے۔“

”تو ان دونوں کا پتہ چلا۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں.... ابھی تک نہیں چل سکا۔“ ماتھر بولا۔ ”رات سے اب تک جاگ رہا،

تقریباً چھ ماہ سے رام گڈھ میں اس قسم کے جرائم نہیں ہو رہے تھے۔ ریکارڈ اچھا خاصہ تو

جانے یک بیک کیا ہو گیا اور ہاں ایک نئی بات سنو۔ ایک بار اس نسیم نے دیادتی پر قاتلانہ

تھا۔“

”کیا....؟“ حمید نے حیرت ظاہر کی۔

”پارٹی کے دوسرے آدمی سے یہ بات پوچھ گچھ کے دوران میں معلوم ہوئی اور پھر سب

اس کی تصدیق کر دی۔ ذرا سوچو تو کہ یہ کتنی اہم بات تھی۔ اسے تو پہلے ہی معلوم ہونا چاہئے!

”قطعاً۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن یہ بات کس نے بتائی۔“

”وحید نے۔ جو پارٹی میں داخلن بجا تھا۔“

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا، جو حیرت سے ماتھر کو دیکھ رہا تھا۔

”اس کیس نے سچ سچ دماغ چکر ادا کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نسیم اقبال سے شادی

چاہتی تھی۔ خود اقبال نے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ اچانک دیادتی درمیان میں آجاتی ہے۔“

”تو کیا اقبال بھی نسیم کو چاہتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”سمال کر دیا۔ اگر وہ اسے چاہتا ہی ہوتا تو دیادتی سے کیوں شادی کر لیتا۔“ ماتھر مسکرا کر بولا۔

فریدی بھی مسکرانے لگا۔ ”وہ سوچ رہا تھا کہ ان سب باتوں کے معلوم ہو جانے کے باوجود

بھی پولیس کو دیادتی اور اقبال کی شادی کے متعلق صحیح معلومات کیوں نہیں۔“

”دوسری حیرت انگیز بات۔“ ماتھر ٹھوڑی دیر بعد بولا۔ ”پارٹی والے کہتے ہیں کہ نسیم شادی

شدہ نہیں تھی۔“

”کیا مطلب....!“ فریدی چونک کر بولا۔

”لیکن وہ شادی شدہ تھی۔“ ماتھر نے اپنی جیسوں کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ”یہ رہا اس کی شادی کا

سرٹیفکیٹ۔“

ماتھر نے ایک لفافہ فریدی کے سامنے ڈال دیا۔ فریدی دیر تک لفافے کے اندر کے کاغذات

کا جائزہ لیتا رہا۔

”یہ تمہیں ملا کہاں سے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مقتولہ کے سوٹ کیس سے۔“

”ابھی یہ بات پولیس کے علاوہ کسی اور پر تو ظاہر نہیں ہوئی۔“

”نہیں۔“

”ٹھیک! اچھا تو دیکھو! ابھی اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔“

”اوہ تو کیا تم....!“ ماتھر اچھل کر بولا۔

”ہاں ہاں میں کل رات کو جھک نہیں مارتا پھر۔“ فریدی نے سگڑا سلگاتے ہوئے کہا۔

”یعنی....!“

”ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”پارٹی کے ہر آدمی پر پابندی لگا دو کہ

وہ بغیر اجازت ہوٹل کی عمارت کے باہر قدم نہ نکالے۔“

”وہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔“ ماتھر نے کہا۔ ”لاش دستیاب ہونے اور مقتولہ کی شناخت

ہونے کے بعد ہی سے ان پر یہ پابندی لگادی گئی ہے۔“

”اچھا تو اب ایک کام کرو۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ان سب کو ایک جگہ بلاؤ انہیں کے

ساتھ ان لوگوں کو بھی بلاؤ جن پر دیاوتی کے سلسلے میں شبہ کیا جا چکا ہے۔ یعنی ہمیں.... ہم سے دو چار لالے سیدھے سوالات کرنے کے بعد نسیم کی پراسرار شادی کا تذکرہ چھیڑ دینا۔ بس پھر میں دیکھ لوں گا۔“

فریدی بولتے بولتے ایک لخت خاموش ہو گیا اس کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں اور سلگتی ہوئی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ اس دوران میں کسی خاص نتیجے پر پہنچا ہے۔

”بس اب جاؤ۔“ اس نے ماتھر کی طرف مڑ کر کہا۔ ”کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کے سامنے گفتگو کرتے وقت یہ قطعی بھول جانا کہ میں تمہارا دوست ہوں یا تم مجھے جانتے ہو۔“

ماتھر معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

”لو بیٹے حمید صاحب! ایک نئی بات۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”نسیم شادی شدہ تھی اور اس کے باوجود بھی اقبال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ شادی کا سرٹیفکیٹ روپ گمر کے مجسٹریٹ کا تھا۔ شوہر کا نام جاوید افغان تھا۔“

”کیا وہ سرٹیفکیٹ اقبال اور دیاوتی کی شادی سے پہلے کا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”قطعی۔“ ایک ہفتہ قبل کا اور اس نے دیاوتی پر قاتلانہ حملہ ان کی شادی کے بعد کیا تھا۔

”تو پھر....!“

”اس سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس حملے کی وجہ رقابت رہی ہو۔“

”پھر....!“

”یہی تو دیکھنا ہے۔“

”لیکن ماتھر کو اس قسم کی ہدایات کیوں دی ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”دیکھتے جاؤ۔“ فریدی آہستہ سے بولا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

”بے چاری پروین کا کیا ہو گا؟“

فریدی اُسے پُر خیال انداز میں دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔

دفعہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ یہ ایک پولیس کانسٹیبل جو سپرنٹنڈنٹ ماتھر کے حکم کے مطابق ان دونوں کو بلانے کے لئے آیا تھا۔

”تمہارے انسپکٹر رام سنگھ کہاں ہیں۔“

”بالی کیمپ۔“

”کیمپ ریفر شو میں۔“

”ہاں۔“

”اچھا تو تم چلو۔“

فریدی اور حمید نیچے اتر کر ہال میں جانے کے بجائے باہر چلے گئے۔ فریدی تیز تیز قدموں سے ٹیلی فون بوتھ کی طرف جا رہا تھا۔

”تم یہیں ٹھہرو۔“ اس نے حمید سے کہا اور بوتھ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

”ہیلو....!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”اوہ اچھا، رام سنگھ کو فون پر بلاؤ۔ رام سنگھ! میں ماتھر بول رہا ہوں۔ ہوٹل کی مالکہ کو لے کر فوراً آؤ! پیراڈائیز میں۔“

حمید حیرت سے اس کی آواز سن رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت کسی قسم کی وضاحت کے موذ میں نہیں ہے۔

دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں ڈانسنگ پارٹی کے سارے افراد اکٹھا تھے۔ اقبال اور پروین ضرورت سے زیادہ ست اور لاغر نظر آ رہے تھے۔ ماتھر نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا۔

”آپ لوگ کانسٹیبل کے ساتھ ہی کیوں نہیں آئے۔“ ماتھر نے پوچھا۔

”مجھے افسوس ہے۔“ فریدی قدرے جھک کر بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ماتھر اسے انقوں کی طرح گھور رہا تھا۔

حمید کے پیٹ میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ نہ جانے اس نے کس طرح اپنی ہنسی ضبط کر رکھی تھی۔ ماتھر اس وقت اس دنیا کا احسن ترین آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ اتنا تجربہ کار ہونے کے باوجود بھی وہ اجنبیت کی ایک نگہ نہیں کر سکتا تھا۔ فریدی الگ بور ہو رہا تھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں اس کی ملاری اسکیم ہی چوہٹ نہ ہو جائے۔

دفعتاً ایک سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ماتھر کے ہاتھ میں کوئی چیز دیتے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ کہنا شروع کیا۔ ماتھر کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری آرہی تھیں۔ پھر اس نے سر کے

اشارے سے سب انپکڑ کو وہاں سے ہٹا دیا۔ ماتھر کی ہتھیلی پر سونے کا ایک چھوٹا سا پھول تھا جس کے درمیان ایک ہیرا جگمگا رہا تھا۔

”اوہ....!“ اقبال بے اختیار نہ اچھل پڑا۔

”کیوں؟ کیا اسے پہچانتے ہو۔“ ماتھر نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

”کیوں نہیں.... یہ دیاوتی کے ہار کا معلوم ہوتا ہے۔“

”لیکن جانتے ہو یہ کہاں ملا ہے؟“ ماتھر نے پوچھا۔

اقبال اسے احمقوں کی طرح گھورنے لگا۔

”یہ نسیم کی داہنی مٹھی میں جکڑا ہوا تھا اور ابھی پوسٹ مارٹم کے وقت نکالا گیا ہے۔!“

”اوہ.... لیکن.... لیکن۔“ اقبال خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

دفعۃ فریدی کی نظریں ایک آدمی کی طرف اٹھیں، جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے غائب

گھور رہا تھا۔

”میں نہیں جانتا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں کیونکر پہنچا۔“ اقبال آہستہ سے بڑبڑایا۔

”کیا یہ تمہارا خرید ہوا تھا؟“ ماتھر نے پوچھا۔

”نہیں.... میں نہیں جانتا کہ وہ اسے کہاں سے ملا تھا لیکن وہ اکثر اسے پہنا کرتی تھی۔“

”ضروری ہے کہ یہ دیاوتی ہی کا ہو۔“

”میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ لیکن وہ ہمارے اس کے زیورات میں موجود نہیں ہے۔“

”تو اس کی اطلاع پولیس کو پہلے ہی کیوں نہیں دی گئی۔“ ماتھر کڑک کر بولا۔

”ممکن ہے وہ اسی ہار کے لئے قتل کی گئی ہو۔“ آپ کے خلاف فی الحال دو چارج ہیں۔“

تو یہ کہ آپ نے پولیس کو اس سے بے خبر رکھا کہ دیاوتی پر اس سے قبل بھی ایک بار قاتلانہ

ہو چکا ہے۔ دوسرا ہار کی گمشدگی کو چھپانا۔“

ماتھر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سب آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”کیا آپ

سے کوئی یہاں نسیم کی موجودگی سے باخبر تھا۔“

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن پروین کے ہونٹ مضطربانہ انداز میں ہل رہے تھے۔

”تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟“ ماتھر نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

”میں جانتی تھی۔“

”تو پھر اسے اب تک چھپایا کیوں؟“

”میں کیا کر سکتی تھی۔ اس کے متعلق ساری باتیں میں نے سنی تھیں۔ یہاں وہ لوگ بھی

موجود ہیں جنہوں نے اسے دیاوتی پر حملہ کرتے دیکھا تھا جب انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو۔“

”مگر یہ تمہارا فرض تھا۔“ ماتھر کا لہجہ قدرے نرم تھا۔ ”لیکن تمہیں اس کی موجودگی کا علم

کیونکر ہوا تھا۔ تم پہلے بتا چکی ہو کہ تم اسے پہچانتی نہیں تھی۔“

”وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ جب بھی یہاں آئی اتفاق سے میں نہ ملی۔ اس کے متعلق اسی

نے مجھے فون پر بتایا تھا جس دن دیاوتی قتل ہوئی ہے اسی شام کے لئے اس نے مجھے شاردا پارک میں

ملنے کی دعوت دی تھی۔“

”لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔“

”یہ اس نے نہیں بتایا تھا۔“

”تمہیں اس کی موجودگی کا علم تھا۔“ ماتھر نے اقبال سے پوچھا۔

”پروین ہی نے مجھے دیاوتی کے قتل کے بعد بتایا تھا۔“ اقبال نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”اور اس پر بھی....“ ماتھر پھر گرجا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ وہ اچانک رام

سنگھ کی طرف مخاطب ہو گیا، جو دروازے میں کھڑا کھانس رہا تھا۔

”حضور وہ آگئی ہے۔“ رام سنگھ نے کہا۔

”کون! کیا مطلب۔“

”مسز بولڈو۔“

”کیوں؟ کیا میں نے اسے بلایا تھا؟“ ماتھر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”حضور نے ابھی فون پر۔“

”میں نے۔“ دفعۃً ماتھر کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں، جو اپنے مخصوص انداز میں

مکرار ہاتھ۔

”بلاؤ.... بلاؤ اسے۔“ ماتھر گڑگڑا کر بولا۔

ہوٹل کی مالکہ کمرے میں داخل ہوئی وہ کچھ خائف سی نظر آرہی تھی جیسے ہی اس کی نظریں

جلی گئیں اور پھر دفعتاً وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
 ”کیوں؟“ ماتھر متحیر آمیز لہجے میں بولا۔
 ”جاوید افغان میں ہی ہوں۔“ فریدی بھرائی ہوئی آواز میں رک رک کر بولا۔

پُر اسرار شوہر

اچانک ایک وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا۔ اتنا وحشت خیز کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پارٹی بیانسٹ سعید بے توجہ نہ رہا تھا اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن کرسی کی پشت سے جاگی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں سے ابھری پڑ رہی تھیں۔ سارے چہرے پر عجیب سی تشنجی کیفیت طاری تھی۔ دفعتاً وہ چیخنے لگا۔ ”تم جاوید افغان ہو مکار.... فریدی.... قاتل.... سازشی.... میرا سب کچھ برباد ہو گیا۔ میں ایک ایک کو چن چن کر قتل کروں گا۔ جھوٹے تم جاوید افغان ہو۔ میرے منہ پر یہ جرأت۔“

اور پھر وہ چکر اکر زمین پر آ رہا۔

ماتھر کی حالت قابل دید تھی۔ جیسے کسی نے سر بازار اسے چپت رسید کر دی ہو۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بے ہوش بیانسٹ کی طرف۔ پروین اور اقبال تو شاید یہ بھی بھول گئے تھے کہ ان پر قتل کا الزام عاید کیا گیا ہے۔

”ڈاکٹر۔“ دفعتاً ماتھر نے رام سنگھ کی طرف مڑ کر کہا۔ پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا اور وہ مصنوعی غصے کے ساتھ فریدی کی طرف مڑا۔

”میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اس کا مطلب تو وہی سمجھائے گا۔“ فریدی نے بے ہوش بیانسٹ کی طرف اشارہ کر کے لاپرواہی سے کہا اور بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

”میرے اجازت کے بغیر کوئی کمرے سے نہیں جائے گا۔“ ماتھر نے حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا۔

دو تین آدمیوں نے سعید کو فرش سے اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

پروین اور اقبال پر پڑیں اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔
 ”یہی دونوں تھے۔“ اس نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”کیا....؟“ ماتھر بیتابانہ انداز میں بولا۔
 ”یہی دونوں کل رات کو مقتول کی تلاش میں تھے۔“
 ”تیسرا چارج۔“ ماتھر گرج کر بولا۔

اقبال اور پروین کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اقبال آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

”معاملہ صاف ہو گیا۔“ ماتھر حاضرین پر فاتحانہ انداز میں نظریں ڈالتا ہوا غرایا۔ ”ہیرو کے ہار کے لئے نسیم نے دیادتی کو قتل کیا اور نسیم کو کوئی قتل کر کے اس سے وہ ہار لے گیا۔ میرا اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کون ہے۔“

اس نے پھر خاموش ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں سب کے منہ فق ہو رہے تھے۔
 ”میں جانتا ہوں! وہ کون ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اقبال کی طرف ڈرامائی انداز میں اشارہ کر کے چیخا۔ ”وہ تم ہو! اور تم.... لڑکی۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں تم اس سازش میں برابر کی شریک تھی۔“

پروین کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا جو دل ہی دل میں فریدی پر تاد کھارہا تھا۔

”اور....!“ ماتھر مکارانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”مجھے ایک سوال کا جواب چاہئے۔“

لوگ مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا نسیم شادی شدہ تھی۔“ ماتھر نے کڑک کر پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں۔“ کئی آوازیں آئیں۔

”وہ شادی شدہ تھی۔“ ماتھر پھر ڈرامائی انداز میں مسکرایا۔

انتہائی پریشانوں کے باوجود بھی اقبال اور پروین کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔

”وہ جاوید کی بیوی تھی۔“ ماتھر کے منہ سے جملہ نکلتے ہی فریدی کی تیز نظریں مجمع پر دوڑتی

حمید کی نظریں پروین پر جمی ہوئی تھیں۔ پروین بھی اس کی طرف دیکھنے لگی اور حمید پر اختیار مسکرا پڑا۔ فریدی کی ساری اسکیم اب آہستہ آہستہ اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ شاید اس نے کسی غلط فہمی کی بناء پر پروین کو جکڑنے کی کوشش کی ہے ورنہ اس وقت اس طرح ہوٹل کی مالکہ کو بلانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ مگر اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ فریدی سے کسی غلطی کی توقع رکھنا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی توقع سے کم احتمال نہیں ہے۔

کمرے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگوں کے سانس لینے کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ایک جمود سا طاری تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا تھا صرف تحریر میں ڈوبی ہو آنکھیں ایک دوسرے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آگیا۔ اس نے بتایا کہ سعید کی بیہوشی کسی غیر متوقع اضطراری فعل کا نتیجہ ہے وہ اسے ایک انجکشن دے کر چلا گیا۔ سب کی نظریں سعید کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو اپنے گرد و پیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سرگرم گنجان دھواں بکھیر رہا تھا لوگ حیران تھے کہ آخر وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ کون ہے جو خود کو ان حادثات سے متعلق ظاہر کر رہا ہے؟ اور اس کی حرکات کا جو رد عمل سعید پر ہوا ہے کیا معنی رکھتا ہے۔

آہستہ آہستہ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھا لیکن اس کے چہرے پر ابھی تک دوا لگی کے آثار تھے وہ فریدی کو خونی نظروں سے گھور رہا تھا۔

”ان سب کو ہٹا دیجئے۔“ اس نے ماتھر سے کہا۔ ”لیکن یہ جھوٹا! اسے یہیں رہنا چاہئے، میں اس کی بوئیاں اڑا دوں گا۔۔۔ قاتل۔۔۔ سازشی۔“

حمید حیرت سے کبھی فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی سعید کی طرف! فریدی کی حالت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سن ہی نہ رہا ہو۔

ماتھر نے حمید اور فریدی کے علاوہ سب کو کمرے سے ہٹا دیا۔

”تم جاوید افغان ہو۔“ سعید فریدی کی طرف مکا تان کر بولا۔

فریدی مسکرا پڑا اور سعید کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈنے لگا۔

”تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم جاوید افغان ہو۔“

”میں ثابت کر دوں گا۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

سعید پھر اسی خوفناک انداز میں ہنسا۔

”تم جاوید افغان کے سامنے کہہ رہے ہو کہ تم جاوید افغان ہو۔“ سعید نے کہا۔

ماتھر بے ساختہ اچھل پڑا۔

”مگر واقعی تم جاوید افغان ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔“ ماتھر کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

”ثبوت! اگر آپ اس کا ثبوت چاہتے ہیں تو آپ کو میرے ساتھ کمرے تک چلنا پڑے گا۔“

سعید انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہ ابھی تک فریدی کو کھانچا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ رہا میرا پاسپورٹ۔“ اس نے اپنا پاسپورٹ سوٹ کیس سے نکال کر ماتھر کے سامنے ڈال دیا۔ اس پاسپورٹ میں سچ سچ سعید ہی کی تصویر لگی ہوئی تھی اور نام ”جاوید افغان“ درج تھا۔

ماتھر نے گھور کر فریدی کی طرف دیکھا۔

”کیا ایک نام کے دو آدمی نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میرا پورا نام عابد جاوید ہے۔“

”آباد! اجداد کا وطن افغانستان تھا یہ اور بات ہے کہ میں نسیم کا شوہر نہ ہوں۔“

”اوہ تم۔۔۔۔!“ سعید مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ”تم کسی نہ کسی طرح ان حادثوں کی سازش سے ضرور تعلق رکھتے ہو۔“

”غیر ضروری باتیں نہیں۔“ ماتھر خشک لہجے میں بولا۔ ”بیٹھ جاؤ! تمہارے ساتھی تمہارے صحیح نام سے کیوں ناواقف ہیں اور تم نے رات ہی کیوں نہیں بتایا تھا کہ نسیم تمہاری بیوی تھی۔“

”یہ ایک لمبی داستان ہے۔“ اس نے مضطرب آواز میں کہا اور اپنا منہ چھپا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ماتھر حمید اور فریدی ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ ماتھر کی پیشانی کی سلوٹیں غائب ہو گئی تھیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ دفعتاً خود ہی سعید نے سر اٹھا کر کہا۔

”نسیم میری بیوی تھی۔“

”اور اس کے باوجود بھی وہ اقبال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔“ ماتھر نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔!“

”اور اسی لئے تم نے جھلا کر اسے قتل کر دیا۔“ فریدی بولا۔

”یہ غلط ہے قطعی غلط ہے۔“ سعید آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”میں اسے کس طرح قتل کر سکتا ہوں جب کہ میں اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔“

”لیکن تم نے یہ بات رات ہی کیوں نہیں بتائی۔“ ماتھر نے کہا۔

”میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ میں اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ مجھے تو اسی پر تعجب ہے کہ اس کے مر جانے کے بعد میں کس طرح زندہ ہوں۔ آپ دوسری شادی کے لئے کہتے ہیں اگر وہ ایک بار شارع عام پر ننگی ہو کر بھی ناچتی تب بھی میں اسے پوجتا رہتا۔“

”لیکن دیاوتی کے ہار کا پھول۔“

”وہ ہار دیاوتی کا نہیں تھا۔“ سعید ماتھر کی بات کا ٹٹا ہوا بے اختیار بولا۔

”دیاوتی کا نہیں تھا۔“

”ہاں وہ نسیم ہی کا تھا۔ میں نے ہی خرید کر اسے دیا۔ شادی کا تحفہ۔“ سعید کی آواز پھر بھرا گئی

اور اس کی آنکھوں سے آنسو جھلک آئے۔

”تم نے خرید ا تھا۔“ ماتھر کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”کیا قیمت تھی۔“

”میں ہزار روپے۔“

”میں ہزار روپے کا تم نے خرید ا تھا؟“ ماتھر نے طنزیہ لہجے میں دہرایا۔

”خیر یہ بات بھی ثابت کئے دیتا ہوں۔“ سعید اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے اپنا سوٹ کیس کھولا اور

چند ٹانے کے بعد ماتھر کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ رہی رسید روپے نگر کے

سب سے بڑے جوہری کے یہاں سے خرید ا گیا تھا کیا اس پر وہی تاریخ ہے جس میں ہماری شادی

ہوئی تھی....“ ماتھر فریدی اور حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

”لیکن تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی؟ یہاں تمہیں کتنی تنخواہ ملتی ہے۔“ ماتھر نے

پوچھا۔

”تنخواہ.... یہاں کی تنخواہ شاید میری سگرنوں تک کا بار نہ سنبھال سکے۔“

”پھر....!“

”ریلوے کے اسٹیشنوں کی افغان ریفریجمنٹ سروس سے واقف ہیں۔“

”ہاں.... ہاں....!“ ماتھر چونک کر بولا۔

”وہ افغان میں ہی ہوں۔“

”تم....!“ ماتھر اچھل کر بولا۔ ”اور یہاں.... اس حال میں.... مجھے یقین نہیں.... مجھے

اس جاوید افغان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن وہ بہت بڑا آدمی ہے۔“

”وہ چھوٹا آدمی میں ہی ہوں۔ میرے لئے اب عزت اور دولت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔

نہم کے بعد میں زندگی میں کوئی کشش نہیں محسوس کرتا۔“

کرے میں سناٹا چھا گیا۔

”بہر حال۔“ ماتھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ”آپ کی پوزیشن بہت خراب

ہو گئی ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں۔“ سعید نے کہا۔ ”اسی الجھاوے نے میری زبان بند کر رکھی ہے۔ لیکن

اب مجھے سب کچھ بتانا ہی پڑے گا۔“

”ظہریئے۔“ ماتھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میری تحریری بیان چاہتا ہوں۔“

اس نے دروازے میں جا کر ہیڈ محرر کو آواز دی۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد سعید اپنا بیان قلم بند کر رہا تھا۔

”آج سے تین سال پہلے کی بات ہے۔“ وہ گلا صاف کر کے بولا۔ ”نسیم میری بھتیجیوں کو

باناؤ سکھانے کے لئے آیا کرتی تھی۔ اس وقت اس کا تعلق پارٹی سے نہیں تھا۔ میں اس میں دلچسپی

لے لے لگا۔ وہ ایک سنجیدہ لڑکی تھی اس لئے اس سے گفتگو کے مواقع کم نصیب ہوتے تھے۔ لہذا میں

نے بھی اس سے پیاؤ سیکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح کم از کم میری اس خواہش کی تسکین ہو جاتی

تھی کہ میں اس سے کچھ دیر گفتگو کر سکوں۔“

”ظہریئے۔“ ماتھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں رہتی تھی اس کے

والدین کون تھے؟ کہاں تھے۔“

”یہ خود مجھے بھی معلوم نہیں۔ اس نے کبھی نہیں بتایا البتہ میرا مستقل قیام دلاور نگر میں رہتا

تھا۔ مگر اس نے ہمارا نمونہ شروع کیا تھا۔ ہاں تو وہ ہمیشہ واجبی ہی گفتگو کیا کرتی تھی اس کا رکھ

رکھا کچھ اس قسم کا تھا کہ میں انہماک عشق کی جرأت کبھی نہ کر سکا۔ ایک سال تک ہمارا نمونہ شروع کرتی

کہ وہ اپنی بدنامی سی بہت ڈرتا ہے۔ حالانکہ اخلاقی اعتبار سے اُسے کبھی شریف نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس نے گھبراہٹ میں نسیم کے سامنے ہی شادی کا وعدہ کر لیا۔ میں نسیم کی حالت دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہاں سے ہٹنے کے بعد اس نے اچانک مجھ سے درخواست کی کہ میں اس سے شادی نہ کر لوں۔ وہ شدید غصے میں معلوم ہو رہی تھی۔ میری تو مراد بر آئی۔ میں نے نکاح کی تجویز پیش کی جسے اس نے رد کر دیا اس کے خیال کے مطابق آرٹسٹوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ دوسرے ہی دن ہم نے روپ نگر جا کر سول میرج کر لی۔ وہیں میں نے اس کے لئے وہ ہار فریڈ۔ شب عروسی منانے کے لئے ہم ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ لیکن جب میں رات کو اس کے پاس پہنچا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ جس وقت اس نے میرے ساتھ شادی کی تھی وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ وہ اب بھی اقبال کو چاہتی ہے اور اسے توقع ہے کہ ایک نہ ایک دن اقبال اس کے ساتھ ضرور شادی کر لے گا۔ اس نے مجھ سے رو کر التجائی کہ میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں۔ میری حالت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ میں انتہائی غصے کے عالم میں باہر نکل آیا اور رات ایک ویران پارک میں جا کر گزاری۔ دوسرے دن ہم پھر واپس آئے جہاں پارٹی مقیم تھی۔

”کہاں؟“ ماتھر نے پوچھا۔

”رنجیب نگر۔“

”پھر کیا ہوا۔“ ماتھر نے بے چینی سے پوچھا۔

”ہم دونوں اجنبیوں کی طرح زندگی گزارنے لگے۔ اس دوران میں اقبال اور دیادتی کی شادی ہو گئی۔ نسیم کی حالت روز بروز اتر ہوتی جا رہی تھی۔ ہم نے اپنی شادی کا حال کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ نسیم نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اس شادی ہی کو بھول جاؤں اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کر دوں۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اقبال اس کا ہو جائے گا۔ پھر ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس نے نسیم کی زندگی اور زیادہ تلخ کر دی: دیادتی جانی تھی کہ نسیم اقبال سے محبت کرتی ہے اور اب تک اس سے شادی کی آس لگائے ہے۔ اتفاق سے ایک دن اس کی نظر ہماری شادی کے ٹریفک پر پڑ گئی اور اس نے وہ ہار بھی دیکھا۔ نسیم اس کی خوشامدیں کرنے لگی کہ وہ اس کا حال کی کو نہ بتائے۔ آخر دیادتی نے اسے بلیک میل کیا۔ معاملہ اس پر طے ہوا کہ اگر نسیم وہ ہار دیادتی کو

رہی اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ ہماری گفتگو کبھی رسمیات سے آگے نہ بڑھی۔“
سعید بولتے بولتے خیالات کی رو میں نہ جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔ دفعتاً ماتھر نے اسے ٹوکا۔
”آپ پارٹی میں کس طرح آئے۔“

”یہی بتانے جا رہا ہوں۔ وہیں سے میری اس کی بد بختی کا دور شروع ہوتا ہے۔ انہیں دھول دلاور نگر میں اقبال کی ڈانگ پارٹی اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ایک دن ہمیں نسیم نے اطلاع دی کہ اب وہ ہمیں سبق نہ دے سکے گی کیونکہ وہ اقبال کی ڈانگ پارٹی میں شامل ہو گئی ہے۔ مجھے اس خبر سے بڑا دکھ پہنچا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اس پر اپنی محنت ظاہر کر کے روکنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ شادی کی درخواست کی جو نہایت سرد مہری اور بے تکلفی سے ٹھکرا دی گئی۔ اس پر اپنے فن کے مظاہرے کا بھوت سوار تھا وہ چلی گئی اور میں قریب قریب دیوانہ ہو گیا۔ میں نے لاکھ چاہا کہ اس کا خیال دن سے نکال دو مگر ناکام رہا۔ آخر میں نے دیوانہ وار ڈانگ پارٹی کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ آج میں اس شہر میں کل اس شہر میں۔ نے اکثر مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اتفاق سے پارٹی کے پیانسٹ کا اقبال سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اس نے اقبال کی ملازمت ترک کر دی۔ میرے لئے میدان صاف تھا۔ میں نے ٹرائیل دے کر پیانسٹ کی جگہ حاصل کر لی۔ اس زمانے میں دیادتی اور نسیم کے علاوہ کئی لڑکیاں اور بھی تھیں.... خیر.... کچھ دنوں بعد میں نے محسوس کر لیا کہ نسیم اقبال کی بے طرح چاہنے لگی ہے۔ میرا کلیجہ خون ہو گیا مگر میں.... خاموش رہا لیکن ایک بات آزا تک میری سمجھ میں نہ آئی کہ نسیم نے کسی کو میری اصلیت سے آگاہ کیوں نہیں کیا تھا۔ بڑی عجیب و غریب عورت تھی۔ میں اسے آج تک نہ سمجھ سکا.... میں۔“
وہ پھر ہنسنے لگا لیکن ماتھر کے ٹوکنے پر سنبھل گیا۔

”قصہ کو تاہ! وہ چاہتی تھی کہ اقبال اس کے ساتھ شادی کر لے۔ مگر اقبال ایک کھانڈرا آدمی تھا۔ اسے شادی کی پابندیاں پسند نہیں تھیں اس لئے وہ اسے مالتا رہا۔ ایک شام.... میں.... نسیم اقبال اور دیادتی ایک جگہ بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ دفعتاً دیادتی اقبال پر برس پڑی اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اقبال کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ اگر اقبال نے اس کے ساتھ شادی نہ کر لی تو وہ قانونی چارہ جوئی کرے گی.... اقبال گھبرا گیا۔ اس میں ایک خاص بات یہ تھی۔“

ماہر بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فریدی بھی محسوس کر رہا تھا کہ ماہر ان سب سے پیچھا چڑا کر اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ پروین اور اقبال کے بھی بیانات قلمبند کرنے کے بعد ماہر، فریدی اور حمید کو توالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن ماہر کا رویہ ان دونوں کے ساتھ کچھ ایسا تھا جیسے وہ انہیں حوالات میں بند کرنے کے لئے لے جا رہا ہو۔

”اب کیا کیا جائے۔“ ماہر نے فریدی سے پوچھا۔

”ان میں سے کسی کو فی الحال گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قاتل اسی پارٹی کا کوئی آدمی ہے۔“

”لیکن تم یکایک جاوید افغان کیوں بن گئے تھے۔ بھی اس وقت تو تم نے کمال ہی کر دیا۔“

”اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اگر میں یہ نہ کرتا تو جاوید افغان کا پتہ چلنا دشوار تھا۔“

”کیوں؟“

”اگر تھوڑی دیر اور گذرتی تو سعید کا دماغ خراب ہو جاتا۔ وہ ایک نفسیاتی لمحہ تھا۔ میں اس کے چرے پر ایسے آثار دیکھ رہا تھا جو شدید قدم کی ذہنی کش مکش کی پیداوار ہو سکتے تھے۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور نہ بولتا تو اس کا پاگل ہو جانا یقینی تھا۔ وہ کئی دن سے گھستا رہا تھا میرے اس اچانک جھوٹ پر اسے، جو فعل سرزد ہوا وہ قطعی اضطرابی تھا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اس پر ہسٹریائی قسم کا دورہ پڑا تھا۔“

”یار فریدی تم سچ سچ....!“

”اب تمہارا کام یہ ہے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”کہ تم روپ نگر کے جوہری سے ہار کی خریداری کی تصدیق کرو۔ سعید کے پاسپورٹ کے ذریعے اس کا ثبوت فراہم کرو کہ وہ سچ سچ ہلاک افغان ہی ہے اور وہ پاسپورٹ نقلی تو نہیں حالانکہ مجھے اس کے بیان میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں آتی پھر بھی ضابطے کی کارروائی ضروری ہے۔“

”اور اگر ان دونوں کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہو تو۔“ ماہر نے کہا۔

”یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں ابھی اس کے متعلق کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔ اس نگر میں ہوں کہ نسیم نے کون سا شبہ استعمال کیا تھا۔“

دے دے تو اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گی۔ نسیم نے ایسا ہی کیا۔ دراصل خدمات نے اس کی عقل ضبط کر لی تھی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اقبال کی بیوی سے اقبال کا سودا کر رہی ہے۔ میرا دل اس کے لئے رورہا تھا۔ مجھے اس سے نفرت نہیں ہوئی۔ اب مجھے اس سے گہری ہمدردی ہوئی تھی۔ ایک دن اس نے مجھے ہار کے متعلق بتایا اور کہنے لگی کہ اسے سخت شرمندگی ہے لیکن وہ اسے کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے واپس کر دے گی۔ میں اس سے لاکھ کہتا رہا کہ میں اسے وہ ہار دے چکا ہوں۔ اب واپس نہیں لے سکتا لیکن وہ نہ مانی اور دیاوتی سے اس کا تقاضا کیا۔ دیاوتی نے اب اسے دوسری پٹی پڑھائی۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ ولادت کے بعد ہی اقبال سے طلاق لے لے گی۔ اس طرح وہ بدنامی سے بھی بچے گی اور اقبال جیسے نامعقول آدمی سے پیچھا بھی چھوٹ جائے گا۔ نسیم پھر چپ رہی۔ اسے دیاوتی کی باتوں پر یقین آ گیا۔ دو تین دن تک وہ خوش نظر آ رہی لیکن ایک شام پھر اس کا دماغ خراب ہو گیا اور وہ جھلاہٹ میں دیاوتی پر حملہ کر بیٹھی۔ میرا اسے دماغ کی خرابی سمجھا تھا لیکن جب میں اسے لے کر باہر آیا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔ نہ معلوم کس چیز کا نشہ تھا۔ شراب کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اچھی سے اچھی شراب بھر تھوڑی بہت بور کھتی ہے اور پینے والے کا منہ کھلتے ہی بہت زیادہ قریب کے لوگ اس کی بو محسوس کر لیتے ہیں۔ وہ کبھی شراب نہیں پیتی تھی میں نے اسے کبھی سگریٹ پیتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر میں اسے روپ نگر پہنچا کر واپس چلا آیا۔ کچھ دنوں بعد ہماری پارٹی رام گڈھ چلی آئی۔ نسیم کی جگہ پروین کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ نسیم بھی ہمارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔ اسے بس ایک دھن لگی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح ہیروں کا ہار دیاوتی سے حاصل کر کے میرے حوالے کر دے۔ وہ بالی کیمپ کے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ پروین سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔ وہ اس کے ذریعہ دیاوتی سے وہ ہار واپس لینا چاہتی تھی۔

”تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نسیم نے اسی ہار کے لئے دیاوتی کو قتل کیا۔“ ماہر نے کہا۔

”خدا بہتر جانتا ہے.... اس کے ہاتھ میں ہار کا ایک پھول کیسے ملا اور پھر اسے کس نے قتل کر دیا۔“ سعید آہستہ سے بڑبڑایا۔

”ممکن ہے کوئی اور بھی اس ہار کی تاک میں رہا ہو۔ وہ جانتا ہو کہ نسیم دیاوتی کو قتل کر کے ہار اس سے لے گئی ہے اور پھر اس نے اسی کے لئے اسے قتل کر دیا ہو!“ ماہر نے کہا۔

خود کو بچالے اور اگر بغرض محال اس کا دماغ الٹا بھی ہے تو وہ ایسی صورت میں ہمیشہ اقرار جرم کرتا ہے۔ باتیں نہیں بتاتا۔“

قاتل کون

دوسرے دن رام گڈھ کے سارے اخبارات میں جاوید افغان کی کہانی چھپ گئی اور پیر اڈائیز ہوٹل میں خاص طور پر سنسنی پھیل گئی تھی۔ اخبارات کے رپورٹر مزید اطلاعات کے لئے پارٹی کے افراد کو ٹٹولتے پھر رہے تھے۔ جاوید افغان یا سعید اپنے کمرے میں بند ہو گیا اگر پولیس نے اس پر پابندی عائد نہ کی ہوتی تو شاید اس نے کبھی کا ہوٹل چھوڑ دیا ہوتا۔ اقبال اور شدت سے شراب پینے لگا تھا۔ پروین بہت زیادہ خائف نظر آرہی تھی۔ پھر اسی دن جاوید افغان گرفتار کر لیا گیا۔ یہ بھی فریدی ہی کے اشارے پر ہوا لیکن وہ کسی بات کی کوئی وجہ نہیں بتا رہا تھا۔ حمید نے بہت کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ حمید کے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ آخر اسے ایک تدبیر سوچھی۔ کیوں نہ فریدی کو غصہ دلایا جائے اس طرح وہ سب کچھ اگل دے گا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد فریدی آنکھیں بند کئے آرام کر سی پر پڑا تھا۔ حمید جانتا تھا کہ وہ سو نہیں رہا ہے۔

”کل تو آپ نے کمال ہی کر دیا۔“ وہ مسکرا کر بولا اور فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”بھلا کیا تک تھی۔“ حمید پھر بولا۔ ”آپ کی اس حرکت نے پچھلے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ کی گھٹیا فلم کے لچر سے کردار کی طرح اٹھ کر فرماتے ہیں کہ میں ہوں جاوید افغان لا حول و لا قوۃ کل سے آپ کی صورت دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔“

”کومت۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”نہیں مذاق نہیں! طبیعت بد مزہ ہو گئی۔ ایشیا کا مشہور معروف سراغ رساں ایسی بچکانہ حرکت کرتا پھرے۔“

”ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے برخوردار۔ بعض کیس ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں دماغ پر

”بھئی کمال کر دیا۔“ ماتھر قہقہہ لگا کر بولا۔

”نہیں میری جان یہ بہت ضروری ہے۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

”لیکن حملے کے بعد بھی دیاوتی نے کسی کو نسیم کے راز سے آگاہ نہیں کیا؟“ حمید سوالیہ انداز

میں بولا۔

”ایسا کرنے سے وہ ہمارا اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا اقبال کا بیان تمہیں یاد نہیں کہ اسے دیاوتی نے پولیس کو اس کی اطلاع دینے سے روک دیا تھا۔ وہ اس بیش قیمت ہار کی طرح نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی.... پھر فریدی بولا۔

”ماتھر تم سے ایک زبردست غلطی ہوئی۔“

”کیا....؟“

”ہمارے متعلق معلوم ہوتے ہی تمہیں پارٹی کے سارے افراد کے سامان کی تلاشی! چاہئے تھی۔“

”یار کہتے تو ٹھیک ہو.... اب سہی۔“

”اب اس کا ہاتھ لگنا مشکل ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خیر ایک کام کرو۔ سعید کے بیان تمہیں یقین ہو یا نہ ہو لیکن تم اس کا بیان اخبارات کو دے دو اور ساتھ ہی اس شے کا بھی اظہار! چاہئے کہ ان دونوں کا قاتل جاوید افغان ہی ہے۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“

”بھئی یہ میرا بہت پرانا اصول ہے کہ میں اصل مجرم کو مطمئن کرنے کے بعد پکڑتا ہوں۔“

”تو کیا یہ حقیقت ہے کہ تم جاوید افغان کو مجرم نہیں سمجھتے۔“ ماتھر نے پوچھا۔

”قطعاً نہیں۔“

”وجہ۔“

”اگر وہ ان کا قاتل ہوتا تو اس پر ہسٹریا کا دورہ کبھی نہ پڑتا۔ اسے صرف خود کو بچانے کی ہوتی دورے عموماً ذہنی کشمکش کی حالت میں آیا کرتے ہیں۔ قاتل ہر حال میں محتاط ہوتا ہے! موقع پر اس کے ذہن میں ایک سے زیادہ خیالات نہیں ہوتے صرف ایک خیال.... کہ کسی ط

”تم نہیں سمجھ۔“
”میا نہیں سمجھا۔“

”میں نے اسے کچھ روپیہ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ ہوٹل میں قیام کرنے والوں کی ٹیلیفون کالز کے متعلق باقاعدہ چارٹ تیار کرتی جایا کرے۔“
”یعنی اس سے فائدہ۔“

”عجیب احق آدمی ہو۔ ارے بھئی اس چارٹ سے مجھے معلوم ہوا کہ نسیم جس رات کو قتل ہوئی تھی اس دوپہر کو کسی عورت نے سعید کو ٹیلی فون پر کال کیا تھا۔ وہ پارٹی کے کسی آدمی کی پہلی کال تھی اس لئے میں نے اسے خاصی اہمیت دی اور وہ میرے ذہن میں محفوظ رہ گئی۔“
”تو پھر....!“
”نو کو نہیں سنتے جاؤ۔ اسی رات کو جب مجھے پروین کی زبانی نسیم کے وجود اور اس سے متعلق واقعات کا علم ہوا تو میرا ذہن فوراً اس ٹیلی فون کال کی طرف منتقل ہو گیا۔ ممکن ہے وہ نسیم ہی رہی ہو! اس وقت تک ہمیں ہار کے متعلق کوئی علم نہیں تھا۔ میں نسیم کے پچھلے حملے اور دیادتی کے قتل کے درمیان کی کڑیاں تلاش کرنے لگا۔ پھر دوسرے دن اس ہار کا معاملہ بھی سامنے آ گیا۔ میں نے کل شام کو ماہر کو اس ٹیلی فون کا قصہ بتایا۔ اس نے سعید سے پوچھا لیکن اس نے اس سے قطعی لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے بتایا کہ اس نے کسی عورت سے بات نہیں کی۔ رام گڑھ میں نسیم کے علاوہ کوئی اور عورت اسے جانتی ہی نہیں تھی۔ اگر اس نے نسیم سے اس دن فون پر بات کی ہوتی تو میں اسے چھپاتا کیوں؟ دوسرے واقعات کے ساتھ اس کا بھی اظہار کر دیتا۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد سوچتا رہا پھر بولا۔
”لیکن ٹیلی فون گرل کا بیان ہے کہ کال ریسیور کی گئی تھی۔ کسی نے اس عورت سے گفتگو کی تو سعید یا کسی اور نے کیونکہ اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا اور نہ وہ سعید کو اچھی طرح پہچانتی ہی تھی۔ جانتے ہو! اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے آدمی نے فون پر گفتگو کی کسی نقلی سعید نے جو یہیں ہوٹل میں موجود ہے اور سعید سے واقف ہے اور اس عورت کو بھی جانتا ہے ورنہ اگر اس نے غلطی سے فون ریسیور کیا تھا تو اس نے ٹیلی فون گرل کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ اس کی کال نہیں ہے یا پھر اسے سعید کو اس کی اطلاع دینی چاہئے تھی۔“

زور دینے کو دل نہیں چاہتا۔ ابھی آخری حرکت باقی ہے۔ اسے دیکھ کر تو تم اپنا سر ہی پیرا دے گے۔“

”اگر فرض کیجئے۔“ حمید نے کہا۔ ”ان میں جاوید افغان نہ ہوتا تو.... آپ کا وہ اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر کس کے کلیجے کے پار ہوتا.... میرے یا آپ کے۔“

”اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے شروع ہی سے اس پر شبہ تھا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے تمہاری اور پروین کی گفتگو سننے کے بعد تم سے کیا کہا تھا۔ میں نے تم سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ دیادتی پر حملے کے بعد سعید ہی کیوں نسیم کو اس کی مار کے پاس پہنچانے گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں سعید اور نسیم کے تعلقات کے متعلق چھان بین کرتا رہا تھا۔ پھر جب شادی کے سرٹیفکیٹ والی بات معلوم ہوئی تو میرا شبہ یقین کی حد تک بڑھ گیا۔ اب تم یہ کہو گے کہ آخر خود جاوید افغان بننے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب میں کل ہی دے چکا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تھوڑی سی دیر اور ہو جاتی تو وہ یقیناً پاگل ہو جاتا اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر اچانک اس سے یہ کہہ دیا جاتا کہ جاوید افغان تم ہی ہو تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔ میرا وہ رویہ قطعی نفسیاتی تھا۔“

”مگر پارٹی کے سارے افراد ہم لوگوں کی طرف سے مشکوک ہو گئے ہیں۔“ حمید بولا۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھا! پھر اب آپ نے اسے بند کیوں کر دیا ہے۔“

”محض اسی شبے کو رفع کرانے کے لئے کم از کم مجرم تو مطمئن ہو جائے گا۔“

”لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ یہیں اسی پارٹی میں موجود ہے۔“

”تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ میں محض سوچتا ہی نہیں رہا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں نے کچھ کام بھی کیا ہے۔“

”یعنی....!“

”دیادتی کے قتل کے بعد میں نے یہاں کی ٹیلی فون گرل پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے۔“

”ہیں۔“

”بڑا اچھا کام کیا ہے۔ لیکن تو یہ ٹوٹی بھی ٹوٹوٹے ہوئے پیانے سے۔“ حمید ہنس کر بولا۔

اس نے سعید بن کر اس عورت سے کوئی بات کی اور اسے اپنے تک محدود رکھا۔ وہ کیا بات ہو سکتی تھی جس کا تعلق سعید کی ذات سے تھا لیکن کوئی دوسرا آدمی بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ٹیلی فون گرل نے یہ بھی بتایا کہ اس کا خیال ہے کہ وہ گفتگو اسی رات کو کہیں ملنے ملانے کے وعدے پر ختم ہو گئی تھی۔

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی بچھا ہوا سگار سلگانے کے لئے رکا۔
 ”اب دیاوتی کے قتل کی طرف لوٹ آؤ۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ نسیم نے ایک بار قاتلانہ حملہ کیا تھا لہذا تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ اس بار بھی وہ اسی کے حملے کا شکار ہوئی لیکن اب سوال نیت کا پیدا ہوتا ہے۔ تم سعید کی زبانی یہ بھی سن چکے ہو کہ وہ دیاوتی سے ہار حاصل کر کے اسے واپس کر دینے کے لئے کس قدر بے تاب تھی اس کا ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ ممکن ہے اس نے کوئی اور صورت نہ دیکھ کر دیاوتی کو قتل ہی کر دیا ہو لیکن وہ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھتی رہی ہو گی کہ اس پر شبہ ضرور کیا جائے گا کیونکہ ایک بار وہ اس پر حملہ کر چکی ہے لہذا قتل کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ وہ اس طرح دیاوتی کی جگہ خود لینا چاہتی تھی اس نے اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اسے قتل کیا اور شاید سعید کو ہار واپس کر دینے کے بعد وہ اعتراف جرم بھی کر لیتی.... غیر... اس نے سعید کو اس دوپہر فون کیا۔ شاید ہار واپس کر دینے کے لئے لیکن کسی ایسے شخص نے نہ لیا۔ جو پہلے ہی سے اس ہار کی تاک میں تھا۔ اس نے اس سے وہ جگہ بھی معلوم کر لی جہاں از دونوں کو ملنا تھا اور پھر اس نے اس سے وہ ہار حاصل کر کے اسے قتل کر دیا۔“

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔

”لیکن وہ دوسرا آدمی کون ہو سکتا تھا۔“

”ٹھہرو! اتنی جلدی کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش فضول ہے، ویسے ایک معمولی سی بات ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ یا تو وہ آدمی سعید کا ہم نام ہے یا پھر اس کا نام بھی سعید کے نام سے ملتا جلتا ہو سکتا ہے۔ جیسا وہ شخص غلطی سے سعید کے بجائے اسے بلا لایا۔“

”کیا ٹیلی فون گرل کو یہ یاد نہیں کہ اس نے سعید کو بلانے کے لئے کسے بھیجا تھا۔“ حمید

پوچھا۔

”یہی تو دشواری آپڑی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اسے قطعی یاد نہیں۔ ماتھر نے فیجے

ہمارے ویڈیوں کو اکٹھا کر کے یہ سوال اٹھایا ہے مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب نے گماہری کی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ایسے معاملات میں تھوڑی رشوت دے کر منہ بند کیا ہے۔“

”بہر حال اس کا پتہ چلنا دشوار ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاں ایک اندھا دواؤ جس سے تمہیں طوفان میل اور ہنر والی سے لے کر آن تک ساری بلند سی یکنکت یاد آجائیں گی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”یعنی۔“

”نی احوال وضاحت دشوار ہے۔“

”آخر کچھ تو۔“

”نیم اور دیاوتی کے جھگڑے کے متعلق سب سے پہلے پولیس کو کس نے مطلع کیا۔“ فریدی ہانک پوچھا۔

”دیدنے۔“

”کس نام پر سعید کے نام کا دھوکا ہو سکتا ہے۔“

”مید بے اختیار اچھل پڑا۔“

”تو کیا وحید۔“

”مخلص شہ ہے۔“

”مید فریدی کی طرف دیکھنے لگا، جو بے خیالی میں سگار کے کش پر کش لئے جا رہا تھا۔“ اور

”تھوڑی دیر بعد بولا۔“ ”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ نسیم نے قتل سے

پہلے بروما نیڈ کی تھی۔ بروما نیڈ کی طرف اسی وقت میرا خیال گیا تھا سعید نے یہ بتایا تھا کہ

”نات میں نسیم کے منہ سے کسی قسم کی بو نہیں آتی تھی۔“

”لیکن آپ بار بار نئے کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”آخر اس سے اور ان

”تسے کیا تعلق؟“

”آج کل پورا تعلق خود میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہے! لیکن کچھ نہ کچھ تعلق ضرور

ہے۔“

ہوں کہ سعید زرافرشہ نہیں ہو سکتا۔ دیادتی کی زندگی تک وہ یہ سوچتا رہا ہوگا کہ ایک نہ نیم راہ راست پر آجائے گی۔ اسی لئے وہ انسانیت برتتا رہا لیکن جب دیادتی بھی ختم ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ کہیں اب سچ سچ نیم اقبال ہی کی نہ ہو جائے۔ اس نے اسے قتل کر دیا۔ اس قسم کے معاملات اکثر محبوبائیں عاشقوں کے ہاتھوں قتل ہوتی جاتی ہیں۔“

”تمہاری یہ دلیل بھی غیر مناسب نہیں ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مگر شاید ہمارے اس پھول کو بھول رہے ہو جو مقتولہ کی مٹھی میں جکڑا ہوا ملا ہے۔ وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی ہمارے اس سے چھیننے کی کوشش کی تھی۔ آخر کار جدوجہد میں ہار ٹوٹ گیا اور ایک پھول مقتولہ ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ سعید ہی تھا تو کشمکش کی کیا ضرورت تھی۔ وہ نہایت بہانے ہمارے حاصل کرتا۔ پھر اسے بقول تمہارے قتل کر دیتا۔ حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ادب کسی فنی دلیل کے لئے ذہن پر زور دینے لگا تھا۔ دفعتاً وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا جو اسے اٹھ کر کھڑکی کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی پشت حمید کی طرف تھی۔ ”تو پھر اس اقبال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“ حمید نے کہا۔

”مگر ہم تو براہِ ران کی نگرانی کرتے رہے تھے۔“ فریدی نے مزے بغیر جواب دیا۔ ”ٹھیک ہے لیکن وہ پون گھنٹے تک ہوٹل سے باہر کیا کرتا رہا تھا اور پھر واپسی پر اس نے نیم کے قتل کی خبر سنائی تھی۔“

”اور اب تم یہ بھی پوچھو کہ اس نے خود ہی پولیس کو اطلاع کیوں دی تھی؟“ فریدی حمید کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ ”یہ بھی سوال کرو کہ اس نے فوراً ہی پروین کو اس قتل کی بات سنائی۔ سنو میاں حمید وقتی غصے کے تحت حملہ کرنے والے قاتل اس قسم کی حماقتیں کر سکتے ہیں لیکن سوچی سمجھی ہوئی اسکیم والے قتل کے راز ایسی آسانی سے نہیں ظاہر ہو جاتے۔ فرض اقبال ہی قاتل ہے تو اسے یہ بات دوپہر ہی سے معلوم رہی ہوگی کہ نیم فلاں جگہ فلاں وقت قتل ہو گیا۔ سوچو سمجھو کہ اس نے ریسرو کی ہوگی۔ اچھا! اسی دن پروین نے اسے رام گڈھ میں نیم کی موجودگی کے متعلق بتایا تھا۔ اب اگر اس کا ارادہ نیم کے قتل کا تھا تو اسے ساتھ لے کر نیم کو تلاش کرنے کا پروگرام بنانے کی بجائے اُسے کچھ اور سمجھا بجا

”آخر آپ کس طرح اس نتیجے پر پہنچے۔“
”دیکھو تمہیں یاد ہوگا۔ سعید نے نیم کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سگریٹ تک نہیں چیتا۔ تو بڑی چیز ہے اور اس روز اس نے پہلی بار نیم کو نشے کی حالت میں دیکھا تھا اور اس کا خیال ہے کہ دیادتی پر حملہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ غالباً وہ نشہ ہی تھا۔ خیر اسے چھوڑو! سوال ہوتا ہے کہ اس نے اچانک برومائیز کیوں استعمال کرنا شروع کر دیا۔“
”ممکن ہے اس سے پہلے استعمال کر رہی ہو۔“ حمید نے کہا۔

”یہ ناممکن ہے۔ سعید اسے بے طرح چاہتا تھا اور چاہنے والوں سے محبوباؤں کی کوئی چھپی نہیں رہتی۔ وہ ہر وقت ان کے متعلق سوچتے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں سب کچھ چاہتے ہیں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ ان کا آپس میں ہر وقت کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ یہ چھپ چھپ نہیں سکتی تھی۔“

”اوہ.... تو چاہنے والوں کے متعلق یہ آپ کا ذاتی تجربہ ہے۔“ حمید نے مسکرا کر پوچھا۔ ”غیر متعلق بات مت چھیرو۔ میں اس قسم کی باتیں اکثر کتابوں میں پڑھ لیا کرتا ہوں اتنی فرصت کہاں کہ میں عشق کا تجربہ کروں۔“

”میں آپ سے استاد عا کرتا ہوں کہ صرف ایک بار۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔ ”شٹ اپ.... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس نے برومائیز ہی کیوں استعمال کیا۔ شراب سامنے کی چیز تھی۔ بعض ناکام آدمی نشے میں ڈوبے رہنا چاہتے ہیں، لیکن وہ عموماً شراب ہی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ برومائیز جیسا بے حد نشہ کیوں؟ اور پھر یہ کہ اچانک اس کا برومائیز تک کیسے پہنچا۔“

”تو آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ حمید نے اکتا کر کہا۔ ”بہی کہ وہ کون آدمی ہو سکتا ہے جس نے اسے برومائیز سے روشناس کرایا۔“
”او نہہ۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔ ”آپ کو تو گھما پھر کر سوچنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ آپ کے سامنے موجود ہے اور آپ ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔“
”سعید۔“ فریدی مسکرایا۔
”ہاں سعید! میں اس کہانی پر یقین کئے لیتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن ساتھ ہی“

ہے کہ بھی جاوید افغان اس کا قاتل ہے۔ پولیس نہ جانے کس خط میں مبتلا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ خواتین پر رہا کر دیا جائے گا۔ ایسے آدمی کی تو کھال اڑا دینی چاہئے۔ کبھی کبھی وہ ہوٹل کے نیچر کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیتا ہے کہ وہ اس قسم کی ڈانگ پارٹی سے معاہدہ کر کے قیام کرنے والوں کی زندگی دو بھر کر دیتا ہے اور اگلے سیزن پر یقیناً یہ ہوٹل ویران نظر آئے گا۔ وغیرہ وغیرہ اس دوران میں پارٹی کے کئی آدمیوں سے بھی اس کی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ پروین سی گنگو کر تا ہوا پایا جاتا تھا۔ لیکن حمید کو یہ قطعی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس قسم کی گنگو ہوتی تھی۔ اکثر پروین حمید سے کہا کرتی تھی کہ اس کا ساتھی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ لیکن اس نے یہ کبھی نہیں بتایا کہ اس میں دلچسپی کی کوئی بات ہے۔ حمید نے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ وہ بدستور جیل میں نہاتا اور اپنے حسن کی نمائش کرتا رہا۔ دن بھر جھیل کے کنارے بھورے اور کالے بالوں کے سائے میں لیٹا یا تو کوئی کتاب پڑھتا رہتا یا لڑکیوں کو ٹافیاں بانٹتا۔ رات ہوتی تو دو تین رائیڈر مہیا دلاتے تھے۔ حمید نے بھی اس کے مشاغل میں دخل نہیں دیا اور نہ وہ کبھی ان کیسوں کے متعلق کوئی بات کرتا۔ حمید کو اس کی توقع تو ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ فریدی ان سے ہاتھ اٹھالے گا۔ البتہ وہ اس خاموشی اور علیحدگی کو کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ ضرور سمجھتا تھا۔ بارہا ایسے مواقع سے دوچار ہوتا پڑا تھا جب فریدی نے نہ صرف دوسروں کو بلکہ خود اسے بھی سوتے سوتے چوکا دیا تھا۔ آج کی شام حد درجہ خوشگوار تھی۔ دن بھر آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا رہا تھا اور اس وقت مطلع صاف ہو گیا تھا۔ البتہ افق میں گہرے بھورے بادلوں کی تہیں جمی ہوئی تھیں جن کے درمیان شوخ رنگوں کے لہریے بڑے حسین لگ رہے تھے۔ جھیل کی منحنی منحنی لہروں میں سدا بہار درختوں اور مالٹی کی جھاڑیوں کے عکس چل رہے تھے۔ اس وقت جھیل کے کنارے خاصہ جمنا تھا اور وہاں سے ہٹ کر پختہ فرش کے قریب کی میز پر بھی جمی ہوئی تھیں۔ فریدی ڈانگ پارٹی کے تین چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ یوں تو پارٹی اٹھائیں افراد پر مشتمل تھی لیکن یہ پارٹی کے اچھے فنکار تھے اور فریدی زیادہ تر ان کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ ان میں کبھی کبھی پروین اور اقبال بھی شامل ہوتے تھے۔ فریدی ان پر بے تحاشہ پیسہ بھونکتا تھا۔ حمید اس قسم کی نشستوں میں عموماً فن کے متعلق گنگو سنا کرتا تھا اور پھر اسی دوران میں حمید پر یہ بات بھی آشکار ہو گئی کہ فریدی فن موسیقی کا بھی اگر ماہر نہیں تو ایک اول درجہ کا محکم ضرور ہے

کر نال دیتا اور اگر فرض کر دو کسی وجہ سے اس نے ایسا کر ڈالا تو پروین کو یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ ابھی ابھی نسیم کی لاش دیکھ کر آ رہا ہے اگر وہ اتنا ہی چالاک تھا کہ پروین کو ساتھ نسیم کو قتل کرنے گیا تھا.... تو پھر اُسے فون پر پولیس کو اپنا نام بھی بتا دینا چاہئے تھا ورنہ ہر مالک تو اُسے دیکھ ہی چکی تھی۔ کبھی نہ کبھی اس کی مدد سے ضرور پکڑا جاتا.... اور پھر....“

”جنم میں جائے۔“ حمید اکتا کر بولا۔ ”بس الجھتے جائیے یہاں تو ساری تفریح کر کر رہ گئی۔ یہ کم بخت قاتل اور مقتول اس بُری طرح ہم سے چھٹ کر رہ گئے ہیں کہ کہیں مجاز نہیں ملتی۔“

”تو تم سے کون کہتا ہے۔“ فریدی نے بگڑ کر کہا۔ ”جاؤ.... نکلو یہاں سے جھیل کنارے کئی لو فرقیہ کی لڑکیاں تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔ تم اس کو تفریح سمجھتے ہو۔“

”تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ آپ انہیں لو فر کہہ کر خواہ مخواہ میری توہین کر رہے ہیں۔ ہر مرد کی تفریح یہی ہے بشرطیکہ وہ مرد ہو۔“

”اچھا اچھا مرد صاحب! اب تشریف لے جائیے، ورنہ مرد دو بنا دوں گا۔“

”نہیں جاتا۔“

”گٹ آؤٹ۔“ فریدی نے اُسے دروازے کے باہر دھکا دے کر کواڑ بند کر لئے۔

”ارے تو نہانے کا لباس تو لے لینے دیجئے۔“ حمید دانت پر دانت جما کر مسکراتا ہوا بولا

آخری حملہ

تین دن اور گزر گئے۔ اس دوران میں حمید کے خیال کے مطابق فریدی اندھیرے میں پیر مار تا رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح اس کی جاوید افغان والی حرکت مشہور ہو گئی تھی۔ جب اپنے کمرے سے نکلتا لوگ اُسے گھور گھور کر دیکھنے لگتے اور پھر اس نے لوگوں میں ادھر ادھر کر اسی واقعے کا رد و ناشر شروع کر دیا وہ کہتا کہ پولیس والوں نے مجھے خواہ مخواہ روک رکھا ہے۔ کسی طرح اس پابندی سے پیچھا چھڑوانا چاہتا ہوں۔ اگر میں پولیس کی مدد نہ کرتا تو کوئی فریخہ اس بات کا پتہ نہ لگا سکتے کہ جاوید افغان کون ہے۔“ اور پھر وہ ذرا دھیمی آواز میں کہتا ”میرا“

بدیل کئے اور اپنے پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔
 ”لیکن میں نہیں پیوں گا برومانیڈ ورومانیڈ۔“ حمید نے کہا۔
 ”اچھا اچھا....!“ فریدی چڑ کر بولا۔ ”جلدی کیجئے۔“

وہ دونوں باہر آئے۔ چاروں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ہوٹل کے باہر نکل کر انہوں نے
 ٹکسی کی اور بالی کیپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن حمید نے وہ کار پہچان لی تھی کیونکہ اسی کار پر
 نسیم کے قتل والی رات کو وہ اقبال اور پروین کا تعاقب کرتے رہے تھے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور
 اسے فریدی پر پھر تاؤ آگیا۔ بالی کیپ پہنچ کر وہ کیپ ریفر شو میں داخل ہوئے۔

”یہاں تو کافی بھیڑ ہے۔“ وحید نے کہا۔
 ”تو کیا تم اتنا بیوقوف سمجھتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے اپنا یہ شوق پورا کرنے کے
 لئے یہاں ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے۔“
 ”کیا شروع ہی سے۔“ نریندر نے پوچھا۔

”ہاں بھئی! اس دلاری جان کو اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”اب اسی
 دن اگر پولیس میرے کمرے کی تلاشی کے وقت اسے پا جاتی تو میں کہاں ہوتا۔“
 ”سسرال میں۔“ وحید نے کہا اور بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

”ہم تو کئی دنوں سے ترس رہے تھے۔ ہمارے پاس جو اسٹاک تھا اسے ہم نے تلاشی کے خوف
 سے اسی دن گڑھے میں بہا دیا تھا جس دن دیا تو قتل ہوئی تھی۔“ نریندر نے کہا۔
 فریدی نے کمرہ کھولا اور لیپ روشن کر دیا۔ چاروں طرف دھندلی دھندلی روشنی پھیل گئی۔
 ایک بڑی میز کے گرد کئی کرسیاں پڑی تھیں وہ سب بیٹھ گئے۔ فریدی نے الماری کھول کر پانچ
 چھوٹے چھوٹے گلاس نکالے۔

”پانچ ہی۔“ ارشاد حمید کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”کیا یہ نہیں پیئیں گے۔“
 ”مجھے آج کل پیچس ہو رہی ہے۔“ حمید گڑگڑا کر بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی بھی
 برومانیڈ پئے گا۔ چند لمحوں کے بعد وہ برومانیڈ پی رہے تھے۔ نریندر نے نشے میں نسیم کے قتل کا
 قصہ جھپٹ دیا اور کہنے لگا کہ وہ انہیں کمروں میں سے کسی ایک میں رہتی تھی۔

”چھوڑو یار کیوں مزہ کر کر کر رہے ہو۔“ کئی آوازیں آئیں۔ ان سب کی آنکھیں آہستہ

ایک بار تو یونہی باتوں باتوں میں اس نے واسن اٹھالیا۔ پہلے تو قوس کو یونہی الٹے سیدھے جھٹکے دیا
 رہا جس پر کئی آرٹسٹ طزیہ انداز میں مسکرائے بھی تھے لیکن پھر جو اچانک ایک دھن جھپٹ کر
 اسے گت میں لے آیا تو پارٹی کے وائیلنٹ وحید کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا۔ ارشاد اور نریندر
 نے تو اپنے سر دھن پر رکھ دیئے! یہ دونوں کلاڑ بجاتے تھے، ان میں رنجیت بھی تھا، جو طبل
 بجاتا تھا۔ وہ تو اس قدر بے تاب ہوا کہ اس نے دوسرے ہی لمحے میں لپک کر جوڑی اٹھالی اور حمید
 یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس وقت نسیم اور دیاوتی نے عالم ارواح میں رقص شروع کر دیا ہو۔
 بہر حال پارٹی کے جو افراد کچھ دن پیشتر فریدی کو مشتبه سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے وہی اس
 سے اس قدر گھل مل گئے تھے جیسے برسوں پرانی جان پہچان ہو! حمید یہ سب دیکھتا اور کبھی کبھی یہ
 سوچتا کہ اس بار فریدی کی شکست لازمی ہے۔ وہ خواہ مخواہ تضحیٰ اوقات کر رہا ہے مجرم اقبال یا سید
 ہی میں سے کوئی ہو سکتا ہے یا پھر دونوں میں سے۔ اسے یقین تھا کہ اقبال نے دیاوتی کو اس لئے قتل
 کیا کہ اس سے پیچھا چھوٹ جائے اور سعید نے نسیم کو اس لئے مار ڈالا کہ وہ اس کے خیال کے
 مطابق دیاوتی کے قتل کے بعد اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی۔ کافی ختم کرنے کے بعد وہ سب
 اٹھے۔ فریدی اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں حمید مل گیا اسے بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔
 ”ہم بالی کیپ جا رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”ہم لوگ سے مراد میں ہوں یا وہ لوگ بھی۔“

”وہ بھی جا رہے ہیں! میں آج یہ قصہ ختم کر دینا چاہتا ہوں۔“

”کون سا قصہ....!“ حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے اپنا سوٹ پہننے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد خود بخود بڑبڑایا۔

”سناتم نے وہ چاروں رومانیڈ پیتے ہیں۔ میں اس وقت انہیں کیپ ریفر شو میں بردا

پلاؤں گا۔“

”کیپ ریفر شو۔“ حمید چونک کر بولا۔ ”وہی جہاں نسیم ٹھہری ہوئی تھی۔“

”ہاں....!“ فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

”آخر اس سے فائدہ۔“

”تم خود دیکھ لو گے۔“ فریدی نے کہا۔ وہ تیار ہو گیا تھا۔ حمید نے بھی جلدی جلدی کپڑے

آہستہ بوجھل اور سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ سب بول رہے تھے وحید سب سے زیادہ شور مچا رہا تھا وہ بات بات پر اتنے وزنی قہقہے لگاتا جیسے عمدہ قسم کے لطیفے سن رہا ہو۔ دفعتاً پشت کی کھڑکی ایک چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گئی اور ٹھنڈی ہوا کا ریلا اندر گھس آیا۔ پھر اندھیرے میں باہر ایک سرابھرتا نظر آیا جس کے پس منظر میں تاروں بھرا آسمان تھا۔ سب لوگ حیرت سے ادھر دیکھنے لگے پھر پیلے رنگ کی ہلکی روشنی میں کسی عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ یہ سب کے سب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

”آپ کون ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟“ فریدی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے کبھی اسے کہیں دیکھا ہو۔

”نیم۔“ ان میں سے کسی نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر کرسیاں اٹھنے لگیں ایک پر ایک گرنے لگا مگر وحید اسی برابر گھورے جا رہا تھا اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور لال لال آنکھیں اٹلی پڑ رہی تھیں۔

”میں ہزار بار تمہیں قتل کر سکتا ہوں۔“ وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے خواب میں بول رہا ہو اور پھر قبل اس کے کہ فریدی سنبھلتا وحید کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو کڑکڑاہٹ کے ساتھ کھٹکا ہوا نظر آیا۔ دوسرے لمحے میں وہ کھڑکی پھلانگ چکا تھا۔

باہر ایک نسوانی چیخ سنائی دی اور ساتھ ہی کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں بھی آئیں۔

”جانے نہ پائے۔“ کسی نے چیخ کر کہا۔

حمید نے پہچان لیا۔ یہ ماہر کی آواز تھی۔ فریدی بھی کھڑکی سے باہر جا چکا تھا۔ حمید اس کے پیچھے بھاگا۔ کیا ہوا۔“ فریدی نے چیخ کر پوچھا۔

”نکل گیا۔“ ماہر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ بیچارہ شاید اپنی فریبی کی وجہ سے دوڑ نہیں سکتا تھا۔

”لڑکی“ فریدی نے بے تحاشہ پوچھا۔

”ٹھیک ہے۔“ بخیریت ہے۔“

فریدی دوڑنے لگا۔ حمید بھی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ ایک جگہ اچانک وہ ٹھوکر کھا کر گر لگا۔ پھر اسے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا۔

دوسرے دن وہ اپنے کمرے میں پڑا پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیر رہا تھا اور پردین اس پر جھکی ہوئی تھی۔

”کیا میرا ساقھی ابھی نہیں آیا۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”نہیں۔“ پردین نے کہا۔ ”لیکن آپ زیادہ باتیں مت کیجئے۔“

”وہ پڑا گیا یا نہیں۔“

”کیوں نہیں۔“ پردین نے کہا۔ ”ارے آپ اسی سے ٹھوکر کھا کر تو گرے تھے۔“

”ٹھوکر کھا کر۔“

”ہاں.... وہ پہلے نشر کی جھونک میں گر گیا تھا۔ آپ کے ساتھی اور دوسرے پولیس والوں نے اُسے گرتے نہیں دیکھا۔ اسی لئے وہ اندھا دھند آگے بھاگتے چلے گئے اور آپ نے اتفاق سے اُسی سے ٹھوکر کھائی۔“

”میرا ساقھی یہاں کب سے نہیں آیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”وہ ابھی آئے ہی نہیں۔“

”اچھا.... دیکھوں گا اُسے۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔ ”لیکن تم یہاں کیوں آئی ہو۔“

”آپ کی دیکھ بھال کے لئے۔ ویسے میں آپ لوگوں کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہو سکوں گی۔“

”وہ عورت کون تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں! آپ کے ساتھی نے مجھے اس کے لئے تیار کیا تھا اور مجھ پر نسیم کا میک اپ کر کے ماہر صاحب کے ساتھ پہلے ہی کیپ ریفرشو میں بھجوا دیا تھا اور پھر اگر ماہر صاحب اس وقت میرے ساتھ نہ ہوتے تو اس کم بخت نے مجھے بھی مار ڈالا تھا۔“

”کچھ اور بھی حالات معلوم ہوئے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں اور تو کچھ بھی نہیں۔“

”اقبال کا کیا حال ہے۔“

”اس وقت بھی نشے میں ہو گا۔“ پردین بیزاری سے بولی۔ ”اب کسی طرح اس پارٹی سے پیچھا

چھوٹ جاتا.... تو بہتر تھا۔“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔“ حمید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”میرا ساقی سب کچھ ٹھیک کر لے گا۔ ایک کیا ہزار معاہدے تروا سکتا ہے! وہ بہت بڑا آدمی ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔“ پروین مسکرا کر بولی۔ ”وہ مجھے بتا چکے ہیں۔ کئی دنوں سے جانتی ہوں۔ ورنہ میں اس خطرناک ڈرامے میں حصہ ہی نہ لیتی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔“

”میں۔“ حمید نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”کل رات کو بڑا لطف آیا۔“ پروین تھوڑی دیر بعد بولی۔

”کیا۔۔۔؟“ حمید نے پوچھا۔

”مرام سنگھ کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔ مامٹر صاحب اپنے ساتھ چند خاص آدمیوں کو لائے تھے۔ رام سنگھ نہ جانے کیوں پہلے ہی سے آپ لوگوں کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ کل جب آپ یکپ ریفیر شو کے لئے روانہ ہوئے تھے وہ آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ وہاں بہت دیر میں پہنچا۔ اس وقت جب فریدی صاحب وحید کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ راستہ میں رام سنگھ سے ٹک بھڑ ہو گئی اس نے انہیں روکنا چاہا اس پر انہوں نے جھلا کر اسے جو ایک چائنا سید کیا ہے تو کئی قلابازیاں کھا گیا۔ فریدی صاحب اندھیرے میں آگے بڑھتے چلے گئے اُدھر مامٹر صاحب نے آپ کو گرے دیکھ لیا۔ وہاں پہنچے تو وحید بھی مل گیا، جوشے میں ڈھیر تھا۔“

تھوڑی دیر میں رام سنگھ بھی منہ بسور تا ہوا وہاں آپہنچا۔ آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ ”چلو ایک تو پکڑا گیا۔“

حمید ہنسنے لگا۔

”اور پھر فریدی صاحب کی واپسی پر وہ پھر ان پر جھپٹنے ہی جا رہا تھا تو مامٹر صاحب اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکے۔ وہ بھی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ انہوں نے اُسے اس وقت تک کچھ نہیں بنایا تھا اور اس وقت کا تو پوچھنا ہی کیا جب یہ راز کھلا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے رام سنگھ کے منہ پر کالک لگا کر اُسے گدھے پر سوار کر ادیا ہو۔“ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ حمید اب اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”اب تشریف لائے ہیں آپ۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔

”بھئی کیا بتاؤں بڑی مشکل سے اس نے اقبال جرم کیا ہے۔“ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر

بیٹانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ پھر پروین کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

”ہلو۔۔۔۔۔ بے بی۔۔۔۔۔ اس نے میرے لئے چیخ دھاڑ تو نہیں پجائی۔ میں نے تمہیں یہاں ٹھہرنے کے لئے کہا تو دیا تھا لیکن سوچ رہا تھا کہ یہ تمہیں بہت پریشان کرے گا۔ بچہ ہے نا۔ ذرا سی تکلیف میں آسان سر پر اٹھالیتا ہے۔“

حمید اپنا انگوٹھا چوسنے لگا اور پروین بے اختیار ہنس پڑی۔ پھر تھوڑی دیر بعد فریدی ان دونوں کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھوں کی زد میں بیٹھا انہیں وحید کی روداد سنارہا تھا۔

”وحید ہی نے دیاوتی کو بھی قتل کیا تھا اور قتل کا باعث وہی نسیم والا ہار تھا سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دیاوتی نے جس بچے کا باپ اقبال کو ٹھہرایا وہ دراصل وحید کا تھا۔ اس کے اور دیاوتی کے پرانے تعلقات تھے جن کا علم کسی کو نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ اقبال کو بھی خوش کرتی رہتی تھی۔ اس واقعہ کے بعد اس نے وحید سے کہا کہ وہ اس سے شادی کر لے لیکن وہ صاف انکار کر گیا۔ اس نے عدالت کی دھمکی دی اور وحید نے کہا کہ وہ بدنامی سے نہیں ڈرتا۔ اس پر دیاوتی نے اپنی بدنامی سے بچنے کے لئے وحید کی بلا اقبال کے سر منڈھ دی۔ چوراس کے دل میں بھی موجود تھا۔ اس لئے وہ بھنسنے لگا۔ حالانکہ اُسے اس پر شبہ تھا۔ اسی دوران میں وحید نے نسیم والا ہار دیاوتی کے پاس دیکھ لیا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے دیاوتی کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ اگر وہ ہار اُسے نہیں دے گی تو وہ اقبال کو اس بچے کے متعلق بتا دے گا۔ دیاوتی اس پر بھی نہ مانی تو اس نے ایک دن نسیم کو برومانیڈ پلا کر دیاوتی کے خلاف اس قدر بھڑکایا کہ وہ اسے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئی لیکن اس کا حملہ ناکامیاب رہا تھا۔ پھر پارٹی یہاں چلی آئی۔ وحید بدستور ہار پر قبضہ کر لینے کی دھن میں لگا ہوا تھا۔ پھر معلوم نہیں کس طرح دیاوتی نے وہ ہار نسیم کو واپس کر دیا شاید وہ اس دن نسیم کا انتظار کر رہی تھی۔ اسی لئے میں نے تم سے کہا تھا کہ جس کا وہ انتظار کر رہی تھی وہ یا تو اس کا شوہر ہو سکتا تھا یا کوئی آشنا یا پھر کوئی غور۔ غالباً وحید اس وقت پہنچا جب نسیم ہار لے کر واپس جا چکی تھی۔ اس نے دیاوتی سے بھی پھر ہار کا مطالبہ کیا۔ اس پر دیاوتی نے اُسے ہار کے متعلق سب کچھ صحیح صحیح بتا دیا۔ اسے یقین نہیں آیا اور اس نے غصے میں اسے قتل کر دیا۔ دوسرے دن جب نسیم قتل ہوئی اسے ایک ویٹر ٹیلی فون کال ریسیو کرنے کے لئے بلا کر لے گیا تھا۔ اس نے حقیقتاً وحید کو سعید سمجھا تھا۔ بہر حال فون پر نسیم

بات کر رہی تھی۔ اس نے سعید کے دھوکے میں اسے ہار کے حاصل کر لینے کا واقعہ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ بالی کیپ کے ریفر شو میں ٹھہری ہوئی ہے۔ وحید نے اس سے کہا کہ وہ رات کو قریب کی چٹانوں کے درمیان اسے ملے گا اور پھر اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ وہ اُسے پہچان گئی تھی اس لئے اسے ہار حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر تک اس سے دھینگا مشتی بھی کرنی پڑی۔ بہر حال اس نے اسے قتل کر دیا۔ ہار کو اس نے جھیل کے کنارے دفن کر دیا تھا جسے برآمد کر لیا گیا ہے۔“ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔

”مگر اس بار آپ نے بہت بڑے بڑے شعبدے دکھائے ہیں۔“ حمید ہنس کر بولا۔

پروین اس طرح خاموش بیٹھی تھی جیسے بت بن گئی ہو۔

”کیوں؟“ فریدی اس کی طرف مڑا۔ ”تم کیا سوچ رہی ہو؟“

”نہ جانے کیوں مجھے بھی اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی ہے۔“ پروین آہستہ سے بولی۔

”ہشت! تم ڈرو نہیں۔“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”میں اقبال سے سارے معاملات طے

کر لوں گا اگر وہ نہ مانے گا تو پھر دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا۔“

پروین نے کوئی جواب نہ دیا۔

”میں تمہیں کسی آفس میں کوئی اچھی سی جگہ دلا دوں گا۔ فکر مت کرو۔“ فریدی نے سگار

سلگاتے ہوئے کہا۔

”اچھا اب جا کر آرام کرو۔ تم بھی رات سے جاگ رہی ہو۔“

پروین چلی گئی۔ حمید کے ہاتھ آہستہ آہستہ دعا کے لئے اٹھ رہے تھے۔

”کیوں یہ کیا؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”مرنے سے پہلے۔“ حمید کراہ کر بولا۔ ”خدائے قدوس سے ایک التجا کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا؟“

”یہی کہ اسی پروین ہی سے آپ کی محبت ہو جائے تاکہ کم از کم چھٹیوں کا زمانہ تو سکون کے

ساتھ گزرے۔“ حمید نے منہ بسور کر کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک زوردار دھول جمادی۔

جاسوسی دنیا نمبر 20

نیلی روشنی

(مکمل ناول)

ختم شد

کہ منزل مقصود پر ضرور کچھ نہ کچھ سکون ملے گا۔ لیکن یہاں پہنچ کر ساری امیدوں پر اوس پڑگی اور اب اس سائبان کے نیچے ایک سوٹ کیس پر بیٹھا اس موٹر کا انتظار کر رہا تھا جس کی بشارت اس کے محنت کے اعلیٰ افسر نے پہلے ہی دے رکھی تھی؟

یہ بلائے ناگہانی اس پر اچانک نازل ہوئی تھی۔ بس یونہی ایک دن آفس میں بیٹھے بٹھائے افسر اعلیٰ کے نادر شاہی فرمان کا شکار ہو گیا۔ انسپٹر فریدی بھی ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا ورنہ شاید اس کی نوبت نہ آتی.... بہر حال شدنی.... ہونے والی بات اور پھر ملازمت کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا تو نہیں ہوتا۔ ہاں جب کام کی نوعیت ہی بے سروپا ہو تو اختلاج کا ہونا لازمی ہے۔ سر جٹ حمید بھی اختلاج میں مبتلا تھا۔ اس کے اعلیٰ افسر نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اسے فلاں اسٹیشن پر اتارنا ہے پھر وہاں سے اسے ایک سیاہ رنگ کی کار لے جائے گی۔ کہاں؟ اس کی خبر حمید کے فرشتوں کو بھی نہ تھی۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ یہ چیز بھلا کیونکر ایسی صورت میں اس کی سمجھ میں آتی۔ جب کہ اسے اپنی منزل تک کا علم نہیں تھا؟ البتہ ٹرین پر کئی بار اس سوال کے جواب میں اس کے ذہن میں لفظ ”جہنم“ ضرور گونجا تھا اور اب وہ سچ جہنم میں بیٹھا اس سیاہ رنگ کی کار کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے تھرماس کھول کر تھوڑا سا پانی پیا اور کئی لپٹائی ہوئی نظریں اس کے تھرماس پر گز کر رہ گئیں۔ لیکن اس نے جھلاہٹ میں انہیں اس طرح اپنے ذہن سے جھاڑ دیا جیسے کوئی کان پر ریختی ہوئی چیونٹی جھاڑ دیتا ہے۔ ہمدردی اور انسانیت کے سارے جذبات جیسے فنا ہو گئے تھے۔

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا ٹھیک گیارہ بجے ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی کار شیڈ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک بھاری جبروں اور پھولی ہوئی سرخ ناک والا آدمی بیٹھاپنی چھوٹی چھوٹی چمکی آنکھوں سے سائبان کا جائزہ لے رہا تھا اس کی گھنی مونچھیں اس طرح نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں کہ نیچلے ہونٹ کا صرف درمیانی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ گردن اتنی کوتاہ تھی کہ اس کا سر شانوں کے درمیان رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

حمید سامان اٹھا کر کار کی طرف لپکا۔ ڈرائیور نے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دروازہ کھول کر نرم گدیلے میں دھنس گیا۔ کار چل پڑی۔ حمید نے کڑکیوں کے شیشے چڑھا دیئے تھے۔ پھر بھی ریت اور اندر گھسی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد

گمنام منزل

تاحد نظر چٹیل اور ریتلا میدان پھیلا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گرم ہوا کے تیز جھونکے اپنے ساتھ گرد و غبار کا طوفان لاتے اور مسافروں کے چہروں پر کھلی کرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر ویٹنگ روم تو ہوتے نہیں کہ معزز قسم کے مسافر کھڑکیوں کے سیاہ پردے تک گرا کر ریگستان میں ایک آدھ گھنٹے ہی کے لئے ایک ننھی سی جنت بنا سکیں۔ یہاں بس چاروں طرف سے کھلا ہوا ایک ٹین کا سائبان تھا۔ جس کے نیچے بھانت بھانت کے آدمی عجیب انداز سے لیٹے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد سے اٹے ہوئے چہروں پر وحشت اور بیزاری کے ملے جلے آثار پائے جاتے تھے اگر کوئی سہوا بھی اپنے خشک ہونٹوں پر ایک بار زبان پھیر لیتا تو کافی دیر تک اس کے دانتوں کے نیچے ریت کے ذرے کرکراتے رہتے اور وہ کچھ ابلے تلخ انداز میں اپنے ہونٹوں کو قوسوں اور دائروں کی شکل میں جنبش دیتا کہ دوسروں کے منہ بھی گبڑ جاتے۔ سائبان بھٹی کی طرح تپ رہا تھا اور اس پر سے گرم ہوا کے جھونکے.... زبانیں نکلی رہی تھیں۔

اس وقت کوئی سر جٹ حمید کو دیکھتا تو یہ نہ کہہ سکتا کہ وہ کبھی نفاست پسندی کے جنون میں مبتلا رہا ہو گا۔ اس کے چمکیلے بال گرد میں اٹ گئے تھے۔ چہرے پر اس قدر دھول تھی کہ اب ہاتھ سے پسینہ پونچھنے کی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔

سرخ و سپید رخسار جھلس گئے تھے اور وہ دق کا مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں سوائے ایک موٹی سی گالی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ جسے وہ کبھی اپنی ذات سے منسوب کرتا اور کبھی اپنے محنت کے اعلیٰ افسر کی ذات سے۔ اس ریگستان کو پار کرتے وقت وہ ٹرین پر سوچتا آیا

اس کی حالت اتنی اتر ہو گئی کہ وہ ڈرائیور سے یہ تک پوچھنا بھول گیا کہ وہ اسے کہاں لے جائے گا۔ کار نہ جانے کب تک چلتی رہی حمید کو کچھ باد نہیں اس پر غشی سی طاری تھی۔ بس کبھی کبھی اس کے ہاتھ غیر شعوری طور پر تھرماس سے جا لگتے اور وہ دوا ایک گھونٹ پی کر پھر اسے نیچے ڈال دیتا۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

شام ہوتے ہوتے کار ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید اس قدر بے جاں ہو چکا تھا کہ اس میں کھڑکیوں کے شیشے تک گرانے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ ڈرائیور نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور کار روک کر نیچے اتر آیا پھر اس نے زور سے دروازے کھول کر شیشے گرائے اور خنک ہوا کے فرحت بخش جھونکوں نے حمید کی بے ہوشی میں اضافہ کر دیا....

یہاں دور تک سرسبز چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور موٹے تنوں کے چھوٹے اور گنجان درخت حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے حمید کو بازوؤں میں اٹھالیا اور ایک طرف چلے لگا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ تاریخی شعاعیں آہستہ آہستہ ڈھلوانوں پر چڑھ رہی تھیں اور سنائے میں پرندوں کا شور گونج رہا تھا۔ ڈرائیور حمید کو اٹھائے چلتا رہا۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے جتنے کے کنارے رکا اور حمید کو زمین پر ڈال کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک پتھر سے ٹیک لگائے حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیور کار سے اس کا سوٹ کیس بھی اٹھالایا تھا اور اب اسٹوو پر چائے کا پانی چڑھا کر کیتلی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی نظر بہکتے ہی وہ اسٹوو سے کود کر جتنے میں جا پڑے گی۔

”ارے بھائی تم کون ہو! اور مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔“ حمید نے اس سے پوچھا لیکن اس کی مشغولیت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔“ اس بار حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

اس نے چونک کر حمید کی طرف دیکھا۔

”مجھے کہاں جانا ہے۔“ حمید نے دہرایا۔

لیکن وہ کوئی جواب دینے بغیر پھر کیتلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ برف کی طرح سرد معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو غصہ آیا لیکن پھر اس کے سارے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔

وہ کافی دیر تک حیرت آمیز نظروں سے ڈرائیور کو دیکھتا رہا جو اسے حد درجہ پُر اسرار معلوم

دہا تھا۔ لیکن اس نے کیتلی پر سے نظر ہٹا کر ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ صرف سوٹ کیس ہی اٹھا کر کیوں لایا ہے۔ سوٹ کیس کے علاوہ تھرماس اور ناشتہ ان بھی تو تھے اس سے پوچھنا چاہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو رہا۔

دن بھر کی کوفت اور تھکن کے بعد ٹھنڈے پانی کے چشے کا قرب گویا اسے جہنم سے کھینچ کر بنت میں لے آیا تھا اس نے اٹھ کر سوٹ کیس سے غسل کا لباس نکالا اور نہانے کی تیاری کرنے لگا۔

”چشمہ زیادہ گہرا تو نہیں۔“ حمید نے ڈرائیور سے پوچھا۔

اس نے کیتلی سے نظر ہٹائے بغیر نفی میں سر ہلادیا۔

حمید کافی دیر تک نہاتا رہا۔ پانی کی ٹھنڈک اسے روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس لذت میں اس طرح کھو گیا تھا کہ اسے وقت کا بھی احساس نہ رہا۔ سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا تھا اور افق میں کئی چمکیلے رنگ ابھر آئے تھے۔

ڈرائیور نے چائے تیار کر لی تھی اور اب بھنے ہوئے پارچوں کے سینڈوچ بنا رہا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ وہ دوپہر سے بھوکا ہے۔

ٹھنڈے پارچے کے سینڈوچ بھی اس وقت اسے بڑا مزہ دے رہے تھے۔

”بھئی آخر تم بولتے کیوں نہیں۔“ حمید نے کھاتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔

موٹر ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایک بیجان سی مسکراہٹ پھیل گئی لیکن وہ کوئی جواب دینے کے بجائے اپنے لئے چائے انڈیلنے لگا۔ حمید کو کچھ تو ہنسی آئی اور کچھ جھنجھلاہٹ معلوم ہوئی لیکن اس نے جھنجھلاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا! چشے کے ٹھنڈے پانی اور گرما گرم چائے کے کپ نے کبابی نئی زندگی بخش دی تھی اور وہ حسب دستور قدیم چمکنے کے موڈ میں آ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب ڈرائیور کو گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔

”بھئی اگر گونگے ہو تو صاف صاف بتا دو۔ میں کیوں خواہ مخواہ مغز ماروں۔“

ڈرائیور بے اختیار ہنس پڑا۔

”مجھے گونگا ہی سمجھئے۔“ وہ بھدی اور بے ہنگم آواز میں بولا۔ ”میں کچھ نہیں جانتا مجھے صرف

ایک بتائے ہوئے نشان پر آپ کو اتار دینا ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔“

”نشان پر....!“ حمید چونک کر بولا۔ ”کیا مطلب۔“

”مطلب خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔“ ڈرائیور نے لا پرواہی سے کہا اور چائے کی ٹائپ پیالیاں اٹھا کر باسکٹ میں رکھنے لگا اس کے چہرے پر پھر سنجیدگی اور سفاکی کے آثار پھیل گئے تھے۔
 ”اماں تو کہاں..... اتار دو گے..... جنگل میں..... قبرستان میں..... یا کسی.....!“
 ”جنگل میں.....“ ڈرائیور نے کہا۔ ”جہاں دور دور تک آبادی کا پتہ نہیں۔“
 ”کمال کر دیا..... آخر.....!“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے یہی حکم ملا ہے اور نہ میں اس کے متعلق کوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“
 حمید کا دل چاہا کہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دے آخر اس کے اعلیٰ افسر کا مقصد کیا تھا اسی طرح کچھ دن قبل جب وہ گھر پر موجود نہیں تھا انسپکٹر فریدی بھی اپنا اتا پتہ بتائے بغیر غائب ہو گیا تھا۔ گھر کے ملازموں سے بس اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ اس نے کسی لمبے سفر کی تیاری کی تھی اور وہ اس کے لئے بھی کوئی پیغام نہیں چھوڑ گیا تھا لیکن حمید نے اسے اس وقت تک اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ یوں بھی یہ عادت فریدی کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ اپنے پروگرام کسی کو نہیں بتاتا تھا۔ اسی طرح غائب ہو جانے کو کوئی خاص معنی نہیں پہناتے تھے۔ لیکن اس وقت وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر اعلیٰ افسر کیا چاہتا ہے اس کے ذہن میں لیونارڈ سا والا واقعہ ناچنے لگا۔ لیونارڈ یورپ کا مشہور بلیک میلر جو مسٹر جیکسن کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ بن بیٹھا تھا تو پھر کیا کوئی اس قسم کا حادثہ پیش آیا چاہتا ہے کہ یہ ان دونوں کے خلاف کوئی سازش تھی؟

حمید بیک وقت چونک پڑا۔ ڈرائیور سوٹ کیس اور باسکٹ اٹھائے چلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔
 بادل نخواستہ اس کے ساتھ ہو لیا۔

کار پھر چل پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک خیال حمید کے ذہن کے عقبی حصے سے شعور میں ریگ آیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ سوٹ کیس کے اندر کیڑوں میں کچھ ٹٹول رہا تھا آخر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ریوالور اپنی جگہ پر موجود تھا اس نے ریوالور کی بیٹی کا ندھ پر ڈال کر اوپر سے کوٹ پہن لیا۔ خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈرائیور بدستور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ دونوں طرف عظیم الشان چٹانوں کا سلسلہ تھا اور ہیڈ لائٹس کی روشنی مل

تی ہوئی پہاڑی سڑکوں پر پھیل رہی تھی۔ انجن کا شور چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک منتشر ہا معلوم ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی بڑے بڑے بالوں والی سفید لومڑیاں روشنی میں سڑک پار کرتی مائی دے جاتی تھیں۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے گنجان درخت تاریکی میں کچھ عجیب وحشت سے لگ رہے تھے۔

”ارے بھائی کم از کم اتنا تو بتا دو کہ ابھی کتنا اور چلنا ہے۔“ حمید نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔
 ”بس دو تین میل اور۔“

”تمہیں کس نے بھیجا ہے۔“

ڈرائیور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حمید کا دل چاہا کہ ریوالور کی نال اس کی نظر نہ آنے والی دن سے لگا کر لیبی کو دبا دے۔

”یار تم عجیب آدمی ہو.....“ حمید نے پھر کہا۔

”دیکھئے“ ڈرائیور کرخت آواز میں بولا جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہوں اسے صرف سوچتے رہئے۔

”دیکھو دوست میں ابھی تمہاری گردن ناپ سکتا ہوں۔“ حمید نے دانت پس کر کہا۔

”اس سے فائدہ؟“ ڈرائیور نے قہقہہ لگایا۔ ”میرے بعد آپ یہاں یتیم بچوں کی طرح بھٹکتے نہیں گے۔“

حمید کو اس زور کا غصہ آیا کہ اسے اپنی عقل گدی سے نکلتی معلوم ہونے لگی۔ لیکن وہ کرتا ٹکیا۔ قہر درویش برجان درویش اس نے یہ بات بھی قاعدے ہی کی کہی تھی۔ اگر سچ مجھ وہ تمہارہ لیا تو کہاں بھٹکتا پھرے گا۔

حمید نے ہارے ہوئے جوار کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے اور تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

آخر کار ایک جگہ رک گئی اور ڈرائیور نیچے اتر گیا۔

”اتریئے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”یار..... کیوں؟“ وہ ایک بار پھر ہکھلایا۔

”ٹھہریئے..... میں آپ کا سوٹ کیس اتارے دیتا ہوں۔“ ڈرائیور نے آگے بڑھ کر کہا۔

”تو کیا سچ میہیں۔“

خوفناک گروہ

حمید نہ جانے کب تک بے ہوش رہا۔ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے اسے اذیت کا احساس ہوا۔ اس کے سارے جسم میں سونیاں سی چبھ رہی تھیں۔ چاروں طرف زرد رنگ کی گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ کئی منٹ تک وہ اندھوں کی طرح ادھر ادھر ٹٹولتا رہا پھر آہستہ آہستہ زردی سے سیاہی کے بیچ و خم مٹنے لگی اور اسے موسمِ بقی کی لو صاف نظر آنے لگی۔ وہ ایک غار میں پڑا ہوا تھا اس کے نیچے خشک گھاس کا بستر تھا اور قریب ہی اس کا سامان پڑا ہوا تھا۔ یہاں کچھ تھوڑا سا سامان اور بھی تھا مگر کس کا؟ اس کا پتہ تو اس کی پٹی سمیت کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حمید نے جھپٹ کر اسے اٹھالیا۔ یہ اس کا ایک اضطرابی فعل تھا۔ ورنہ وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھ سکتا تھا اس کے سارے جسم میں بے شمار خراشیں تھیں جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ متعدد جگہ کانٹے چبھ گئے تھے۔ داہنے پیر میں اگر موج نہیں آئی تھی تو کوئی رگ ضرور اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ کیونکہ وہ پورا پیر جما کر زمین پر نہیں رکھ سکتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر غار کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں ایک انگیٹھی رکھی ہوئی تھی جس میں کوئلے دبک رہے تھے اور اس پر رکھی ہوئی کیتلی سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ بھاپ سے پھیلنے والی ہلکی ہلکی خوشبو تیار تھی کہ اس میں کافی ہے اس کے قریب ہی دودھ کا ڈبہ دکھائی دیا۔ غالباً شکر بھی کہیں قریب ہی رکھی ہوگی۔

بھوک کے مارے حمید کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ کافی کی خوشبو نے اسے قریب قریب خوش کر دیا اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ اس حال میں ایک نامعلوم جگہ پر پتہ نہیں قید ہے یا آزاد ہے۔ کچھ دیر تک جو حادثہ پیش آیا تھا اس کا مطلب کیا تھا۔ وہ بے تحاشا کافی کی کیتلی کی طرف چھپتا اور دفعتاً غار کے دہانے کے قریب اسے ایک قہقہہ سنائی دیا۔

حمید ادھر متوجہ ہوا اور سامنے انپکڑ فریدی کو کھڑا دیکھ کر بے ساختہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ....!“

انپکڑ فریدی اپنے مخصوص انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا اس کے جسم پر ایک خاکی رنگ کی ٹیکسٹس تھی اور ایک میلا سا جیکٹ جو کہنیوں سے پھٹا ہوا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا چہرے پر ہلکی سی سیاہی

”جی ہاں۔“

”یار کیوں مذاق کرتے ہو۔“

”جلدی کیجئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ ڈرائیور کا لہجہ درشت تھا۔

اس نے حمید کا سامان نیچے اتار دیا۔ طوعاً و کرہاً حمید بھی اتر آیا۔

”تم بھول تو نہیں رہے ہو!“ حمید نے بوکھلا کر کہا۔

”شب بخیر....“ ڈرائیور نے کار میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

حمید ”ارے ارے“ ہی کرتا رہ گیا اور کار اگلے موڑ پر پہنچ کر نظروں سے غائب ہو گئی۔ پہاڑی جھینگڑوں کی کان پھاڑ دینے والی تیز سیٹیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔ حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اندھیرا تاریک ڈھلوانوں سے پھسل پھسل کر اس کے گرد اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر رہا ہو اور یہ دیواریں اسے پیس ڈالنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہوں۔ دفعتاً قریب ہی بہت سے گیدڑ چڑچڑ اٹھے اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک برقی لہر دوڑ گئی۔

وہ دو بڑی چٹانوں کے درمیان بکھری ہوئی خاردار جھاڑیوں میں کھڑا تھا۔ ہر دوسرا لمحہ زیادہ سے زیادہ پاگل کر دینے والا ثابت ہو رہا تھا۔ حمید ڈرپوک نہیں تھا لیکن ایسے حالات میں مرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کوئی تک ہے آخر؟

پھر اسے دور کہیں کسی لکڑیگھے کی قہقہہ مناجیح سنائی دی جو لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سوٹ کیس وغیرہ وہیں چھوڑ کر دوسری سمت والی چٹان پر چڑھنے لگا۔ انتہائی بلندی پر پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا؟ چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی دھندلے ہو رہے تھے۔ دیو بیکر چٹانوں کے نیچے بکھرا ہوا اندھیرا تو نہ جانے کتنی خبیث ارواح کی کمین گاہ معلوم ہوتا تھا۔

دفعتاً حمید کو اپنے سر پر تیزی سے جھپٹتا ہوا ایک سایہ دکھائی دیا اور پھر اس نے اس کے سارے جسم کو ڈھک لیا۔ اس نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ سر سے تن تک وہ ایک تنگ جال میں پھنسا ہوا تھا وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہ کچھ ایسے بدحواس ہو گیا تھا کہ اس کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی۔ جال کے حلقے تنگ ہوتے جا رہے تھے اور پھر وہ نیچے کی طرف لڑھکتے لگا۔ اس نے کئی بار جھاڑیوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

دوڑ گئی تھی لیکن آنکھوں کی وحشیانہ چمک اس حال میں بھی برقرار تھی اس کے دونوں ہاتھ برتکس کی جیبوں میں تھے اور ہونٹوں میں سگار دبایا ہوا تھا۔

”آخر اس کا مطلب“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”اگر میری جان ہی لینی ہے تو کسی دن شر کر دیجئے!“

”وہ تو آخری حربہ ہوگا۔“ فریدی نے منہ سے سگار نکال کر کہا اُدھر باسکٹ میں کچھ سینڈویچ بھی ہیں۔ مگر ٹھہرو! تمہیں اٹھنے کے لئے کس نے کہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر حمید کو پھر گھاس کے بستر پر ڈال دیا۔

”آخر یہ کیا بھان متی کا تماشہ ہے۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔

”سب معلوم ہو جا۔ گا۔ فی الحال تم چپ چاپ پڑے رہو۔“

فریدی نے باسکٹ سے کچھ سینڈویچ نکالے اور دو پیالیوں میں کافی بنائی۔

حمید سینڈویچ کھاتے وقت بھی بڑبڑائے جارہا تھا۔ پھر اس نے دفعتاً سر اٹھا کر کہا۔

”ایک تو دن بھر ریگستان میں چتا رہا۔ اس کے بعد یہ مذاق۔ اگر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی تو۔“

”امریکہ سے دوسری منگوا لیتے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”مگر تم غلط سمجھے ہو۔“

”کیا غلط سمجھا ہوں۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”گویا کتے کا پلا تھا۔ اول تو اس طرح بے نکتے پن سے

بلوایا پھر جال میں پھنسا کر۔“

”یہی تو تم نہیں سمجھے۔“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”مگر اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا۔“

”ایک کیا فائدہ ہی فائدہ۔“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ”میرے جسم پر لاتعداد فائدے ہر

جن سے ابھی تک خون بہ رہا ہے۔“

”اچھا پہلے تم اپنا غصہ اتار لو اس کے بعد میں کچھ کہوں گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

کافی ختم ہونے کے بعد فریدی حمید کے زخم دیکھنے لگا۔ کئی جگہ سے کانٹے بھی نکالے۔ زخ

گہرے نہیں تھے۔ معمولی خراشیں تھیں۔

حمید کا غصہ بھی سرد ہو چکا تھا اور وہ اب گھاس کے بستر پر لیٹا ہوا ہوا لے کر رہا تھا۔

”تم سے زیادہ عجیب حالات میں میں یہاں پہنچا ہوں۔“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

”مگر جال میں پھنسا کر۔“

”پھر وہی۔ پہلے سن تولو۔۔۔۔۔ جال میں میں نے نہیں پھنسایا تھا۔“

”یعنی۔۔۔۔۔!“

”بس سنتے جاؤ۔ ٹھہرو۔ یہاں اندھیرا ہی بہتر ہے۔“ فریدی نے کہا اور اٹھ کر موم بتی بجھا دی۔

”خاموش۔“

اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے فریدی آہستہ آہستہ غار کے دہانے کی طرف ریگ رہا ہو۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کسی کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کیں۔ لیکن

”دم سادھے پڑا رہا۔“

”وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔“ فریدی کی سرگوشی پھر سنائی دی۔

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔

”کون۔“

”دہی جنہوں نے تمہیں جال میں پھنسا کر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔“

”وہ کون ہیں۔“

”پھر بتاؤں گا۔۔۔۔۔ چپ چاپ پڑے رہو۔ ورنہ کتوں سے بدتر موت نصیب ہوگی۔“

حمید کی پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں اس پر پھر غشی طاری ہو گئی۔ رات میں کئی بار اس کی

آنکھیں کھلیں۔ لیکن اس بیداری میں شعور کو مدخل نہ تھا۔

دوسرے دن وہ کافی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ فریدی کے جگانے پر اس نے آنکھیں تو

کھولیں لیکن اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ سارے جسم میں درد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مریچیں سی

بھری معلوم ہو رہی تھیں۔

”ارے تمہیں تو اچھا خاصا بخار ہے۔“ فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں۔

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ فریدی خود بخود بڑبڑایا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تغلر کی لکیریں نظر

آ رہی تھیں۔ حمید کچھ بولنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”دواؤں کا بکس بھی یہاں موجود نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں

نپٹنے ہی تم اس حادثے کا شکار ہو جاؤ گے۔“

حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

”میں کہتا ہوں آخر اس طرح بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“ اس نے کہا۔

”حالات ہی ایسے تھے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”حالات! خدا سمجھ ان حالات سے آپ کے ساتھ حالات کے علاوہ اور رہتا ہی کیا ہے۔“

”بھئی بات بھی سنو تو۔“

”سنائیے نا!“ حمید جھنجھلا کر بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

”مجھے بھی اسی طرح کچھ بتائے بغیر روانہ کر دیا گیا تھا۔ ٹیکم گڈھ کے محکمہ سراغ رسانی کا

سپرٹنڈنٹ مجھے اُسی اسٹیشن سے ٹیکم گڈھ لے گیا۔ جس راستے سے تم یہاں آئے ہو۔“

فریدی سگار سلگانے کے لئے رکا اور دو تین کش لینے کے بعد بھی خاموش ہی رہا۔ حمید کو اس

کی اس عادت سے پرانی عداوت تھی۔ وہ ہمیشہ ایک بات کرتے کرتے دوسری بات میں الجھ کر اس

کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

”لیکن کیوں؟ کس لئے؟“ حمید نے پوچھا۔

”یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”کمال کر دیا؟“ حمید بھنا کر بولا۔ ”تو گویا....!“

”اوہ سنو تو....!“ فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”بظاہر بات اتنی ہی ہے کہ یہاں۔“

ناجائز برآمد ہو رہی ہے۔ لاکھوں روپیہ کا سونا ہمسایہ ملک میں ناجائز طور پر بھیجا جا رہا ہے۔“

”تو یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اتنی سی بات کا پتہ بھی نہیں لگا سکا۔“ حمید نے کہا۔

”یہی تو حیرت کی بات ہے!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ سالار

کس وقت اور کس طرح گذرا۔“

”پھر انہیں اس کے متعلق معلوم کیسے ہوتا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہمارے جاسوس ہمسایہ ملک سے اس کی اطلاع دیتے ہیں۔“

”حیرت ہے.... اتنی ذرا سی بات۔“

”ذرا سی بات نہ کہو! بہت ہی منظم گروہ ہے۔ ایک ایک بات کی خبر رکھتا ہے اس کا اندازہ

اب ہوا ہے کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اس کے مقابلے میں کتنا کمزور ہے۔ اب اپنی آمد ہی۔“

بارے میں غور کرو! محض رازداری کے لئے اتنا ٹیڑھا میٹر ہمارا سہ اختیار کیا گیا تھا۔ لیکن انہیں اس کی بھی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت صرف دو ہی تھے۔

دو نہ شانہ میں تمہیں چھڑانے میں کامیاب بھی نہ ہوتا۔“

”وہ ڈرائیور کون تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں نے اس کے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آدمی رہا ہو گا۔“

”مجھے تو اسی پر شک ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے.... اس قسم کی باتوں کے کھل جانے کے ذرائع ایسے ہی ہوا کرتے

ہیں۔ مجرموں کے آدمی محکمہ سراغ رسانی میں بھی موجود ہیں۔“

”تو کیا آپ اسی غار میں رہتے ہیں۔“

”نہیں وہ تو میں تمہاری وجہ سے یہاں آبا تھا۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ اس طرح چھپنا

چھپانا قطعی فضول ہے کیونکہ مجرم ہم سے اچھی طرح واقف ہیں۔“

”پھر کیا کیجئے گا۔“

”دیکھو بھائی ایسے حالات میں موت دو چار ہی قدم کے فاصلے پر ملتی ہے اسی لئے ابھی کچھ

نہیں کہہ سکتا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔“

”آپ ٹیکم گڈھ میں کب سے مقیم ہیں۔“

”تین دن سے۔“

”اور آپ کے ساتھ کوئی خاص حادثہ پیش نہیں آیا۔“

”نہیں قطعی نہیں۔ ممکن ہے اس وقت تک انہیں میری موجودگی کا علم نہ رہا ہو۔“

”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں میرے آنے کی اطلاع تو مل جائے اور آپ کے متعلق کچھ

معلوم نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو ایک ہی جگہ ٹھکانے لگا دینے کی اسکیم بنائی ہو۔“

”اگر یہ بات ہوتی تو صرف دو ہی آدمی نہ آتے اگر وہ میرے متعلق بھی جانتے ہوں گے تو

انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں دو چار آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔“

”یہ نہ کہئے! بے خبری میں بڑے بڑے مارے جاتے ہیں۔“

”ممكن ہے تمہارا خیال درست ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”آپ نے مجھے کس طرح رہائی دلائی تھی۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے وہاں پہنچنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی ورنہ اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔ بہر حال میں اس وقت پہنچا جب وہ تمہیں جال میں پھنسا کر کھینچ رہے تھے۔ پہلے تو میں کچھ سمجھا ہی نہیں۔ لیکن جب تمہاری چیخ سنی تو بے تحاشہ فائر کرنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر تک وہ مقابلہ کرتے رہے لیکن پھر بھاگ نکلے اگر میں جانتا ہوتا کہ وہ صرف دو ہی ہیں تو میں فائر نہ کرنا اس کے بجائے انہیں پکڑنے کی کوشش کرتا۔“

”لیکن اس کے بعد بھی تو وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں.... آں۔“ فریدی بجھا ہوا گارگس لگا کر بولا۔ مگر اس وقت وہ آٹھ دس تھے۔

”آٹھ دس....!“

”ہاں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا کوئی اڈہ یہاں سے قریب ہی ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن مجھے یقین ہے کہ انہیں یہاں میرا موجودگی کا علم نہیں تھا ورنہ وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف ہوتے اور اس وقت ہم کہیں اُپائے جاتے۔“

حمید نے کراہ کر روٹ بدلی اور فریدی اٹھ کر آتش دان کی آگ تیز کرنے لگا۔ آتش دان رکھی ہوئی لوہے کی سلاخ میں کوئی پرندہ لگا ہوا تھا جسے وہ نمک چھڑک چھڑک کر بھونتا جا رہا تھا۔

”تو اب کیا یہیں پڑے رہنے کا ارادہ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں تو.... تم ذرا ٹھیک ہو جاؤ تو ہم ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔“ فریدی۔

سیخ کو آتش دان پر سے اتارتے ہوئے کہا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”اور پھر مجھے اس غار میں وحشت ہوتی ہے۔“

”کتی رومان آفریں جگہ ہے۔ آج تم غروب کا منظر ضرور دیکھنا ہے! حمید تم نے

ڈیوٹ ہو۔ یہاں زندگی ہے پیارے ان چٹانوں سے حیات کے چشمے ابلتے معلوم ہوتے ہیں۔“

”اور لکڑ بھگوں کے خونی قبہتھوں کے متعلق کیا خیال ہے۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔

”چھوڑو بھی۔“ فریدی نے اس کی طرف کافی کا پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ

جہاں ہم بیٹھے ہیں یہ بھی لکڑ بھگے ہی کی پناہ گاہ ہو۔“

”ہو سکتا ہے۔“ حمید دانت پیس کر خاموش ہو گیا۔

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

”ٹیکم گڈھ کے جس ہوٹل میں، میں ٹھہرا ہوں ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ عمدہ کھانا آرام دہ بستر،

تھوڑے کے لوگ، عمارت تو ساری لکڑی کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن اتنی پُر فضا جگہ پر واقع ہے کہ

اس کچھ نہ پوچھو۔ ملازموں میں ایک بھی مرد نہیں سب لڑکیاں ہیں۔“

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ فریدی اسے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

انہوں نے دو دن تک اسی غار میں قیام کیا اس دوران میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔

حمید اب بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن ابھی اس کے لئے ایک جان لیوا مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا

ٹیکم گڈھ تک کا پیدل سفر۔ ٹیکم گڈھ وہاں سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ فریدی سے

”یہ بھی سن چکا تھا کہ راستے میں گھنے جنگلوں کے سلسلے ملتے ہیں جو وحشی درندوں سے پر ہیں

لیکن بہر حال اسے ان جنگلوں کو پار کرنا ہے۔“

تیسری رات وہ ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید کا سوٹ کیس وہیں غار میں ڈال دیا

لیا۔ کپڑے اور دوسری چیزیں شکار کے بڑے تھیلوں میں بھر لی گئی تھیں۔ جنہیں وہ اپنے کاغذوں

پر اٹھائے دشوار گزار راستے طے کر رہے تھے۔

نیلا ہیجان

ٹیکم گڈھ پہنچ کر وہ اسی ہوٹل میں اترے جہاں فریدی سے پہلے مقیم تھا۔ عمارت کچھ زیادہ

نکا نہیں تھی۔ مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے صرف بیس کمرے تھے اور پوری عمارت میں

ٹائیڈی کہیں سینٹ یا پتھر استعمال کیا گیا ہو۔ عمارت تھی تو لکڑی ہی کی لیکن سلیقے سے بنائی گئی

تھی۔ بیرونی دیواریں جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی بھورے رنگ کی وارنش

سے رنگی گئی تھیں اندر کی طرف پاٹ تختے لگا کر انہیں ہموار بنایا گیا تھا اور ان پر سفیدے کا پائٹ تھا۔ یہاں پر زیادہ تر غیر ممالک کے سیاح ٹھہر کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ مصور ہوتے تھے اور کچھ ایسے جنہیں کوہ پیائی کا شوق یہاں کھینچ لاتا تھا۔ کبھی کبھی لمبے بالوں والی لومڑیوں کے شکاری بھی آٹھہرتے تھے۔

محل وقوع کے اعتبار سے ٹیکم گڈھ کے لوگ اسے ”رٹک ارم“ کہتے تھے۔ یہ انتہائی اونچائی پر بنایا گیا تھا کہ یہاں سے دور دراز پہاڑی سلسلوں کی برقانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی تھیں جن پر طلوع و غروب کے وقت قوس قزح کے رنگ پھیلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ نشیب میں دور تک سدا بہار درختوں کے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ داہنی طرف کے ڈھلوانوں میں ایک پہاڑی نار چٹانوں سے ٹکرا کر جگمگاتے ہوئے قطروں کے موتی اچھالتا ہوا بہہ رہا تھا۔ آگے چل کر اس نے ایک وسیع جھیل کی شکل اختیار کر لی تھی اور پھر اس کا پانی آگلی پہاڑیوں کی دراڑوں میں گھس کر جانے لگتا اور نالے بناتا تھا۔

فریدی اس ہوٹل میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے رپورٹر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ قیام مقصد سیر و شکار بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے جب وہ حمید کے ساتھ بحالت تباہ ہوٹل میں داخل ہوا کسی نے ذرہ برابر حیرت کا بھی اظہار نہ کیا۔ اس نے جو کمرہ لے رکھا تھا وہ دو آدمیوں کے لئے اور منیجر کو یہ معلوم تھا کہ اس کا کوئی اور ساتھی بھی آنے والا ہے۔ فریدی نے راستے ہی میں حمید تھوڑا بہت حلیہ تبدیل کر دیا تھا اور اب وہ ایک نوجوان کے بجائے پینتیس چالیس کا آدمی معلوم ہونے لگا تھا۔ اگر اس پر حملہ نہ کیا گیا ہوتا تو شاید فریدی اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا بلکہ اب اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ چونکہ محکمہ سراغ رسانی کا ڈرائیور اسے پہچان تھا اس لئے اصلی صورت میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے کے بعد وہ بالکونی میں آ بیٹھے۔

”تو کیا تم جھوٹ سمجھتے تھے۔“ فریدی بجا ہوا سگار نیچے پھینکتا ہوا بولا۔

”لیکن آپ نے مجھے بوڑھا بنا کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔“ حمید نے ایک ویٹرس پر نظر جمایا ہوئے کہا جو قریب سے گذر رہی تھی۔ پھر اس نے اسے روک کر پوچھا کیا یہاں پرنس ہنر تباہ کر سکے گا۔“

”جی نہیں وہ تو نہیں ہو گا۔ کارلٹن اور کیپٹن ہیں۔“ ویٹرس نے کہا۔
”کارلٹن تو ہلکا ہوتا ہے۔ خیر ایک ٹن کیپٹن کا دے جاؤ۔“
”چھوٹا بڑا۔“

”چار اونس والا۔ لیکن ذرا۔۔۔!“ حمید ایک آنکھ دبا کر بولا۔ ”خیر جاؤ۔“
ویٹرس مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

”تم نے شروع کر دیں اپنی حرکتیں۔“ فریدی براسمانہ بنا کر بولا۔
”کیسی حرکتیں! آپ تو خواہ مخواہ جان کو آجاتے ہیں۔“ حمید نے بھنا کر کہا۔ ”میں نے کسی رات سے بات کی اور آپ کے دماغ میں زلزلہ آیا۔ پھر کس سے کہتا۔ کیا یہاں کوئی مرد نوکر ہے۔“
”تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی۔“
”پھر تو نہیں مارا تھا۔“ حمید جھلا کر بولا۔ اگر آنکھ مارنے سے اس کا پیٹ پھٹ گیا ہو تو میری دن اڑا دیتے۔ بھلا بتائیے اب کوئی آنکھ بھی نہ مارے۔“

”تو گویا آنکھ مارنا کوئی بڑا فریضہ ہے۔“

”جی نہیں آپ کی طرف برہمچاری ہو جانے میں نزوان ہے۔“ حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔
یہ بحث یہیں تک پہنچی تھی کہ ویٹرس تباہ کولے کر آگئی۔
”کیوں بھی تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔“ حمید نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی نے گھورنے لگا۔

”چوٹ۔۔۔!“ وہ چونک کر بولی۔ ”کیسی چوٹ۔“

”ہم سمجھ شاید تم زینے پر لڑکھرائی تھیں۔“ فریدی جلدی سے بولا۔

”جی نہیں۔۔۔ نہیں تو۔“

”خیر ہمیں دھوکا ہوا ہو گا۔“ فریدی نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے تباہ کولے کے دام ادا کئے اور ایک بار پھر اسے آنکھ مار کر رخصت کر دیا۔

”حمید تمہاری شامت تو نہیں آگئی۔“ فریدی جگڑ کر بولا۔ ”کم از کم میرے ساتھ رہ کر تم ناری ہوئی حرکتیں نہیں کر سکتے۔“

”بھلا اس میں گراوٹ کی کیا بات ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”میں سچ مچ تمہیں چاٹنا مار دوں گا۔“
 ”یہ یقیناً ایک گری ہوئی حرکت ہوگی۔“ حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ”کیونکہ چاٹنے سے
 چوٹ لگتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کا ارشاد ہے کہ ارشاد احمد، ارشاد علی اور ارشاد حسن وغیرہ مسلمانوں
 کے نام ہوتے ہیں، ہندوؤں کے نام رام کھلاؤں.... رام....!“
 ”بکومت۔“ فریدی نے جھنجھلا کر اس کا منہ دبا دیا۔
 ”ہوں.... ہوں.... کہیں میک اپ نہ بگڑ جائے۔“ حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔
 ”خیر بیٹے گھبراؤ نہیں جلد ہی ساری چپک بند ہو جائے گی۔“ فریدی بے بسی سے بولا۔
 ”کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔“ حمید اکڑ کر بولا۔
 ”نہیں عورتوں کی موجودگی میں تو تم خاصے تمیں مار خاں معلوم ہوتے ہو۔“ فریدی۔
 زہر خند کے ساتھ کہا۔
 تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید سنجیدگی سے بولا۔
 ”تو اب کیا پروگرام ہے۔“
 ”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔“ فریدی سگار سلگا کر برقیلی چوٹیوں پر نظریں گاڑتا ہوا بولا
 ”کام کس طرح شروع کیا جائے۔ یہ خود ایک اپنی جگہ پر بہت بڑا سوال ہے۔ ہمارے پاس فی الحال
 اس اطلاع کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہوتی ہے۔“
 ”اور وہ بھی اس طرح کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے۔“
 مسکرا کر بولا۔
 ”کیا تمہارے اس جملے میں کوئی خاص اشارہ پنہاں ہے۔“
 ”اوہ....!“ حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ ”یہ ایشیا کا معروف سراغ رساں مجھ سے پوچھ رہا ہے۔“
 فریدی پُر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔
 ”تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کہ شروعات اس ڈرائیور سے کی جا
 کیونکہ تمہاری آمد کاراز افشا ہو گیا تھا۔“
 ”جناب والا۔“ حمید قدرے جھک کر بولا۔ ”یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ فریدی ہونٹ بھیج کر بولا۔ ”شاید ابھی تک تمہارے ذہن پر لکڑ بھلوں

”یہ سامنے کی بات صرف اندھے ہی ٹٹول سکتے ہیں۔“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔
 ”ڈرائیور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہوگا کہ تم پر کیا گزری۔ ایک احمق سے احمق آدمی یہ
 جانتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کہاں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام کہاں ہو سکتا ہے۔ غالباً
 اتنی عقل تو وہ بھی رکھتا ہوگا کہ تمہیں اس ویران مقام پر تنہا چھوڑ دیا جانا خالی از علت نہیں لہذا ایسی
 صورت میں فوراً ہی حملہ کر دیا جانا ڈرائیور کے سازش میں شریک ہونے کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔“
 ”او نہہ! مارے گولی۔“ حمید اکتا کر بولا۔ ”میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں خاصی تفریح
 رہے گی۔“
 ”خاصی۔“ فریدی نے کہا اور اپنی نظریں افق پر گاڑ دیں۔ ”ٹیکم گڈھ واقعی دلچسپی جگہ ہے۔
 مجھے افسوس ہے میں پہلے بھی کبھی یہاں کیوں نہیں آیا۔ یہاں رہ کر آدمی تین مختلف تہذیبوں
 سے قریب ہو جاتا ہے۔ تین ملکوں کی سرحدیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک
 ہمارا سونا ہڑپ کر تار ہوتا ہے۔“
 فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ بالکونی کے دوسرے کنارے پر قدموں کی آہٹ سنائی
 دے رہی تھی۔
 ”ہیلو کیپٹن یادو۔“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ”آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔“
 ”اوہ.... مس ریو کا۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”آئیے آئیے! ذرا شکار کے لئے نکل گیا تھا۔“
 حمید بھی کھڑا ہو گیا اس کے سامنے ایک انتہائی حسین عورت نیلے اسکرٹ میں کھڑی ہوئی
 تھی۔ عمر چھپیس ستائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ بڑی بڑی آنکھیں نشیلی ضرور تھیں لیکن ان میں
 کجا جگہ درندگی بھی چھپی ہوئی تھی۔ مسکراتے وقت گالوں پر ہلکے ہلکے گڑھے پڑ جاتے تھے۔
 ”آپ میرے دوست کیپٹن جلیس ہیں۔“ فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ ”شکاری
 آدمی ہیں اور آپ مس ریو کا ایک بلند پایہ مصور۔ آپ کی ایک تصویر اس سال پیرس کی بین الاقوامی
 نمائش میں جانے والی ہے۔“
 ”مجھے انتہائی مسرت ہوئی ہے آپ سے مل کر۔“ حمید اس سے ہاتھ ملاتے وقت قدرے

جھک کر بولا۔

”مسٹر راجیل تو نہیں دکھائی دیئے۔“ رینو کا نئے فریدی سے پوچھا۔ ”میں ان کی تلاش میں ہوں۔“
”میں نے انہیں کچھ دیر قبل تمباکو نوشی کے کمرے میں دیکھا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”معاف کیجئے گا میں غل ہوئی۔“ اس نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا اور رینو کا حمید کے حواس خمسہ کو جھنجھوڑتی ہوئی نیچے چلا گیا۔
”آپ کا جغرافیہ۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”جتنا میں نے تمہیں بتایا ہے اس سے زیادہ میں خود نہیں جانتا۔“ فریدی لا پرواہی سے بولا۔
”نہ جانے آپ کس پتھر کے بنے ہیں۔“

”ہٹاؤ ہٹاؤ۔“ فریدی احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔“
”سورج غروب ہو چکا تھا افق میں پھیلے ہوئے رنگین لہریوں پر سیاہی غالب آتی جا رہی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

”دگرگج کے درے پر ایک فوجی دستہ تعینات ہے اور وہاں ایک پولیس چوکی بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور مناسب راستہ بھی نہیں ہے۔“

”یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے۔“ حمید نے کہا۔
”میں اپنا خیال نہیں ظاہر کر رہا ہوں۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”یہ یہاں

کے محکمہ سراغ رسانی کی رپورٹ ہے۔“
”تو آپ کب تک اس رپورٹ کو پیش کرتے رہے گا۔“ حمید آکٹا کر بولا۔

”جب تک کوئی خاص کڑی میرے ہاتھ نہ آجائے۔“
”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں ابھی آتا ہوں۔“

فریدی اسے گھورنے لگا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ حمید نے لاابالی پن کے ساتھ اپنے شانوں کی جنبش دی اور نیچے چلا گیا۔ ڈائنگ ہال میں برتن کھٹک رہے تھے اس کی نظریں بے شمار سروں سے پھسلتی ہوئی اس عورت پر جا کر رک گئیں جس سے فریدی نے تھوڑی دیر قبل تعارف کیا تھا۔ وہ ایک ایکسٹریم قسم کے آدمی کے ساتھ بیٹھ رہی تھی۔ پھر حمید کو وہ لڑکی دکھائی دی جس نے

اس نے تمباکو منگوایا تھا۔

حمید نے اپنی طرف متوجہ کرنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتاً باہر شور سنائی دیا۔ دو تین آدمی بھاگ کر اندر آئے ان میں ہوٹل کا چوکیدار بھی تھا۔

”ایک نئی آفت۔“ چوکیدار نے منبر کے کمرے کی طرف بھاگتے ہوئے کسی سے کہا۔
ڈائنگ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ کچھ تو گھبراہٹ میں کمرے ہو گئے۔

اور پھر چند لمحے بعد منبر اپنے کمرے سے نکل کر تیزی سے اوپری منزل کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ بقیہ لوگ کھڑکیوں اور دروازوں کے قریب اکٹھا ہو رہے تھے۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں میں شامل ہو گیا۔ لوگوں کی نظریں مغربی افق پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں پہاڑی سلسلوں کے پیچھے سے ایک تیز قسم کی نیلی روشنی پھوٹ رہی تھی اور پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبے ریختے معلوم ہو رہے تھے۔

”دروازے اور کھڑکیاں بند کرو۔“ بارنڈر کاؤنٹر پر سے چیخا۔
”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ حمید نے قریب کھڑے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

”خبر نہیں صاحب، میں بھی یہاں اجنبی ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔
باہر بدستور شور جاری تھا۔ شاید یہ نیچے آبادی کا شور تھا۔ حمید تیزی سے اوپری منزل کے

زیچے طے کرنے لگا۔
اوپر بالکونی میں مجمع بڑھ گیا تھا۔ منبر چیخ چیخ کر لوگوں سے اندر چلے جانے کی درخواست کر رہا تھا۔

”آخر یہ ہے کیا۔“ کئی آدمیوں نے بیک وقت پوچھا۔
”میں بتاؤں گا.... لیکن آپ لوگ اندر تو چلئے۔ ورنہ میں کسی کی موت کا ذمہ دار نہ ہوں گا۔“

لوگ ایک ایک کر کے کھٹکے لگے پھر کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ اس نیلے جہان اور موت سے کیا تعلق۔ روشنی لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور اب تو قریب کے درختوں اور ہوٹل کی دیواروں پر بھی اس کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ دبا کر اسے منبر کے پیچھے چلے کا اشارہ کیا۔

”سب نیچے ڈائنگ ہال میں جمع ہو گئے جو لوگ پہلے ہی سے نیچے تھے ان کے چہروں پر خوف

کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ شاید انہیں پہلے ہی کچھ معلوم ہو گیا تھا۔

فیجر کاؤنٹر کے قریب رک کر مجمع پر نظریں دوڑاتا ہوا اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

”کچھ بولو بھی۔“ مجمع سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

”حضرات!“ فیجر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ”میں یہ نہیں کہتا کہ آج بھی کوئی حادثہ ضرور پیش آئے گا۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ میرا۔۔۔۔ میرا ہی نہیں بلکہ پورے ٹیکم گڈھ کی آبادی کا اندیشہ بے بنیاد ہو لیکن احتیاط شرط ہے۔“

”عجیب آدمی ہو۔۔۔۔ صاف صاف کہو۔“ کسی نے چیخ کر کہا۔

”آج سے چھ ماہ قبل اس طرح سے چنگاریاں اڑتی دکھائی دی تھیں اور کئی بہت بڑے بڑے شعلے ٹیکم گڈھ کی آبادی میں آگرے تھے جس سے کافی نقصان ہوا تھا اور کئی جانیں بھی ضائع ہوئی تھیں۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ سرحد پار کے ایک ملک کے سائنسدانوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا تھا آپ نے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا ہو گا۔“

”احتیاط کی دم۔“ کوئی شرابی نشے میں بڑبڑایا۔ ”احتیاط کی ماں کی ناک۔“

”آپ لوگ اس وقت براہ کرم باہر نہ نکلیں۔“ فیجر پھر بولا۔ ”جب تک یہ بیجان فرو نہ ہو جائے۔“

پورے ہال میں عجیب طرح کی ہنسنہانٹ گونجنے لگی۔ شرابی کی آواز ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

”بیجان۔۔۔۔۔ سالہ۔۔۔۔۔ قیامت تک فرو نہ ہو گا۔“ وہ جھومتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف

بڑھنے لگا۔

”مسٹر میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔“ فیجر تیز لہجے میں بولا۔

”استدعا کی۔۔۔۔!“ وہ پلٹ پڑا۔ ”استدعا کے بچے بتاؤ میری جان۔۔۔۔۔ استدعا۔۔۔۔۔ الگ۔۔۔۔۔

دعا الگ۔۔۔۔۔ تم دعا کرو اور میں اپنے کمرے میں جا کر استدعا کرتا ہوں۔ داہنا ہاتھ سلامت ہے تو

کیا پرواہ ہے۔“

وہ بے ڈھنگے پن سے گاتا ہوا تمباکو نوشی کے کمرے میں چلا گیا۔

”یہ کیا معاملہ ہے؟“ حمید نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

”خبر نہیں۔۔۔۔۔ لیکن چیز دلچسپ ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”آخر ہم کب تک بند رہیں گے۔“ کسی نے فیجر سے پوچھا۔

”جب تک وہ روشنی ختم نہ ہو جائے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ احتیاط ضروری ہے۔“

”احتیاط کی ماں کی ناک۔“ تمباکو نوشی کے کمرے سے شرابی کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد آسمان پھر پہلے کی طرح صاف ہو گیا اور تمام دروازے کھول دیئے گئے۔

قرب و جوار میں کہیں کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔

فریدی بہت زیادہ خاموش نظر آ رہا تھا۔ اس نے اس کے متعلق کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی۔

حمید اسکے اس رویے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اس کی دانست میں یہ حیرت کی بات تھی ایسی عجیب و

غریب بات سامنے آئے اور فریدی خاموش رہ جائے۔ یہ اس کی فطرت کے سراسر خلاف تھا۔

وہ دونوں کھانا کھا چکنے کے بعد پھر بالکونی میں آ بیٹھے لیکن اس وقت وہ یہاں تنہا نہیں تھے۔

البتہ فریدی نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جو سب سے الگ تھلگ تھی۔

”آخر یہ کیا تھا؟“ حمید نے پھر پوچھا۔

”اماں رہا ہو گا کوئی ڈھونگ۔“ فریدی منہ سکڑ کر بولا۔

”ڈھونگ تو میں اس وقت سمجھتا۔“ حمید نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”جب لوگ۔“

اُسے کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھنے پر مصر ہوتے۔“

”ہو گا کچھ۔“ فریدی سہار سلگاتا ہوا بولا۔ اس کے لہجے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس

موضوع پر کوئی بات نہیں کرتا چاہتا۔ حمید کی نظریں انہیں پہاڑوں کی طرف اٹھی ہوئی

تھیں۔ جدھر کچھ دیر قبل نیلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً پھر نیلی روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا

اور لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسی طرح تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کئی بار جھماکے

ہوئے اور پھر ساری پہاڑیاں نیلی روشنی سے نہا گئیں لوگ پھر اٹھ اٹھ کر اندر کی طرف بھاگنے

لگے۔ فریدی اور حمید نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن نیچے ہال میں پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ

فریدی اس کیساتھ نہیں ہے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

ہال کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں اور لوگ سبے بیٹھے تھے۔

حمید نے رینو کا کو دیکھا جس کی آنکھیں نشے میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ بار بار اپنے ساتھی کے

شانے پر سر رکھ دیتی تھی۔ حمید اس طرح منہ بنانے لگا جیسے نادانستگی میں کوئی کڑوی کیلی چیز کھالی

ہو۔ قریب تھا کہ اس کا دماغ بہک جائے اسے یاد آیا کہ فریدی موجود نہیں۔ اس نے پھر ادھر

اُدھر نظریں دوڑائیں۔ یک بیک اُسے کچھ خیال آیا اور وہ اس کمرے کی طرف لپکا جس میں دونوں مقیم تھے۔ کمرہ بھی خالی ملا۔

تھوڑی دیر میں اس نے پوری عمارت چھان ماری لیکن فریدی نہ ملا۔ آخر وہ پھر تھک ہار کر ڈانٹنگ ہال میں آ بیٹھا۔ روشنی اب اتنی تیز ہو گئی تھی کہ دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اب خوف کے پہلے سے آثار نظر نہیں آ رہے تھے لوگ شراب یا کافز پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رینو کا اپنی میز پر تنہا تھی اس کی نشے سے بوجھل پلکیں جھکی جا رہی تھیں کبھی کبھی وہ آنکھیں پھاڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ ”ارے! ارے۔“ کئی آوازیں سنائی دیں اور کچھ لوگ دروازے کی طرف لپکے۔ حمید بھی اُن کے پیچھے تھا۔ رینو کا کاسا تھی اُسے اندر کھینچ لایا۔ وہ نشے میں نہ جانے کیا کیا بک رہی تھی۔ پھر نیا روشنی کے درمیان سے ایک ہوائی سی چھوٹی اور فضا میں چنگاریاں بکھیرتی ہوئی ہوٹل کی عمارت سے گذر گئی اس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ کہیں دور شور سنائی دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

سفید حادثہ

حمید رات بھر جاگتا رہا۔ فریدی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اگر حمید ٹیکم گڈھ میں نودا نہ ہوتا تو شاید کبھی کا فریدی کی تلاش میں نکل گیا ہوتا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر ایک عجیب قسم کا خوف مسلط تھا، جسے موت کا خوف نہیں کہا جاسکتا۔ یونہی بس بے نام سا ایک خوف۔ آباد سے کسی حادثے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ہوائی آبادی میں نہیں گبری تھی۔ بلکہ اسے کسی گرتے ہی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سیدھی مغرب سے مشرق کی طرف چلی گئی تھی۔

تقریباً چار بجے فریدی آیا اس نے اپنا کوٹ اتار کر کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور ٹائی کی گرہ تہ پر جھول رہی تھی۔ بال پریشان تھے۔ گھٹنوں پر پتلون میلی ہو رہی تھی اس پر گھاس کے ہرے ہرے دھبے بھی تھے۔

اس نے آتے ہی کوٹ ایک طرف اچھال دیا اور خود آرام کرسی پر گر کر ہانپنے لگا

”اس حلقے میں آپ صدر دروازے میں داخل ہوئے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔
”نہیں پچھلی دیوار پھلانگ کر یہاں تک پہنچا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن جلدی کرو۔ میرا سلیپنگ سوٹ کہاں ہے۔“

اس نے جلدی جلدی کپڑے اتار کر سلیپنگ سوٹ پہن لیا اور اتارے ہوئے کپڑے ایک ڈولے میں باندھ کر باہر نکل گیا جب وہ چند لمحوں کے بعد واپس آیا تو خالی ہاتھ تھا۔
”چلو الٹ جاؤ.... بستر پر اور سونے کی کوشش کرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا اور اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

”آخر کیا بات ہے۔“

”چپ چپ! ملٹری کے کچھ سپاہی میرے تعاقب میں ہیں۔ ممکن ہے یہاں کی تلاشی لی جائے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”اوہ....!“ حمید معنی خیز نظروں سے سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن کپڑے کہاں چھپائے۔“
”تالے میں.... وہ اب تک کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہوں گے۔“

دونوں خاموش ہو گئے۔ چند ہی ٹاپے بعد دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لکڑی کی عمارت بھاری بھر کم جوتوں کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ حمید آنکھیں ملنے لگا تاکہ اگر اس کمرے کی بھی تلاشی ہو تو آنے والے یہی سمجھیں کہ وہ اچانک جاگا ہے۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے ان کا دروازہ بھی پیٹا۔ حمید چپ چاپ دم سادھے لیٹا رہا۔ دروازہ بدستور پیٹا جا رہا تھا۔

”کون ہے؟“ فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ پھر بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ ”کیا بیہودگی ہے۔ میں نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا۔“

پھر اس نے بجلی جلادی۔ حمید بھی اٹھ بیٹھا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھول دیا ایک لیفٹیننٹ سپاہیوں کے ساتھ اندر گھس آیا اس نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا! پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
”اس کا مطلب....!“ فریدی گرج کر بولا۔

”شور مت مچاؤ! ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے۔“ لیفٹیننٹ نے کہا۔

”گرہ آہ۔۔۔“ فریدی حلق بکے بل چیخا۔ ”ورنہ ٹھوکر مار نکال دوں گا۔ تمہارے جیسے سبکد

لیفٹیننٹ میرے بوٹ صاف کرتے ہیں۔“

”سٹ آپ۔“ لیفٹیننٹ گرجا۔

اتنے میں ہوٹل کا منیجر بھی آگیا۔

”اوہ کیمپٹن صاحب۔“ وہ فریدی کی طرف منہ کر کے بولا۔ ”بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک

مشتبہ آدمی کو ہوٹل کی دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔“

”اور اب وہ مشتبہ آدمی ہماری جیبوں میں آچھا ہے۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”میر

نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا اور لیفٹیننٹ صاحب یہ آپ کس کے حکم سے ٹرپ

آدمیوں کے دروازے پیٹتے پھر رہے ہیں۔ یہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے اور پھر آپ کو تلاشی لینے

حق کب پہنچتا ہے۔ وارنٹ ہے آپ کے پاس۔“

”بات دراصل یہ ہے۔“ لیفٹیننٹ کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ”میں ابھی تمہارے یونٹ کمانڈر کو فون کر

ہوں۔ غالباً تم وگراج کے درے والے دستے سے تعلق رکھتے ہو۔“

”بات تو سنئے۔“

”اگر تمہیں کوئی مشتبہ آدمی دکھائی دیا تھا تو تمہیں ہوٹل کا محاصرہ کرنے کے بعد مقامی پول

کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔ تم کس طرح گھس پڑے۔ کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ۔“

”چار....!“

”بقیہ دو کہاں ہیں۔“

”دوسرے کمروں میں تلاشی لے رہے ہیں۔“

”اور دروازہ خالی ہے! بہت اچھے! کیا کارگزاریاں ہیں۔ لیجئے جناب یہ کمرہ بھی حاضر ہے۔“

وہ تینوں ادھر ادھر دیکھ کر جانے لگے۔

”ٹھہریئے۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ کو شبہ ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا۔“

مستقل طور پر یہاں رہتا ہے۔“

”ہاں! ورنہ وہ یہاں گھسنے کی ہمت ہی نہ کرتا۔“ لیفٹیننٹ نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اس کی شکل دیکھی تھی۔“

”نہیں۔“

”دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔“

”ہاں....!“

”تو پھر فائر کیوں نہیں کیا۔“

لیفٹیننٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔

”کس بات کا شبہ تھا اس پر۔“

”اس سے آپ کو کیا سروکار۔“ لیفٹیننٹ نے جھلا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

فریدی نے دروازہ بند کرتے وقت پلٹ کر حمید کو آنکھ ماری.... اور شرارت آمیز انداز میں

مسکرائے لگا۔

”یہ کیا دھماچو کڑی تھی۔“

”چھوڑو یار۔ خواہ مخواہ ایک سوٹ ضائع ہو گیا۔ میں اسے اتنا ڈیوٹ نہیں سمجھتا تھا۔“

”لیکن یہ لوگ کس طرح اور کہاں سے آپ کے پیچھے لگ گئے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کچھ نہ پوچھو۔“ فریدی بیٹھ کر سر گارسلگاتا ہوا بولا۔ ”بہر حال یہ سوچنا فضول ہے کہ سرحد

کے نگہبان غافل رہتے ہیں۔“

”میں کچھ سمجھا نہیں۔“

”یار تم بعض اوقات بھیجا جا چاٹ جاتے ہو۔ میں وگراج کے درے کی طرف نکل گیا تھا۔ محض

یہ دیکھنے کے لئے کہ نگہبان کس موڑ میں ہیں۔ تم نے ابھی وہ جگہ نہیں دیکھی۔ کچھ ایسی الٹی

سیدھی چٹائیں ہیں کہ پوری پلٹن ان کی اوٹ لیتی ہوئی سرحد پار کر جائے اور کسی کو کانوں کان خبر

نہ ہو۔ لیکن اس وقت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نگہبانوں کی عقابی آنکھوں سے ایک آدمی بھی چھپ

نہیں سکتا۔ نہ جانے انہوں نے کب مجھے دیکھ لیا۔“

”پھر....!“ حمید بے چینی سے بولا۔

”پھر کیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تم خود سوچ سکتے ہو کہ ہمارا سوگم کس طرح سرحد پار کرتا ہے۔“

”ایسی حالت میں تو واقعی تعجب خیز ہے۔“

”خیر.... خیر چھوڑو۔ اس بار بڑا لطف رہے گا۔“ فریدی بستر پر لیٹ کر چادر کھینچتا ہوا بولا۔

”پانچ بج رہے ہیں کچھ نہ کچھ تو سوتا ہی چاہئے۔“

حمید ابھن مٹی ضرور مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن نیند کے بوجھ سے دبے ہوئے مضحل دماغ نے کسم کی خلش گوارانہ کی اور بہت جلد بے خبر ہو گیا۔

اور پھر جب وہ فریدی کے جھنجھوڑنے پر اٹھا تو میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس نو بجاری تھی۔
”نو بج تو بجے ہیں ابھی۔“ حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔

”تو اٹھا رہے تو کبھی نہیں بجیں گے۔“ فریدی نے اسے سیدھا کر دیا۔

حمید اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے گھورنے کی کوشش کرنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ مجھے قبر سے بھی اکھاڑ لائیں گے۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”بشرطیکہ تمہاری لاش پوسٹ مارٹم کے بغیر دفن کر دی گئی۔“ فریدی سرگارساگتا ہوا بولا۔

”وہ رہا تو لیہ.... اور غسل خانہ ادھر ہے جلدی کرو ورنہ قبل از وقت بوڑھا کر دوں گا۔ اس

وقت میرا موڈ بہت خراب ہے۔“

حمید اسے گھورتا ہوا پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”ایک حیرت انگیز خبر ہے۔ حمید صاحب! انتہائی حیرت انگیز۔“ فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔

حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

”وگرا جگھاٹ پر اُسی مقام پر ایک لاش پائی گئی ہے جہاں کل رات کو میں چھپنے کی کوشش

کر رہا تھا۔“

”بڑی حیرت انگیز خبر ہے۔“ حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ ”یہ لاش کیا چیز ہوتی ہے فریدی صاحب؟“

”اگر سیدھی سادھی لاش ہوتی تو میں تمہیں طنز کرنے کا موقع نہ دیتا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”یعنی....!“

”یعنی یہ کہ جو مرنے سے قبل چھپیں یا ستائیس سال کا تھا مرنے کے بعد اسی سال سے کم

معلوم نہیں ہوتا۔“

حمید متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھنے لگا۔

”یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کا سرجنٹ رمیش جس کی عمر ستائیس برس سے زیادہ نند

تھی۔“ فریدی پھر بولا۔

”تو پھر....!“

”مرنے کے بعد اس کے جسم کے روئیں تک سفید ہو گئے ہیں۔ حد یہ کہ پلکوں کے بال بھی۔“

”مرا کس طرح۔“

”یہ ابھی تک پردہ رازی میں ہے۔“

”آپ لاش دیکھ آئے ہیں۔“

”نہیں۔“

”تب تو یہ ایک شاندار غپ معلوم ہوتی ہے۔“ حمید تویہ کاندھے پر ڈال کر اٹھتا ہوا بولا۔

”میں نے بھی پہلے اسے غپ ہی سمجھا تھا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن ابھی نصرت

صاحب نے بھی مجھے فون پر اس کی اطلاع دی ہے۔“

”نصرت صاحب۔“

”ہاں ہاں.... یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ۔“

”تب تو واقعی حیرت ہے۔“

”ہم وہیں چل رہے ہیں جلدی کرو۔“

دس بجے وہ دونوں کو توالی کی طرف روانہ ہو گئے کو توالی کے سامنے اتنی بھیڑ تھی کہ ٹریفک

رک گیا تھا۔ وہ دونوں کسی نہ کسی طرح چھانک تک پہنچے یہاں پہرے داروں نے انہیں روکا۔

پہرے دار اس کے اشارے پر ایک طرف ہٹ گیا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔

اندر بھی خاصی بھیڑ تھی۔ دو ایک آفیسروں نے انہیں گھور کر دیکھا۔ لیکن محکمہ سراغ

رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت انہیں دیکھ کر ان کی طرف بڑھا۔

”ہیلو کیپٹن یادو....!“ اس نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ غالباً اس عجیب و غریب

حادثے کی خبر آپ کو یہاں کھینچ لائی ہے۔ آپ کی تعریف۔“

”میرے دوست کیپٹن جلیس۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”میں لاش دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”آپ کیپٹن یادو سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندے ہیں۔“ میجر نصرت نے ڈی۔ایس۔ پی

کے سے کہا جو قریب ہی کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔

”اوہ....!“ وہ فریدی سے ہاتھ ملا کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

لیوں کو محب شیشے کی مدد سے دیکھنے لگا۔

دفتراحمید نے اس کے چہرے پر آسودگی کے آثار دیکھے پھر فریدی نے اپنے ہونٹ سکوڑے۔
 پر خیال انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور میجر نصرت کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔
 ”پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ کا علم صرف آپ اور سول سرجن تک محدود رہنا چاہئے۔“
 فریدی نے کہا۔

”کیوں....؟“ میجر نصرت چونک کر بولا۔

”ریش ڈیوٹی پر ہی تھا۔“

”ہاں....!“

”وگرارج کے درے پر....!“

”ہاں....!“

”تو ایسی صورت میں اس کی موت کا تعلق ان واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جن کے سلسلے میں
 رہا ہاں طلب کیا گیا ہوں۔“ فریدی نے محب شیشہ میجر نصرت کو واپس کرتے ہوئے کہا۔
 ”اوہ....! مگر....!“

”آپ اس کے متعلق سول سرجن کو پہلے ہی سے بتا دیجئے! باقاعدہ طور پر آپ کو جو رپورٹ
 ملے وہ گول مول قسم کی ہونی چاہئے۔ مثلاً یہ کہ موت پُر اسرار طریقے پر ہوئی یا اچانک دوران
 لہند ہو جانے کی بناء پر ہوئی یا کوئی اور بات بہر حال حقیقت چھپانی ہے۔“

بوڑھی لاش کا راز

بوڑھا میجر نصرت تجر آمیز انداز میں فریدی کو گھور رہا تھا اور فریدی لاش پر پھر جھک گیا تھا۔
 لانے اس کے سارے جسم کے کپڑے الگ کر دیئے تھے اور غور سے ایک ایک حصے کو دیکھ رہا
 فلتھوڈی دیر کے بعد اس نے اس پر چادر ڈال دی۔

”کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہیں۔“ میجر نصرت نے پوچھا۔

”جی ہاں! ایک نہایت معمولی بات ہے! آپ ان انگلیوں پر یہ نشان دیکھ رہے ہیں۔“ فریدی

پھر وہ اس کمرے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں لاش رکھی ہوئی تھی۔

لاش پر سے چادر ہٹتے ہی حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چہرہ واقعی جو انوں کا
 مگر سر کے بال۔ بھوسیں پلکیں سب سفید برف کے گالوں کی طرح بے داغ۔ کمرے میں ان کے
 کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فریدی غور سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفتراوہ چونک پڑا اس
 مرنے والے کا داہنا ہاتھ اٹھا کر کچھ دیکھا۔ پھر بے چینی سے اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

”ایک محب شیشہ چاہئے۔“ اس نے نصرت سے کہا۔

”محب شیشہ.... اچھا۔“ میجر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”مگر میرا ہینڈ بیک

یہیں ہو گا۔“

وہ پھر لوٹ پڑا اور چھوٹی سی میز پر رکھا ہوا ایک ہینڈ بیک کھولنے لگا۔

”ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کیس کے متعلق۔“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”بھئی میں نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔ بعض ضعیف الاعتقاد اسے کوئی شیطانی حرکت
 ہیں۔ رات والی نیلی روشنی.... آپ کو اس کا حال معلوم ہوا؟ غالباً آپ نے بھی دیکھی ہوگی
 ”مجھے معلوم ہے! لوگوں کے خیال کے مطابق وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ
 ”چنگاریوں کی وہ بو چھاڑ بھی دیکھی تھی آپ نے جن کا رخ مشرق کی طرف تھا۔
 نصرت نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کا رخ وگرارج کے درے ہی کی طرف تھا۔“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ریش اُس حربے کا شکار ہو گیا ہے۔“ میجر نصرت بولا۔

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر کی کیا رائے ہے؟“

”صحیح حال تو پوسٹ مارٹم کے بعد ہی معلوم ہو گا۔ ویسے سول سرجن کی رپورٹ کے

موت اچانک دوران خون بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔“

”اور بالوں کی سفیدی؟“

”اس بارے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو گا۔“

”ہوں....!“ فریدی دوبارہ لاش پر جھٹکا ہوا بولا۔ ”شیشہ“

میجر نصرت نے محب شیشہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ فریدی لاش کے داہنے

فریدی نے سارے واقعات مختصر الفاظ میں دہرا دیے۔
 ”حیرت انگیز! انتہائی تعجب خیز۔“ میجر نصرت آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”ڈرائیور حقیقتاً ڈرائیور
 نہیں تھا۔ وہ میرے محکمے کا ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہے۔“

”معاف کیجئے گا۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں خاص طور سے اُس کے متعلق نہیں
 کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ محکمہ میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو اس گروہ سے بھی تعلق
 رکھتا ہے۔“

”میں بُرا نہیں مانتا۔“ میجر نصرت نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”ہمارے ناکارہ
 پن کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ باہر سے مدد لینی پڑی۔“

”دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اور آپ
 مجھ سے زیادہ جہاندیدہ ہیں۔ باہر سے آپ کو محض اس لئے مدد لینی پڑی ہے کہ آپ کے محکمے کے
 راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بھلا اس میں ناکارہ پن کو کیا دخل! خیر آئیے میں زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنا
 نہیں چاہتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے لئے میں کب آپ کو فون کروں۔ مگر نہیں.... یہ بات
 فون پر بھی نہ ہونی چاہئے۔ خیر میں خود ہی کسی نہ کسی طرح آپ سے مل لوں گا۔“

کو توالی سے واپسی پر حمید نے فریدی کو چھیڑا۔
 ”آپ واقعی اس قابل ہیں کہ آپ کو کسی فریم میں لگا کر کسی زیارت گاہ میں رکھ دیا جائے۔“
 ”کیوں؟“

”آج سے پہلے مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سائنسٹ بھی ہیں۔“
 ”سائنسٹ وائنسٹ کچھ خاک بھی نہیں۔“ فریدی نے گار سلگاتا ہوا بولا۔ ”البتہ میرے ذہن
 کی تربیت خاص اصولوں کے تحت ہوئی ہے۔“

”ڈراوہ اصول بھی بتا دیجئے۔“
 ”ختم بھی کرو۔ اس وقت میرا دماغ بہت الجھا ہوا ہے۔“

”صرف اتنی سی بات اور بتا دیجئے کہ آپ کا اندازہ غلط ثابت ہوا تو۔“
 ”تو میں سمجھوں گا کہ ٹی۔ ایس۔ اسٹریٹنگ جاہل اور نکمہ ہے۔“
 ”کیا مطلب.....!“

نے متونی کا داہنا ہاتھ چادر سے نکالتے ہوئے کہا۔
 میجر نصرت نے بُرے خیال انداز میں سر ہلایا۔
 ”یہ کسی چیز کے جلنے کے ہیں۔“
 ”قطعی.... لیکن۔“

”ٹھہریے۔“ فریدی نے پھر اس کے ہاتھ سے محدب شیشہ لے لیا اور انگلیوں کو دیکھنے لگا۔
 ”ڈراوہ آئیے اور دیکھئے۔“

میجر نصرت محدب شیشے پر جھک گیا۔ فریدی بولتا رہا۔ ”نشان جلنے ہی کا ہے اور بُری طرح
 جلنے کا۔ لیکن کیا یہ آگ سے جلا ہے؟“

”ظاہر ہے۔“ میجر نصرت سر ہلا کر بولا۔ ”یہی وجہ ہے کہ نیلی روشنی۔“
 ”نیلی روشنی کو فی الحال الگ ہی رکھئے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وہ چنگاریاں بکھر
 ہوئی ممکن ہے جلا سکتی ہو۔ لیکن کسی جوان کو بوڑھا نہیں کر سکتی۔“

”پھر! تو کیا یہ داغ ہی بالوں کی سفیدی کی وجہ ہیں۔“ میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔
 ”میرا تو یہی خیال ہے۔“

”اگر آگ نہیں تو پھر کس چیز کے ہو سکتے ہیں۔“
 ”ریڈیم۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ریڈیم۔“
 ”جی ہاں! اس سے متاثر شدہ کوئی اور دھات۔ جیجان اور سنسنی پھیلانے کا ایک طریقہ۔“

میجر نصرت فریدی کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی باتوں پر یقین نہ آیا ہو۔
 ”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی سب کچھ بتا دے گی۔ ڈاکٹر کی توجہ ان داغوں کی طرف خا

طور سے مبذول کروائیے گا۔ لیکن راز داری ضروری ہے۔ حقیقت صرف ہم چاروں تک
 محدود رہنی چاہئے۔ ہم ایک بہت خطرناک گروہ سے دوچار ہیں جس میں دہشت پسندوں کے

کچھ بہترین دماغ بھی موجود ہیں۔ یہ میرے ساتھی سر جٹ حمید ہیں۔ آپ نے انہیں اٹھ
 پوشیدہ طور پر بلوایا تھا لیکن پھر بھی ان پر حملہ کیا گیا۔“

”کب اور کس طرح۔“ میجر نصرت چونک کر بولا۔

”غبرے فرق سمجھ میں آگیا۔“ حمید پھر چلے لگا۔ ”کوئی گدھے والا کسی اڑیل گدھے کو جہنم کے سپرد کر کے آگے نہیں بڑھ جایا کرتا.... یعنی میں گدھے سے بھی بدتر ہوں.... یعنی....“

”کہ آپ....!“
”یار خدا کے لئے چپ رہو۔“

”اب آئے ہیں راہ پر.... چلے چپ ہو گیا۔“

وہ دونوں بازار سے گذر رہے تھے۔ یہاں بڑی بڑی اور شاندار عمارتیں نہیں تھیں۔ زیادہ تر لکڑی کی ہی عمارتیں نظر آرہی تھیں لیکن ان میں بھدی ایک بھی نہ تھی۔ طرح طرح کے رنگ و روغن استعمال کر کے انہیں خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک جگہ لکڑی ہی کا ایک کلاک ٹاور بھی دکھائی دیا، جو زیادہ بلند نہیں تھا۔ لیکن اس پر اتنی نفیس نقاشی کی گئی تھی کہ تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

”آخر یہاں کے لوگوں کو لکڑی سے کیوں اتنی محبت ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اؤں!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”لکڑی.... بات دراصل یہ ہے کہ یہاں آئے دن زلزلے لے آتے رہتی ہیں۔“

”خدا کرے ہمارے دوران قیام میں بھی آئے۔“

”کیوں....؟“

”میں نے آج تک زلزلہ نہیں دیکھا۔“

”کیوں بیٹے کیا اس بھیاک جزیرے کا زلزلہ بھول گئے؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔ لیکن پھر یک ایک سنجیدہ ہو کر حمید کو گھورنے لگا۔ ”تم پھر بولنے لگے۔“

”بس ایک آخری بات اور....!“ حمید ایک ریسٹوران کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ ”مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“

حقیقت تو یہ تھی کہ اُس ریسٹوران میں حمید کو ایک جانی پہچانی صورت نظر آئی تھی یہ رینو کا تھی اور ایک میز پر تنہا بیٹھی غالباً لُچ کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ مینو اس کے ہاتھوں میں تھا۔ فریدی چپ چاپ ریسٹوران میں داخل ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب حمید کے لگام لگنی مشکل ہے۔

”مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس کے ایک سائنس فکشن میں اس قسم کا ایک کس پڑھا تھا۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔ ”اگر آپ نے بہرام کی خالہ کی ناک پر دم ہوتی تو بہتر تھا۔“

”خیر چھوڑو! یہ بتاؤ کہ عام حالات میں قدرتی طور پر کیوں بال سفید ہو جاتے ہیں۔“

”بڑھاپے کی وجہ سے۔“ حمید تڑسے بولا۔

”بڑھاپا کیسے آتا ہے؟“

”اللہ کے حکم سے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ نہ جانے کیوں اس وقت خشک قسم کی باتوں سے کترانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تم دھکے کیوں کھا رہے ہو۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔

”آپ کی عنایت اور اپنی شامت سے۔“

”تمہارے دونوں کان اکھاڑ کر منہ میں رکھ دوں گا۔“

”اچھا ہے بڑھاپے میں عینک کے دام بچیں گے۔“

”ارے حمید کے بچے۔“

”غلط سنا ہے آپ نے والد صاحب کا نام وحید ہے۔“

”شٹ اپ....!“

”فاسفورس اور ریڈیم میں کیا فرق ہوتا ہے۔“ حمید نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

”وہی جو تم میں اور گدھے میں ہے۔“

”غزت افزائی آپ کی۔“ حمید رکتا ہوا بولا۔ فریدی بھی رک کر اسے گھورنے لگا۔

”اب کیا مطلب ہے۔“

”میں اس فرق کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہوں۔“

”حمید فضول باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”خود میری بھی یہی کیفیت ہے۔“

”تو جاؤ جہنم میں۔“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

کہ وہ ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہے۔“
”یعنی....!“ رینو کا مسکرا کر بولی۔

”وہ عورت اسے گوشت پوست میں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ دوسرے اس کے دیدار سے محروم رہتے ہیں اور یہ اس سے گھنٹوں باتیں کیا کرتا ہے۔“
فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے حمید کی اس بکواس کی تردید نہیں کی!
اس کا رویہ دیکھ کر حمید اور بھی سنجیدہ ہو گیا۔

”جب یہ دس سال کا تھا....“ حمید اپنے پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”اس وقت وہ جوان تھی۔ ایک دن اپنی چھت سے گر کر مر گئی۔ تبھی سے یہ اُسے دیکھ رہا ہے اس پر بُری طرح مرتا ہے اور وہ بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ پچھلی عالمگیر جنگ میں اسے اٹلی میں ایک حادثہ پیش آ جاتا مگر اس حسین روح نے اسے پہلے ہی سے اس کی اطلاع کر دی تھی۔ لہذا یہ صاف بچ نکلا وہ مصیبت کے وقت ضرور اس کے کام آتی ہے۔“

رینو کا سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھیں اس دوران میں خوفناک ہو گئی تھیں اور ان میں کچھ ایسی دیرانی نظر آرہی تھی جیسے وہ سانسے والی دیوار کے پیچھے کچھ دیکھ رہا ہو۔
فریدی کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے تھے پھر اس کی سرگوشی سنائی دی۔ ”وہ آگئی سلیہ.... میری جان۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے نیند کی حالت میں ہل رہا ہو۔ رینو کا نے اٹھ کر اسے روکنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ پکڑ کر اُسے بٹھا دیا۔

”اس وقت اسے چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں۔ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔“
رینو کا بیٹھ گئی لیکن اس کی خوفزدہ آنکھیں اس دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جس سے فریدی باہر گیا تھا۔ پھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ حمید دوسرے ہی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر فریدی نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس نے تو محض اُسے چڑھانے کے لئے ایک سارپر کی اڑائی تھی۔ فریدی نے اسے حقیقت کارنگ کیوں دے دیا۔ مگر یہ الجھن زیادہ دیر تک قائم نہ ہو سکی۔ کیونکہ ایک دوسرا خیال ذہن کے کسی گوشے سے ابھر آیا تھا فریدی نے ان دونوں سے بچنا چھڑانے کے لئے یہ حرکت کی تھی اور اب حمید کو کھانے کی قیمت اپنے ہی جیب سے ادا کرنی

”اوہ کیپٹن یاور!“ رینو کا انہیں دیکھ کر مسکرائی۔ ”اس طرف یہیں اس میز پر آئیے! میں آپ سے آپ کی تلاش میں تھی۔“

فریدی طوہار کپڑا ہی میز کی طرف بڑھا۔ حمید اُس سے دو قدم آگے تھا۔
کھانے کے دوران میں اس حیرت انگیز لاش کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔
”مجھے تو یقین نہیں آتا۔“ رینو کا بولی۔ ”لوگ عموماً رائی کے پہاڑ بنایا کرتے ہیں۔“
”میں خود دیکھ کر آ رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن میں نے تو سنا ہے کہ کو توئی میں اس وقت داخلہ بند ہے۔“
”اخباری نمائندوں پر کوئی پابندی نہیں۔“ فریدی نے کھاتے کھاتے سر اٹھا کر کہا۔ ”آپ کے بعد چائے پیتی ہیں یا کافی؟“

”کافی! لیکن بڑی حیرت کی بات ہے اگر آپ دیکھ کر نہ آئے ہوتے تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔“
”اور میں واقعی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا ایک غلط راستے پر نکل آئی ہے۔“
”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”ہمارے آباؤ اجداد احمق نہیں تھے۔“ فریدی نے لُج ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا بولا۔ ”انہوں نے یقیناً روحمیں دیکھی ہوں گی بد ارواح کے متعلق ان کا خیال غلط نہیں تھا۔“
”چچ چچ....“ رینو کا نے بُرا سا منہ بنایا۔ ”میں آپ کو بہت روشن خیال سمجھی تھی۔“

”روشن خیالی اپنی جگہ اور ایسے حقائق اپنی جگہ جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔“
فریدی سگڑا سگڑا ہوا بولا۔ پھر بیرے کو کافی کا آرڈر دے کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے وہ لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوتی تو حادثے کو محض ایک شاندار غپ سمجھتا۔ مگر ایسی صورت میں میری روشن خیالی کس طرح برقرار رہ سکتی ہے۔“

”تو آپ بد ارواح کو کیوں درمیان میں لاتے ہیں۔“ رینو کا نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ رات والی نیلی روشنی کا شکار ہوا ہو۔“

”بس ایک آدمی! اگر ایسا ہوتا تو دو چار اور بھی شکار ہوتے۔“
”مس رینو کا۔“ حمید میز پر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”آپ یاد رکھیں کہ قاتل نہیں کر سکتیں۔“

پڑے گی۔

”کیٹین یاد رکھاں گیا ہوگا۔“ رینو کا خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

”جہنم میں۔“ حمید بے خیالی میں بولا۔ لیکن پھر چونک کر کہنے لگا۔ ”کیا پوچھا تھا آپ نے۔“

”آپ کا دوست کہاں گیا ہوگا۔“

”خدا بہتر جانتا ہے۔“

”تو کیا حقیقتاً وہ عورت اُسے دکھائی دیتی ہے۔“

”میں نے بتایا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دکھائی دیتی۔“ حمید اکتا کر بولا۔ اس کی الجھ

بڑھ گئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت اس کے پرس میں دس بارہ روپوں سے زیادہ نہیں تھے وہ سوچ

تھا کہ اگر بل زیادہ کا ہوا تو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ۔“ رینو کا نے پوچھا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اگر اس وقت کسی موٹر سے ٹکرا کر مر جائے تو کتنا اچھا ہو۔“

”کیوں؟“ رینو کا چونک کر بولی۔

”کچھ نہیں یونہی.... وہ اپنے گھر والوں کے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔“

”بیوی بچے ہیں۔“ رینو کا نے پوچھا۔

”اس نے شادی ہی نہیں کی.... لیکن بچے کئی عدد ہیں۔“

”جی....!“

”جی ہاں.... اس نے ایک یتیم خانہ کھول رکھا ہے۔“

”آپ نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں.... کیا آپ بھی....!“

”جی ہاں میں بھی۔“ حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ویٹر بل لایا اور یہ دیکھ کر حمید کی جان

جان آئی کہ وہ دس روپے کچھ آنے کا تھا۔ اس نے بل ادا کر دیا اور اب رینو کا اسے پہلے کی ط

حسین لگ رہی تھی۔

”چھوڑیے بھی! وہ کچھ دنوں بعد پاگل ہو جائے گا۔“ حمید رینو کا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا

آپ مصور ہیں لیکن آپ خود نہ جانے کس کا شاہکار ہیں۔ آپ کی پیکوں کی چھاؤں کتنی خنک ہوگی

”اوه آپ نے وہی ملٹری والوں کی بدعنوانیاں شروع کر دیں۔“ رینو کا گجو کر بولی۔ ”میں آ

ادارہ عورت نہیں ہوں۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی۔“ حمید سہم کر بولا۔ ”میں آپ کی کافی عزت کرتا ہوں۔“

”مجھے اب جانا چاہئے۔“ رینو کا اٹھتی ہوئی بولی۔

”میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔“

مونچھ اکھاڑنے والی

حمید کو ٹیکم گڈھ آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے، لیکن معاملات جہاں کے تہاں تھے۔ اس

دوران میں پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ بھی ملی تھی جو فریدی کے خیال کے عین مطابق تھی۔

مرجنٹ ریش کی موت ریڈیم ہی سے واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں بالوں کی سفیدی کے متعلق

ایک اچھی خاصی سائنٹیفک بحث تھی جسے کم از کم حمید نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اخبارات

میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان میں اس حادثے کی اصل وجہ سے لاعلمی ظاہر کی گئی تھی۔

بہر حال پبلک کا خیال تھا کہ وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کے تجربے کا نتیجہ تھا۔ نیلی روشنی

اب بھی وقتاً فوقتاً دکھائی دے جاتی تھی۔ ایسے موقع پر پورے شہر میں اس طرح سناٹا چھا جاتا تھا

جیسے وہ یک بیک زندوں کی بستی سے قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہو۔

فریدی کی نہ جانے کتنی راتیں پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گزر گئی تھیں۔ لیکن سب

بے سود۔ وہ راستہ معلوم نہ ہو سکا جدھر اسمگلنگ ہوتی تھی.... فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تھا۔

گہری لکیریں اس کی پیشانی پر نمایاں رہتیں۔

پہلے حادثے کے ٹھیک سولہویں دن وگراج کے درے کے قریب ایک لاش اور ملی یہ بھی

ایک جوان آدمی کی لاش تھی اور اس کے جسم کے بھی سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ یہ اسی فوجی

استے کا ایک سپاہی تھا۔ جو وگراج کے درے کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس رات پھر نیلی روشنی کے سیل

سے ایک چنگاری بکھیرتی ہوئی ہوائی چھوٹی تھی اور اس کا رخ بھی وگراج کے درے ہی کی سمت تھا۔

ٹیکم گڈھ کی آبادی ایک بار پھر بدحوسیوں کا شکار ہو گئی۔ ہمسایہ ملک سے ایک بار احتجاج کیا

گیا۔ لیکن وہی جواب ملا جو پہلے ملا تھا۔ یعنی کسی ایسے حربے کا تجربہ نہیں کیا۔

آج صبح سے فریدی کچھ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں کھایا تھا۔ رات کے تقریباً 2 بجے باہر سے واپسی ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی وہ سویا نہیں تھا۔ حمید کے مہر کا پیالہ لبریز ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی حالت میں فریدی سے بولنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن پھر بھی اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ فریدی آنکھیں بند کئے آرام کر سی پر لیٹا تھا۔ اس کے دونوں پر غیر ارادی طور پر مل رہے تھے۔ حمید نے آہستہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ فریدی چونک کر اُسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

”میں کہتا ہوں آخر مجھے ساتھ ساتھ باندھے رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ حمید نے کہا۔ فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتے ہی حمید اس پر باز کی طرح جھپٹ پڑا۔

”کوئی تک ہے آخر؟ جب مجھے عضو معطل سمجھا جاتا ہے تو پھر میری ضرورت ہی کیا ہے؟“ اس نے بھنا کر کہا۔ ”اگر دیکھ بھال کی ضرورت ہے تو ایک انا رکھ لیجئے جو رات کو تھپک تھپک کر سلا بھی دیا کرے گی۔“

”میں تمہیں عضو معطل نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن یہ جانتا ہوں کہ تم کبر اور کہاں کام آسکو گے۔“

”میدان حشر کے علاوہ اب کہیں اور کام نہیں آسکتا۔“ حمید بیزاری سے بولا۔

”خیر اگر یہی بات ہے تو کسی طرح اس عورت سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”عورت....!“ حمید اچھل کر بولا۔ ”کیا مطلب! کون عورت۔“

”رینو کا۔“ فریدی سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

”صاف صاف کہئے۔“

”اس نے مجھ سے باقاعدہ عشق شروع کر دیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”رونے کی ضرورت نہیں!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں؟“

”ہاں بھی....!“

”تو اس سے شادی کر لیجئے۔“

”کیا بکواس ہے؟“

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جب آپ اس کے شوہر ہو جائیں گے تو وہ آپ کو اُلو سمجھنے لگے گی۔“

”ہو مت۔“

”میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”ہر عورت اپنے شوہر کو اُلو سمجھتی ہے۔ چاہے شادی سے قبل اس پر عاشق ہی کیوں نہ رہی ہو البتہ دوسروں کے شوہر اسے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ چاہے وہ سچ سچ اُلو کے پٹھے ہی کیوں نہ ہوں۔“

”کوئی کام کی بات کرو۔“

”خیر چھوڑیے۔“ حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”یہ رینو کا کہاں سے ٹپک پڑی۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ اسٹنگ کے متعلق کچھ کہیں گے۔“

”سب سے پہلے اس عورت کا مسئلہ طے ہونا چاہئے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”آخر کیوں؟“

”مجھے اس پر شبہ ہے.... وہ مصور نہیں ہے۔“

”یہ آپ نے کیسے جانا۔“

”بالکل سیدھی سی بات ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ بغرض تفریح یہاں آئی ہے لیکن ایسی پُر نفا تفریح گاہوں میں آرٹسٹ قسم کے لوگ خالی ہاتھ نہیں آیا کرتے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”نہ تو اُس کے پاس مصوری کا سامان ہے اور نہ کوئی اسکیج بک۔ اگر وہ دوسرا سامان اپنے ساتھ نہیں لاسکی تو کم از کم ایک اسکیج بک تو اس کے پاس ہونی ہی چاہئے تھی۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اس کے پاس نہیں ہیں۔“

”میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی۔“

”یہ کب؟“

”اُسی دن جب تم دونوں کو اُلو بنا کر ریستور ان سے چلا آیا تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ شروع ہی سے اس کی طرف سے مشکوک تھے۔“

”قطعاً۔“

”اس کی وجہ۔“

”میں نے اُسے وگراج درے کے چند محافظوں کے ساتھ ایک ریسٹوران میں دیکھا تھا۔“
 ”آپ انہیں پہچانتے ہیں۔“

”ایک ایک کو اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔“

”لیکن ان محافظوں کے ساتھ اس کا پایا جانا میرے خیال سے تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔“
 نے کہا۔ ”ویسے اس کے ساتھی راجیل کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”راجیل کے متعلق میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ ایک پیشہ ور شکاری ہے اور موسم کے
 شکار کے لئے جگہ تجویز کرنے آیا ہے۔“

”رینو کا اسے کب سے جانتی ہے۔“

”میرے خیال سے وہ دونوں یہیں ملے ہیں۔“ فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مجھ سے کیوں اکھڑی اکھڑی رہتی ہے۔“ حمید نے کہا
 ”ممکن ہے تمہاری شکل اس کے بھائی سے ملتی جلتی ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”پھر آپ گالیوں پر اتر آئے۔“ حمید منہ سکڑ کر بولا۔

”اگر اس سے تمہارے جذبات کو نہیں لگی ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“

”چھوڑیے! میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”اٹھا!“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”آج آپ بھی مذاق کے موڈ میں نہیں ہیں۔“

”ہاں! ہاں! مجھے سوچنے دیجئے۔“

”کیا سوچنا چاہتے ہو۔“

”یہی کہ رینو کا اب سے دس سال پہلے کتنی حسین رہی ہوگی۔“

”ٹھیک ہے اس کے علاوہ تمہیں کچھ اور سوچنا بھی نہیں چاہئے۔“ فریدی خشک لہجے میں بولا

اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ حمید سمجھتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر تک بالکنی میں بیٹھنے کے بعد واپس آجائے؟
 آج کل وہ زیادہ تر بالکنی ہی میں بیٹھتا تھا اور اس کی آنکھیں مغربی افق کے اس حصے پر جمی رہا کرتی
 تھیں جہاں نیلی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ دوسری موت کے بعد اس کی نظروں میں اس حیرت انگیز
 روشنی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی۔۔۔ فریدی اس رات کو بھی
 وگراج کے درے کے قریب ہی ایک جگہ چھپا ہوا تھا جس کی صبح کو دوسری لاش ملی تھی۔ اس نے

روشنی نمودار ہوتے ہی نگہانوں کو ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے دیکھا تھا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے
 کے لئے درہ اور ان کے خیمے قطعی دیران ہو گئے تھے۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ واپسی پر وہ
 دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر جم گئے تھے۔ ان کے آفیسر نے ان سے باز پرس نہیں کی تھی۔ اس سے
 اس نے اندازہ لگایا تھا کہ آفیسر بھی انہیں بھاگنے والوں میں شامل رہا ہوگا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد بالکونی کی طرف نکل آیا۔ لیکن فریدی وہاں نہیں تھا البتہ اس نے
 رینو کا کو دیکھا جو رینگ پر آگے کی طرف جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کبوتر
 تھا۔ حمید کی آہٹ سن کر وہ اس طرح چونکی کہ کبوتر اس کے ہاتھوں سے نکل کر اڑ گیا۔

”کبوتر اڑا دیا آپ نے میرا۔“ وہ کھسیانے انداز میں بولی۔

”میں نے، کمال کرتی ہیں آپ!“

”اتنی مشکلوں سے پکڑا تھا۔“

”خیر میں دوسرے لادوں گا۔“ حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ الگ
 ہٹ گئی۔ وہ عمارت کے گرد منڈلاتے ہوئے کبوتر کو دیکھ رہی تھی۔

حمید نے اسے باتوں ہی باتوں میں روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکی اور پھر اس کے بعد ہی اُسے بھی
 واپس چلا آتا پڑا کیونکہ بالکونی بالکل ویران تھی اور چاروں طرف پھیلی ہوئی تیز دھوپ آنکھوں
 میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

فریدی نے رینو کا کے خلاف شبہ ظاہر کر کے حمید کو نئی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ لیکن اس
 نے شبہ کی جو وجہ بتائی تھی۔ زیادہ پائیدار نہ تھی۔ اُسے زیادہ سے زیادہ ایک شک میں مبتلا دماغ کا
 پیدا کردہ ایک وہم کہا جاسکتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس کا تجربہ بھی تھا کہ فریدی
 کے شبہات شاذ و نادر ہی غلط نکلتے تھے تو پھر کیا وہ کوئی بات اس سلسلے میں حمید سے چھپا رہا تھا۔ وہ
 بات جس پر اس نے اپنے شبہ کی بنیاد رکھی تھی۔ حمید شام تک اس گتھی میں الجھا رہا۔ سورج
 غروب ہونے سے کچھ ہی دیر قبل فریدی واپس آگیا۔ خلاف توقع وہ اس وقت کافی بشارت نظر آ رہا
 تھا۔ ماتھے کی سلوٹیں مٹ گئی تھیں اور ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہنے والی آنکھیں ایک خاص قسم کی
 ہلکے سے محمور تھیں۔ ایسی چمک جو کسی شریچے کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ
 کئی شرارت کا پلان مرتب کرتا ہے۔

”اس وقت بڑے حسین لگ رہے ہیں آپ۔“ حمید نے اسے چھیڑا۔
 ”ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ ”لیکن ذرا جلدی سے
 اٹھ کر سامان تو اکٹھا کرو۔ ہمیں یہ ہوٹل ہی چھوڑ دینا ہے۔“
 ”کیوں؟“

”وقت مت برباد کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”نیچے گاڑی کھڑی ہے۔ اس میں سامان رکھ کر
 واپس آجاؤ۔ جلدی کرو۔ جلدی۔ میرا منہ کیوں تک رہے ہو! چلو۔“
 حمید دانت پیٹتا ہوا سامان اکٹھا کرنے لگا۔
 سامان گاڑی پر بار کر کے جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ فریدی ڈائنگ ہال میں رینو کا
 کے ساتھ بیٹھا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔

رینو کا اس سے کہہ رہی تھی۔ ”یاد رہے تمہاری عدم موجودگی میں ٹیکم گڈھ کے دن اور رات
 بے کیف ہو کر رہ جائیں گے۔“
 ”صرف تین دن۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کمرہ میں نے چھوڑا نہیں ہے۔ اگر وہ میرے
 بھائی کی علالت کا تار نہ ہوتا تو میں اسے رومی کی ٹوکری میں ڈال دیتا۔ مگر ایسی صورت میں جانا
 ضروری ہے۔“
 ”میں تمہارا انتظار کروں گی۔“ رینو کا نے کسی فلم کی ہیر وئن کی طرح رومانی انداز میں کہا اور
 حمید اپنے ہونٹ چاٹنے لگا۔

”اوہ کیپٹن جلیس....!“ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ ”آپ بھی جارہے ہیں۔“
 ”جی ہاں میں بھی جا رہا ہوں۔“ حمید نے ہر وقار انداز میں کہا۔ ”اور ٹیکم گڈھ کی سر زمین مجھ
 جیسے عظیم آدمی کے وجود سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو رہی ہے۔“
 ”تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟“

”میرے لئے آپ کیوں.... اس سوال کی زحمت گوارا کر رہی ہیں۔“
 رینو کا کوئی جواب دیئے بغیر فریدی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ڈائنگ ہال میں بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ شام کے وقت عموماً یہاں بھیڑ زیادہ ہو جایا کرتی
 تھی۔ ٹیکم گڈھ کے دولت مند لوگ زیادہ تر یہیں آیا کرتے تھے۔ بعض رنگین مزاج حکام کی

یادیں بھی یہیں گزرتی تھیں۔ شراب کی بوتلیں کھلنے لگی تھیں۔ ویٹروں کی آمد و رفت میں تیزی
 بڑھتی جا رہی تھی۔

”آپ کیا پیئیں گی۔“ فریدی نے رینو کا سے پوچھا۔
 ”آپ تو پیتے نہیں۔“

”تو اس سے کیا کہ میں ضرور کچھ پیوں۔ چلے کافی ہی سہی۔“
 فریدی نے ویٹر کو بلا کر شراب اور کافی کا آرڈر دیا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی اس نے آج
 ہی اُسے کسی عورت کو شراب پلاتے نہیں دیکھا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کو شرابی
 عورتوں کے قصور سے بھی گھن آتی ہے پھر آخر وہ اس وقت ایک شراب پیتی ہوئی عورت کا وجود
 کیونکر برداشت کر سکے گا۔

شراب آئی اور رینو کا اس پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے کئی دنوں سے پیاسی ہو۔ فریدی اس
 سے ایک خاص انداز میں گفتگو کر رہا تھا جس میں لگاؤ اور ہچکچاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔ حمید کا
 ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ وہ اس پر دھیان نہ دے سکا کہ ان میں کیا گفتگو ہو رہی ہے اور پھر
 سامان کا مسئلہ الگ تھا۔ فریدی نے سامان کہاں بھجوایا تھا؟ حمید کی الجھن اتنی بڑھی کہ وہ آخر کار
 وہاں سے اٹھ گیا۔ اس اٹھ بھاگنے کی ایک وجہ اور تھی؟ اور وہ تھی رینو کا کی بد مستی! باتیں کرتے
 وقت اس کے ہونٹ اس طرح نئے نئے زاویے اور قوسیں بنا رہے تھے کہ وہ صاف منہ چڑھاتی
 ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ بہر حال حمید وہاں سے بھاگ کر بالکونی میں پہنچا۔ لیکن یہاں بھی اس
 وقت سکون نہیں تھا چونکہ سنچر کی شام تھی اس لئے آج بھیڑ کافی تھی۔ بالکونی میں بھی لوگ
 بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ حمید کو اپنی زندگی تلخ ہوتی معلوم ہونے
 لگا۔ شراب کے نشے میں بہکی ہوئی عورتوں کا قرب اُسے عورت کے وجود سے متنفر کر دینے کے
 لئے کافی ہوتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ڈائنگ ہال ہی غنیمت تھا کیونکہ وہاں ایسا طوفان بد تمیزی نہیں
 تھا۔ ایک نشے میں بہکی ہوئی اینگوائڈین لڑکی ہٹکا ہٹکا کر ایک فحش سافلی گیت گارہی تھی اور اس
 کے قریب بیٹھے ہوئے مرد قہقہہ لگا رہے تھے۔

پھر کوئی دوسری عورت تاک کے بل ہنستی ہوئی گنگنائی۔ ”پٹ.... پٹ.... پٹ.... پٹ.... خہ
 خہ.... خہار۔“

”میں اکھاڑ کر دکھا دوں گی۔“ رینو کا لڑکھڑاتی ہوئی امٹھی اور بڑی مونچھوں والے سب انسپکٹر کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ بیچارہ کافی کے گھونٹ لے لے کر سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔

”بیٹے حمید۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”بس اب چل دو یہاں ہے بل میں ادا کر چکا ہوں۔“ وہ دونوں اٹھ کر تیزی سے باہر نکل آئے اور عمارت کے سرے پر بھی نہ پہنچے تھے کہ اندر سے شور سنائی دیا۔

”اکھڑ گئی۔“ فریدی اپنا ہتھکڑا دبا دبا ہوا بولا۔ ”بھاگو۔۔۔ جلدی۔۔۔ ادھر تالے میں اتر آؤ۔“

”لیکن آخر یہ کیا حماقت ہے۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”اب ایک نئی مصیبت۔“

”کوئی نئی مصیبت نہیں پیارے۔ اب ہم دوسرے ہوٹل میں قیام کریں گے جو وگراج کے درے کے قریب ہے۔“

”لیکن اب ہم لوگ چھپیں گے کیسے! ہوش آنے پر وہ یقیناً یہی بیان دے گی کہ ہم نے اُسے اسلایا تھا۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ اب میں بھی اپنی صورت تبدیل کر دوں گا تم بھی کچھ اور ہو جاؤ گے۔“

”مگر میک اپ کا سامان تو اسباب کے ساتھ گیا۔“

”تم تو بال کی کھال اتارتے ہو۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ”تھوڑی چیزیں میرے ہینڈ بیک میں بھی ہیں۔“

”لیکن اس حرکت کی کیا ضرورت تھی۔“

”ضرورت تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔“ اب بکومت، چپ چاپ چلے آؤ۔“

وہ ناہموار راستے طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ایک جگہ ایک غار میں دونوں نے مارچ کی روشنی سے اپنے حلقے تبدیل کئے اور سڑک پر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے کوٹ اتار کر بغل میں دبائے تھے اور ٹائیاں بھی کھول لی تھیں۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ چٹان سے چھلانگ لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان جھگڑوں سے نجات حاصل کر لے۔

ٹھنڈا شعلہ

دوسرا دن فریدی اور حمید کیلئے ایک دلچسپ دن تھا۔ وہ دونوں بل دیو ہوٹل کی لان پر بیٹھے

حمید بوکھلا کر پھر نیچے بھاگا۔ یہاں رینو کا کی حالت نشے سے ابتر ہوتی جا رہی تھی اور فریدی اُسے بے تحاشہ پلارہا تھا۔

”ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔“ فریدی نے کہا۔ اس پر رینو آنکھیں بند کر کے بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہنسی اور حمید کا دل چاہنے لگا کہ وہ اس کے منہ میں دونوں انگوٹھے ڈال کر اس کے گال کانوں کی لو تک پھاڑ ڈالے۔

”نائیں۔۔۔۔۔ باب عورت۔۔۔ عورت نائیں۔۔۔۔۔“ رینو کا اپنا نچلا ہونٹ نچلے دانتوں پر جکڑ کر بولی۔

”عورت عورت ہے۔۔۔۔۔ وہ مردوں کی برابری نہیں کر سکتی۔“

”کار سکتی ہے۔“ رینو کا نے اپنی پیشانی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”ادھر۔۔۔۔۔ میری طرف دیکھو۔“ فریدی نے اس سے کہا اور رینو کا اپنی نشے سے بو جھل ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کے چہرے پر نظریں جمانے کی کوشش کرنے لگی۔

”میں مرد ہوں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”اور اُس آدمی کی نقلی مونچھیں اکھاڑ سکتا ہوں۔“

حمید کی نظریں بے اختیار اس آدمی کی طرف اٹھ گئیں جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ مرد ایک معمر اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ چہرے پر کھنی اور اوپر کو چڑھی مونچھیں تھیں جن میں اس نے خضاب لگا رکھا تھا۔ حمید اُسے ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ وہ مقامی پولیس کا ایک سب انسپکٹر تھا، جو اس وقت سادے لباس میں تھا اور اس کی مونچھیں سو فیصدی نقلی تھیں۔

”نقلی مونچھیں۔“ رینو کا آہستہ سے بولی۔

”ہاں نقلی مونچھیں۔ میں اُن مونچھوں کو اکھاڑ سکتا ہوں کیونکہ مرد ہوں۔ تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔“

”میں بھی مرد ہوں۔“ رینو کا اپنے سینے پر ہاتھ مارتی ہوئی تن کر بولی۔

”مگر تم اس کی مونچھیں نہیں اکھاڑ سکتیں۔“

”میں اکھاڑ سکتی ہوں۔“

”تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔“

حمید کا سر جکڑ گیا۔ آخر فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ اس کا انجام اور اس کا مقصد وہ حیرت

سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی اُسے آنکھ مار کر پھر رینو کا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”زبان سے کہہ دینا اور چیز ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اندھا ہوں۔“ فریدی منہ بنا کر بولا۔ ”میں نے خود اُسے اڑانے دیکھا تھا اور تم اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ میں سامنے والی چٹانوں میں موجود تھا۔“

”وہاں کیا کر رہے تھے۔“ حمید بے خیالی میں بولا۔

”جھک مار رہا تھا۔ تم اتنے آلو کیوں ہو گئے ہو؟“

”آپ جھک مار رہے تھے۔ اچھا کر رہے تھے۔ جب کسی طرح بس نہ چلے تو جھک مارنا صحت کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن میں قطعی آلو نہیں ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ رینو کا کو اس طرح پکڑوانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”بس یونہی مذاق کرنے کو دل چاہا تھا۔“ فریدی سگڑا سگڑا ہوا بولا۔ ”لیکن اگر ضرورت پیش آئی تو یہی مذاق سنجیدگی میں تبدیل ہو کر ہمارے کام آسکے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کیا کرو گے سمجھ کر۔“ فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”کیا اس ہوٹل میں تمہیں کوئی لڑکی دکھائی نہیں دی۔“

”دیکھئے جناب۔“ حمید چڑ کر بولا۔ ”اگر آپ اس طرح مجھے ناکارہ اور نکما بنائے رکھیں گے تو میں چپ چاپ دایں جا کر اپنا استعفیٰ پیش کر دوں گا۔ جہنم میں گئی ایسی ملازمت۔“

”تو اس طرح کیا تم مجھ سے بچ سکو گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں خود کشی کر لوں گا۔“

”بسم اللہ!“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”چلو پھر پانی منگاؤں یا خالص گھی۔“

حمید نے ہنسا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”ہے ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”یار تجھے تو عورت ہو ناچاہئے تھا۔“

حمید بدستور خاموش رہا وہ اپنے ہونٹ سکڑے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ پائپ سگڑا کر اٹھا اور آہستہ آہستہ ہٹا ہوا عمارت کی طرف چلنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فریدی بھی اس کے پیچھے بچھے آ رہا ہے۔ لیکن اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں۔ عمارت میں داخل ہو کر اس کمرے کی طرف مڑ گیا جس میں دونوں قیام پذیر تھے۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ چوک پڑا۔ صوفہ کے درمیان رکھی ہوئی ٹی پائی پر سونے کا

صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔ رات کے واقعے کے متعلق ایک چٹ پٹی خبر شائع ہوئی تھی۔ رینو سب انپکٹر کی مونچھ اٹھاڑنے کے جرم میں پولیس کی حراست میں تھی اور ان دونوں کپتانوں کی تلاش جاری تھی جنہوں نے اُسے اکسایا تھا۔ فریدی نے ہنس کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

”کیا ملا آپ کو۔“ حمید بیزاری سے بولا۔ ”خواہ مخواہ بیچاری کو پھنسا دیا۔ محض ایک بے بنیاد شہسپر۔“

”بے بنیاد۔“ فریدی چوک کر بولا۔ ”حمید بیٹے! میں کیا کام کرنے کا عادی نہیں۔ محض شہسپر کی بناء پر اس قسم کے اقدام نہیں کرتا۔ ایک ٹھوس حقیقت سے دو چار ہونے کے بعد میں نے اُسے ٹھکانے لگایا ہے۔“

”یعنی....!“

”وہ کبوتروں کے ذریعہ کسی نامعلوم جگہ پیغامات بھیجا کرتی تھی۔ پیغامات کیا تھے انہیں اچھی خاصی رپورٹ کہنا چاہئے۔ جو وہ ہم لوگوں کے متعلق تیار کر کے کسی نامعلوم آدمی کے پاس پہنچا کرتی تھی۔“

”کبوتر....!“ حمید چوک پڑا۔ اس کے ذہن میں گزرے ہوئے دن کا واقعہ پھر آیا۔ رینو بالکونی میں کبوتر لئے کھڑی تھی اور اس کی آہٹ پر چوک کر اڑا دیا تھا تو کیا وہ ہم لوگوں کی اصلیدہ سے واقف تھی۔“

”قطعی....!“ فریدی نے کہا۔ ”یہ چیز مجھ پر کل ہی ظاہر ہوئی ہے۔ کل بالکونی سے اس ایک نامہ بر کبوتر اڑایا تھا۔ اتفاق سے اسے ایک باز نے نیچے گرا دیا اور وہ میرے ہاتھ لگ گیا۔“

”اسے ذریعہ رینو کا۔ جو رپورٹ بھیجی تھی اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی ہم لوگوں کے متعلق کسی کو اطلاع دے چکی ہے وہ میری پرسوں کی نقل و حرکت کی پوری پوری رپورٹ تھی۔“

”کبوتر کے متعلق آپ کو کل ہی معلوم ہوا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں میں نے اس سے قبل بھی اُسے کئی بار کبوتر اڑاتے دیکھا تھا۔ لیکن میں یہ بھی نہ سوچ سکتا تھا کہ وہ نامہ بر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہوٹل میں جنگلی کبوتروں کی خاصی اچھی تعداد بیتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور کبوتر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ اُسے کسی اور نے اڑایا ہو۔“

ایک بڑا سا کلڑا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اُسے اٹھانے کے لئے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کی نے اُسے پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔ یہ فریدی تھا۔

”اتنی بدحواسی اچھی نہیں۔“ فریدی نے کہا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
”تو کیا یہ آپ نے۔“

”نہیں!.... ٹھہرو! اسے ہاتھ مت لگانا۔“

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

”ابھی تم مر ہی گئے ہوتے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور مرنے سے پہلے بوڑھے ہو جاتے۔“
”کیا؟“ حمید چونک کر بولا۔ ”مگر.... یہ تو سوتا ہے۔“

”ہاں ہاں! اور کسی نے ہماری موت کو دعوت دینے کے لئے اسے یہاں نہایت احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ بیٹے حمید خاں! اب کھلم کھلا جنگ کرنی پڑے گی کیونکہ انہوں نے ہمیں اس بھیس مڑ بھی پہچان لیا ہے۔“

”آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔“ حمید پھر سونے کی طرف بڑھا۔

”ٹھہرو! کیوں حماقت کر رہے ہو۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”جاؤ برآمدے میں ایک لمبا کا پچہ پڑا اونگھ رہا ہے اسے اٹھالاؤ۔“

”میں نہیں جانتا.... آپ نہ جانے کیا؟“

”صاحبزادے ہو۔“ فریدی خود دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”خبردار اسے ہاتھ

لگانا۔“

پھر وہ ایک لمبی کے بچے کو ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا آپ خواہ مخواہ....!“

”چپ رہو؟“

”آپ ایسے حالات میں انتہائی مضحکہ خیز لگتے ہیں۔“ حمید نے بھٹا کر کہا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر لمبی کے بچے کو سونے کے ٹکڑے پر ڈال دیا۔ اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا اور وہ وہیں سر رکھ کر اونگھ گیا۔

حمید تسمخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

”تو کیا اب آپ اس لمبی کے بچے سے انڈے دلوائیں گے۔“

”دیکھتے جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور اٹھ کر دروازے کے قریب آگیا۔

”کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔“ حمید نے بیزار سی سے کہا اور پائپ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کئی منٹ گزر گئے۔ کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ دفعتاً لمبی کے بچے نے ایک چیخ ماری اور اچھل کر زمین پر جا پڑا۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ لمبی کا بچہ بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس پر جھک پڑا۔

”یہ ابھی مرا نہیں۔“ وہ اپنے دواؤں کے بکس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس نے تیزی سے ایونیا کی بوتل نکالی اور حمید کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اُسے اس کی ناک سے لگائے رکھو۔“

وہ پھر دواؤں کے بکس میں کچھ تلاش کرنے لگا تھا۔ حمید نے بوتل کھول کر لمبی کے بچے کی ناک سے لگادی۔ وہ اکھڑی اکھڑی سانس لے رہا تھا۔ اس کے سینے پر جلنے کا داغ تھا۔ سینے کا جتنا دھس سونے کے ٹکڑے پر تھا مری طرح جھلس گیا تھا۔

”ہوں....!“ فریدی جھٹکتا ہوا بولا۔ ”ذرا اس کا گلا پیر تو اٹھاؤ۔“

اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سوئی تھی۔ حمید کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا۔ فریدی نے لمبی کے پیر میں سوئی چھودی۔

”اب بوتل ہٹاؤ۔“ اس نے حمید سے کہا۔

فریدی لمبی کے بچے کے قریب ہی بیٹھا رہا۔ حمید نے بوتل بند کر کے بکس میں رکھ دی۔

”اب اس سونے کو اٹھا کر جیب میں رکھ لو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”یعنی....!“

”یعنی یہ کہ اب تمہیں مرنے کی اجازت ہے۔“

حمید جھپٹتی ہوئی ہنسی کے ساتھ فریدی کے قریب آ بیٹھا۔ لمبی کے بچے کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

”اب یہ نہیں مر سکتا اور وہ دونوں مرنے والے بھی آدھے گھٹنے کے اندر اندر پچائے جاسکتے تھے۔“

”مگر.... آپ تو ریڈیم کہہ رہے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”انٹاریڈیم وہ کہاں سے لائیں گے۔ انہوں نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر لیا ہے۔ یہ ٹکڑا

بھی ریڈیم سے متاثر شدہ ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی انہیں ریڈیم کو دھات کی شکل میں لانا پڑا ہو گا اور یہ ایک مشکل عمل ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے سونے کو کس طرح ریڈیم سے متاثر کیا میں سچ کہتا ہوں حمید کوئی بہت بڑا دماغ اس سازش کے پیچھے کام کر رہا ہے۔

”لیکن یہ میز“ حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ ”یہ میز کیوں نہیں چلی۔“

”شاید اس عمل میں حرارت پذیری کا بھی دخل ہے۔“

”لیکن لانے والا اسے لایا کس طرح ہو گا۔“

”ممکن ہے لکڑی کی ڈبیہ استعمال کی ہو۔ ویسے سیسہ ہی ایک ایسی دھات ہے جس پر ریڈیم کا

کوئی اثر نہیں ہوتا۔“

”شیشہ....!“

”شیشہ نہیں سیسہ....!“ فریدی نے کہا۔ ”جانتے ہو ریڈیم کتنی طاقتور چیز ہے۔ اس کے

متعلق اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف دو پونڈ ریڈیم زمین کو اس کے محور سے ہٹانے کے لئے کافی ہو گا۔“

بلی کا بچہ اٹھ کر ریگنے لگا تھا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ ریگتا ہوا دروازے کی اوٹ میں

چلا گیا۔

”آپ نے انجکشن کس چیز کا دیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”اسٹرا انجین سیلوشن....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کم بختوں نے مار ڈالنے کا ہوا چھا

طریقہ ایجاد کیا ہے! سونا دیکھ کر کون نہ لپجائے گا۔ ایک کلزراہ میں کہیں ڈال دیا اور اٹھانے والے کا

قصہ تمام۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب ہم قطعی محفوظ نہیں ہیں۔“ حمید نے کہا۔

فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔

”تو پھر وہ پولیس کو ہمارے متعلق اطلاع بھی دے سکتے ہیں کہ ہم اس بھیں میں یہاں

موجود ہیں۔“

”شائد ہی وہ ایسا کریں!“ فریدی نے کہا۔ ”کیونکہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔“

دراصل اب چپ چاپ ہمارا خاتمہ کر دینے کی گھات میں ہیں۔“

”چپ چاپ کیوں! جب وہ ہمیں پہچانتے ہیں تو کبھی بھی اور کسی حالت میں ہمارا خاتمہ

کر سکتے ہیں۔ آپ کو شروع ہی سے بھیں بدل کر رہنا چاہئے تھا۔“

”بس حماقت ہو گئی۔ مجھے دراصل ان کی قوت اور تنظیم کا اندازہ نہیں تھا۔“ فریدی

لگتا ہوا بولا۔ اس نے سونے کے ٹکڑے کو ایک لکڑی کے ڈبے میں رکھ کر دواؤں کے بکس میں ڈال دیا۔ بلی کا بچہ پھر دروازے کی اوٹ سے ریگتا ہوا باہر نکل گیا۔

”ڈرادیکنے۔“ حمید بے اختیار بولا۔

اس کے سفید بالوں میں ہلکی سی نیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلانے

لگا۔ حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُسے اپنے کچھ دیر قبل کے رویے پر افسوس ہونے

لگا۔ وہ خواہ مخواہ فریدی کا مضحکہ اڑاتا رہا تھا۔ درحقیقت فریدی کی اتھاہ پانا بہت مشکل کام ہے۔

حمید اٹھ کر اندر گیا۔ فریدی سیلاچی پر جھکا ہوا منہ دھو رہا تھا۔

”بھئی یہ معاملہ اپنے بس کا نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔ ”تم دیکھ رہے ہو کہ کسی طرح کام بنتا

ہی نہیں۔ کیا بس ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔ اس معاملے میں ہاتھ ڈالنا خود کشی سے کسی طرح کم

نہیں۔ میں اپنی ناکامیوں کی رپورٹ مکمل کر کے نصرت صاحب کو دے دوں گا اور بس.... آج

رات کی ٹرین سے ہم گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے معلوم نہیں مجرموں نے اپنا جال کہاں

کہاں پھیلا رکھا ہے۔“ فریدی سنجیدگی کے ساتھ یہ ساری باتیں کہہ رہا تھا۔ ”چلو جلدی سے تیار

ہو جاؤ۔“ فریدی پھر بولا۔ ”ہمیں میجر نصرت کے یہاں چلنا ہے۔ جہنم میں گیا یہ کیس۔“

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ لوٹ کر اپنے بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔

”پیدل ہی ٹھیک رہے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم آخر اس قدر خاموش کیوں ہو؟“

”کچھ نہیں۔“

”ساری شرارتیں ہو اہو گئیں۔“

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ اس وقت میرے پیچھے پیچھے چلے نہ آئے ہوتے تو میرا کام

تمام ہو چکا ہوتا۔“

”اس میں تو شک نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہونے والی بات۔ میں بلا مقصد بغیر ارادہ

تہمارے پیچھے چلا آیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں ابھی زندہ رہوں گا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”یہ ابھی نہیں کہا جاسکتا۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ ابھی آخری معرکہ باقی ہے۔“

”کیا مطلب....!“ حمید چونک کر بولا۔ ”آج رات کو تو ہم واپس جا رہے ہیں۔“

فریدی سننے لگا۔

”کبھی پہلے بھی فریدی پیچھے ہٹا تھا۔“ اس نے کہا۔

”تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں۔“ فریدی رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”ہمارے عمل خانے میں ایک ڈکٹو گراف رکھا ہوا ہے۔“

”ڈکٹو گراف۔“ حمید اچھل کر بولا۔

”ہاں اور اس کارڈیوگ سٹ کسی اور کمرے میں ہے ہماری ساری گفتگو کسی نے سن لی ہے۔ اس واقعے سے پہلے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ تو منہ دھوتے وقت اس پر نظر پڑ گئی۔ بظاہر وہ فائل کا ڈبہ معلوم ہو رہا تھا۔ اتفاق سے میرا پیر اس سے جا لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹین کا نہیں ہے۔ پھر دیکھنے پر ساری حقیقت واضح ہو گئی.... ہاں تو اس کے ذریعے سے کسی نے ہماری ساری گفتگو سن لی ہے۔“

”تب تو کم از کم اسے پکڑ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ ذرا ہی تلاش کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا سلسلہ کس کمرے سے ہے۔“

”وہ ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ہم جلد ہی ختم کر دیئے جائیں۔ یہ بات میں سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ معلوم نہیں دشمن کہاں اور کس روپ میں موجود ہو۔ بعض اوقات تو مجھے میجر نصرت پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔“

”ارے وہ کیا....!“

”میں یہ نہیں کہتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہو۔“

”خیر چھوڑیے! اب آپ کیا کریں گے۔“ حمید نے کہا۔

”میجر نصرت کے یہاں سے واپسی کے بعد اپنا سامان ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیں گے۔“

”ریلوے اسٹیشن پر۔“

”ہاں اور اس کے بعد ہماری موجودہ شکل و صورت کے دو آدمی نوبے رات والی ٹرین سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”پھر....!“

”پھر ہم ہوں گے اور رینوکا۔“

حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

قتلہ جاگتا ہے

”اس طرح بوکھلا کر مت دیکھو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دونوں رینوکا سے عشق شروع کر دیں گے۔“

”خیر آپ کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ آج کل میں نفسیاتی تجربوں کے خطبہ میں مبتلا ہو گیا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس سلسلے میں رینوکا کو سبکیٹ بنانے کا ارادہ ہے۔“

”یعنی....!“

”یعنی یہ کہ آج رات کو دیکھ لینا۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

وہ دونوں ڈھلوان راستے پر چل رہے تھے۔ ان کے دونوں طرف اونچی نیچی اور کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی چٹانیں تھیں اور راستہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کی دوری پر تھا۔

دفعتاً انہیں اپنے پیچھے ایک زوردار گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ وہ دونوں چونک کر مڑے۔ ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی ان کی طرف چلی آرہی تھی۔ اُس کا حجم اتنا زیادہ تھا کہ اس نے قریب قریب راستے کی پوری چوڑائی کو ڈھک لیا تھا۔

”بھاگو....!“ فریدی بے اختیار چیخا۔

وہ دونوں تیزی سے دوڑنے لگے۔ گڑگڑاہٹ کی آواز رک گئی۔ چٹان راستے کے ایک خفیہ سے موڑ پر پھنس کر رک گئی تھی۔

”چلتے جاؤ! خطرہ ہے۔“ فریدی بدستور دوڑتا ہوا بولا۔ ”ریوالور ہے۔“

”نہیں....!“ حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”میں بھی نہیں لایا.... شاید ہماری عقلیں جرنے لگی تھیں۔“

پھر وہ اُس تک راستے سے نکل کر ایک کشادہ چٹان پر آگئے۔ شہر نزدیک تھا۔ اس لئے وہ دم لینے کے لئے ایک جگہ رک گئے۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ محض اتفاق رہا ہو۔“ حمید ہانپتا ہوا بولا۔

”سب کچھ ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن یہ لوگ کھل کر سامنے نہیں آ رہے ہیں۔“
 ”جناب والا وہ جائیں جہنم میں۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”اگر اس وقت وہ چٹان راستے میں نہ رک
 گئی ہوتی تو ہمارے بیخ کے کباب کیسے ہوتے؟ بس اب سچ سچ چھوڑیے یہ چکر اور چپ چاپ دم ادا
 کر نکل چلے۔“

”یہ میری توہین ہے۔“ فریدی نے منہ سکڑ کر کہا۔

”تو کم از کم میں تو اپنی لاش پر تمغہ نہیں لگوانا چاہتا۔“

”تم واپس جاسکتے ہو۔“

”باس.... اس جیل کے علاوہ اور آپ کو کچھ نہیں آتا۔“

فریدی کوئی جواب دیے بغیر شہر کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں میجر نصرت کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔
 میجر نصرت اندر کسی کام میں مشغول تھا۔

فریدی اور حمید نے اپنے اصلی نام اُسے نہیں بھجوائے تھے۔ بہر حال جب وہ ڈرائنگ روم
 میں آیا تو اس کا رویہ قطعی غیر متعلقانہ تھا۔ کیونکہ میجر نصرت انہیں اس بھیس میں پہچانا نہیں
 اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں کون ہیں تو وہ حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”واقعی آپ اس فن میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔“ میجر نصرت نے کہا۔

”رینوکا کا کیا رہا۔“ فریدی اس کی بات اڑا کر بولا۔ ”کسی نے اس کی ضمانت تو نہیں دی۔“

”مجھے افسوس ہے کہ....!“

”کیا مطلب....!“ فریدی نے بے صبری سے اس کی بات کاٹی۔

”پولیس والوں نے اُسے چھوڑ دیا۔“

”کمال کر دیا آپ نے۔“ فریدی بھنا کر بولا۔ ”میں نے کل رات ہی آپ کو مطلع کر دیا تھا۔“

”کیا اُس کا روک لیا جانا ضروری تھا۔“

”اب یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔“

”اگر کوئی ایسی ہی بات تھی تو آپ کو صاف اطلاع دینی چاہئے تھی۔“ میجر نصرت نے کہا۔

”اب میں کیا بتاؤں۔“ فریدی منہ بنا کر بولا۔ ”میں سمجھتا تھا کہ آپ میرے ٹیکم گڈھ آنے

کی غرض و غایت سے بخوبی واقف ہوں گے۔ بھلا کسی اور معاملے سے مجھے کیا سروکار۔“

”تو کیا اس کا تعلق اس سے تھا۔“

”جناب۔“

”بھئی میں کیا بتاؤں میں نے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو یونہی رسی طور پر اُسے روکے رکھنے کے
 لئے کہہ دیا تھا۔ لہذا اس بیہودے نے رات بھر اسے اپنے بنگلے میں رکھا اور صبح اس سے ایک معافی
 نامہ لکھوا کر چھوڑ دیا۔“

”سب چوہٹ ہو گیا۔“

”پولیس آپ لوگوں کی تلاش میں تھی لیکن اس سلسلے کو میں نے ختم کر دیا ہے۔“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ شاید وہ پورا گروہ ہماری نگرانی کر رہا ہے۔“

”ارے۔“

”جی ہاں.... شروعات ہی غلط ہوئی ہے۔ پورے حالات مجھے ہیڈ کوارٹر ہی میں معلوم ہو جانے
 چاہئے تھے۔ معلوم نہیں اس طرح ہمیں بھجوانے میں کیا مصلحت تھی۔ میں اچھی طرح معاملات کو
 سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کرتا ہوں۔ اس وقت تو یہ عالم ہے کہ ہمارے چاروں طرف بے شمار جال
 ہیں اور اہم اہم اہم کی طرح درمیان میں کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں۔“

میجر نصرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش انہیں دیکھ رہا تھا

فریدی بغیر کچھ کہے سنے کھڑا ہو گیا۔

”تو اب کیا ارادہ ہے۔“ میجر نصرت نے کہا۔

”کچھ نہیں! کچھ نہیں۔“ فریدی کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت زیادہ جھنجھلایا

ہوا تھا۔

”دیکھا تم نے اس ڈیوٹ کو۔“ اس نے حمید سے کہا۔ ”اسی عقل کے بل بوتے پر سپرنٹنڈنٹ

بنے بیٹھے ہیں۔ ان کے تو فرشتے بھی اس معاملے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔“

”میرا تو دل چاہا تھا کہ اس کی مونچھیں اکھاڑ دوں۔“ حمید نے کہا۔

”یو قوف آدمی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے تو اس ڈی۔ ایس۔ پی کے بچے پر تازہ آ رہا ہے

جس نے محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کی ہدایت کے باوجود اُسے چھوڑ دیا۔ انہیں بد بختوں کی

عیاشیوں نے محکمے کو بدنام کر رکھا ہے۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

”آپ رینوکا سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

ایک جگہ رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”ان لوگوں کا طریقہ کار تو اب اچھی طرح میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ وگرنہ کے درے کے قریب دو سفید لاشوں کا پایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حافظہ دتے کے کچھ لوگ بھی مجرموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ہی کہوں گا سب کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اگر سب مجرموں سے ملے ہوتے تو نیلی روشنی دیکھ کر بھاگنے کا دھوکہ رچانے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی۔ ان کا انچارج کیپٹن رگھو بیر سنگھ ہے وہ تو سو فیصد مجرموں سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ کر ہر گز نہ بھاگتے۔“

”خیر یہ بات تو اپنی سمجھ میں آتی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن سونے کے علاوہ اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔“

”یہ فی الحال میں خود نہیں جانتا لیکن محض سونے کی غیر قانونی برآمد کے لئے اتنی اچھل کود لایعنی ہے۔ اس قسم کی چیزوں کی اسمگلنگ معمولی چور اچکے بھی کر لیتے ہیں۔“

وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ اچانک فریدی رک کر بولا۔

”حمید تم ہوٹل واپس جاؤ اور سامان کسی اور ہوٹل میں منتقل کر دو۔ میں میجر نصرت کے یہاں جا رہا ہوں۔“

”کیوں....!“

”یہ ابھی نہ پوچھو۔ وقت بہت کم ہے۔ جاؤ رو نہیں۔ ہمیں صرف ایک ہی بار مرنے ہے....“

آج یا کل.... یا کسی اور دن۔“

”اوہ! تو کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں؟“ حمید تن کر بولا۔

”ہر گز نہیں۔ اچھا تو جاؤ۔ میں تمہیں پانچ بجے سٹیل گھاٹ کے پہلے موڑ پر ملوں گا۔ اس پر ریو اور مت بھولنا۔“

حمید نے فریدی کے چہرے پر بے چینی اور دبے ہوئے جوش کے آثار محسوس کئے اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشیانہ چمک تھی جو اس نے بارہا خطرناک موقعوں پر دیکھی تھی۔ فریدی واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

حمید بڑی طرح چکر لایا ہوا تھا۔ فریدی نے اس سے قبل کبھی اتنی سنجیدگی سے موت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حمید ہوٹل واپس آ گیا۔ حالانکہ وہ پہلے ہی سے ایک ہفتہ کے اخراجات کی رقم ادا کر چکا تھا۔ لیکن بہر حال وہ ہوٹل تو چھوڑنا ہی تھا۔ سب سے پہلے حمید نے فریدی کی دواؤں کا بکس کھولا کیونکہ اسے سونے کے اس ٹکڑے کی فکر زیادہ تھی۔ اس کا اندیشہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ سونے

”چھوڑو بھی۔ مارو گولی۔ جہنم میں جائے۔ جو بات نہیں ہو سکی اس کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا۔

”نیلی روشنی سرحد پار کی چیز نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے اچھی طرح اندازہ لگایا ہے کہ اسمگلنگ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ اسی دن دکھائی دی تھی تا جس دن تم ٹیکم گڈھ آئے تھے۔ جس دن میں نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ لیا تھا۔“

حمید نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”میجر نے کہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سرحد پار والوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا اور ٹیکم گڈھ کی متعدد عمارتوں میں آگ لگ گئی تھی۔ میرے خیال میں مجرموں کا وہ معنو تجربہ اس نیلی روشنی کا پیش خیمہ تھا۔“

”مصنوعی تجربے سے اس کی کیا مراد ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہو نہ ہو! تو کیا تم اسے سچ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تباہ کن حربہ تھا۔“

”آگ جو لگی تھی۔“ حمید نے کہا۔

”کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو تم بھی کر سکتے ہو! شہر میں پہلے ہی سے اپنے گھر گے چھوڑ اس کے بعد دور کی کسی پہاڑی پر چڑھ کر بچوں کی طرح آتش بازیاں چھوڑنا شروع کر دو اور پھر سے بنائی ہوئی سکیم کے تحت تمہارے گھر گے شہر کی عمارتوں میں آگ لگاتے پھریں۔“

”یہ آپ کا قیاس ہی ہے نا۔“

”ہے تو قیاس ہی۔ لیکن سچ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرف والوں سے ہمارا کوئی خفا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ امن چاہتے ہیں۔ دنیا میں تباہی پھیلانے والے جنگ بازوں خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ پھر وہ بھلا ہمیں کیوں تنگ کرنے لگے جب کہ ہم بھی امن چاہتے ہیں اور ہماری پالیسی غیر جانبدارانہ ہے.... حمید یہ ایک بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ اس طرف ہمیں ہمسایہ حکومت سے بدظن کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف.... ہماری کوئی بہت قیمتی چیز ہم سے چھینی جا رہی ہے۔ سونے کے ٹکڑوں کو ریڈیم سے متاثر کر دینا کم از کم اپنی طرف کے سائنسدانوں کے بس کا روگ نہیں۔“

”خدا خیر کرے۔ آپ نے لگائی کوئی بین الاقوامی جست۔“

”دیکھو نا! محض سونے کی ناجائز برآمد کے سلسلے میں اتنی اودھم سمجھ میں نہیں آتی۔“

کا کٹوا غائب تھا۔ پھر وہ بقیہ چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ اب کس ہوٹل میں جائے۔ پھر دفعتاً اسے اس ڈکٹو گراف کا خیال آیا۔ جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔ اُس نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چاروں طرف نظر دوڑا نہیں لیکن کہیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جس پر ڈکٹو گراف کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ کمرے کے نیچے فرش پر دو ننھے ننھے سوراخ دکھائی دیے۔ فرش لکڑی ہی کا تھا وہ تھوڑی دیر تک ان سوراخوں پر نظریں جمائے رہا۔ پھر ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ ڈکٹو گراف کے برقی تار غالباً ان سوراخوں کے ذریعے کسی دوسری جگہ لے جائے گئے تھے۔ اگر فریدی نے اس واقعہ کو ذرا دیر بھی اہمیت دی ہوتی تو اس وقت حمید اس بات کا پتہ لگائے بغیر نہ مانتا کہ ڈکٹو گراف کا دوسرا سلا کس جگہ سے تعلق رکھتا ہے۔

اس نے غسل خانے سے نکل کر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ ویٹر کو اس نے پہلے ہی روائگی کی اطلاع دے دی تھی۔ پھر اس نے سامان ایک ٹیکسی پر لا کر شہر کی راہ لی۔ شہر میں ایسے ہوٹل تھے جن میں وہ اطمینان سے قیام کر سکتے تھے۔ ان میں کچھ اعلیٰ درجے کے بھی تھے لیکن حمید نے ایک ایسے ہوٹل کو ترجیح دی جس میں متوسط طبقے کے لوگ قیام کرتے تھے۔ پانچ بجے اسے ستیل گھائی پہنچنا تھا۔ اس لئے اس نے سامان کو پورے سلیقے سے رکھے زحمت گوارانہ کی اس وقت چارج رہے تھے۔ اس نے جیب میں ریوالور ڈالا اور ستیل گھاڑ طرف چل پڑا۔

ڈکٹو گراف غائب ہو جانے کے بعد سے اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب ان کی کڑی نگاہیں ہو رہی ہے وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو موقع پر سو جھی بھی خوب! مجرم یقیناً اس فقرے آگئے جہی تو انہوں نے ڈکٹو گراف بھی بنالیا۔

وہ چلا رہا اور پھر ستیل گھائی والی سڑک کے پہلے موڑ پر رک گیا۔ گھڑی کی طرف دیکھ کر پانچ بجے تھے مگر فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹک کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً اسے اپنی پشت پر نشیب میں کسی عورت کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ نہ کیوں وہ قہقہہ اسے ایک عجیب قسم کی چیخ معلوم ہوا۔

حمید نے مڑ کر ذرا ساسر اٹھا اور دوسرے ہی لمحہ میں اس کے جسم کے سارے روتھنے کا ہو گئے۔ دوسری طرف نشیب میں فریدی ایک درخت کے تنے سے بندھا کھڑا تھا اور ایک اپنے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا لے اپنے قریب کھڑے تین آدمیوں سے آہستہ آہستہ کچھ کہ

تھی۔ دفعتاً فریدی کی طرف مڑی اور حمید یک بیک چونک پڑا۔ وہ ریو کا تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو دیکھتی رہی پھر شڑاپ سے کوڑا رسید کر دیا۔ فریدی کے جسم میں جنبش تک نہ ہوئی۔ وہ ایک بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔ دوسرا کوڑا پڑا۔ فریدی کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی تو اُس نے ہونٹ پیچھے اور نہ اُس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ اس کا چہرہ کوڑے کی ضربوں کی تکلیف کے تاثر سے یکسر عاری نظر آ رہا تھا۔ کوڑا تیسری بار کوئٹہ اور ریو کا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

”میں کوڑے مار مار کر آج تمہیں ختم کر دوں گی۔“ وہ پر مسرت لہجے میں چیختی۔

فریدی پھر بھی کچھ نہ بولا۔

چوتھا کوڑا پڑا اور حمید آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے ریوالور کا دستہ اس مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں تھیں۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ سے نیچے ریگ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس سے فریدی بندھا ہوا تھا۔ وہ ٹھیک اس کے پیچھے جا کر رک گیا۔ ریو کا برابر کوڑے برسائے جا رہی تھی۔

”تم خواہ خواہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف دے رہی ہو میری جان۔“

”ہٹ جاؤ۔۔۔۔ میں اس پر نشانے کی مشق کروں گا۔“

”نہیں۔۔۔۔!“ ریو کا گرج کر بولی۔ ”میں نے قسم کھائی تھی کہ اسے بڑی اذیت دے کر ماروں گی۔“

”اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو گی کہ تم اتنے دنوں تک مجھ سے جدا رہیں۔ میں یوں ہی مر رہا تھا۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تم پر کس بُری طرح عاشق ہوا ہوں۔“ یہ فریدی کی آواز تھی۔

”خاموش رہو مکار۔“ ریو کا پھر چیختی۔ ”میں ہر حال میں اس بے عزتی کا بدلہ لے کر رہوں گی۔“ ”تمہاری مرضی۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”مگر اُس آدمی سے کہہ دو کہ تمہیں اتنے پیار سے نہ دیکھے ورنہ میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔“

”شٹ اپ۔“ ریو کا نے کہا اور ساتھ ہی ایک کوڑا اور پڑا۔

حمید کا سر چکر اٹھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا سچ فریدی کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے کہ اس حالت میں بھی وہ ذرا برابر خوف کا اظہار نہیں ہونے دے رہا ہے۔

حمید نے سوچا کہ وہ کیوں نہ یک بیک ان لوگوں پر فائزنگ شروع کر دے مگر پھر سوچا کہ کہیں ان میں سے کوئی فریدی کو سچ سچ گولی نہ مار دے۔ اس نے جھاڑیوں سے جھانک کر دیکھا

فرید پہنچ کر رک گیا۔
 ”جان من اگر کوئی خطرناک چیز تمہارے پاس ہو تو تم خود ہی نکال کر دے دو۔ میں تمہارے
 جس جسم کو اپنے ناپاک ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔“ حمید نے مودبانہ انداز میں کہا۔
 ”حمید جلدی کرو۔“ فریدی نے کہا۔

”میرے پاس کچھ نہیں ہے۔“ رینو کا آہستہ سے بولی۔
 ”یقین نہیں آتا۔“ حمید نے کہا اور پوتول کے دستے سے اس کا سارا جسم تھپتھا کر رکھ دیا۔
 ”کچھ نہیں ہے۔“ اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔
 ”اچھا اب دہائی طرف گھوم جاؤ اور چل پڑو۔ اگر کسی نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو خیر نہیں۔“
 فریدی نے مجرموں سے کہا۔

چاروں ایک قطار میں چل پڑے۔
 ”ٹھیک..... ہاں..... اب اس دراڑ میں اتر چلو۔“ فریدی بولا۔
 وہ سب دراڑ میں اتر گئے۔

یہ ایک تنگ و تاریک راستہ تھا۔ فریدی جب سے مارچ نکال کر انہیں دکھانے لگا۔ راستے کی
 چوڑائی دو ڈھائی فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں دیواروں کی
 طرح کھڑی تھیں۔ تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد وہ پھر اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان آگئے۔
 آہستہ گھٹے تک وہ ناہموار کھڈا راستے پر چلتے رہے۔ پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں چاروں طرف
 اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور بیچ میں زمین ہموار تھی۔ حمید جو راستے بھر قطعی خاموش رہا تھا۔ یہاں
 کی طرح اپنی زبان نہ روک سکا۔

”لیکن آپ اس کے ہتھے کس طرح چڑھ گئے۔“

”تمہارا انتظار کر رہا تھا کہ انہوں نے نہ جانے کدھر سے آلیا۔ بس سمجھ لو کہ غفلت میں مارا
 گیا۔ لیکن تم نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں تم آتے ہی فائرنگ نہ شروع
 کر دو۔“

”میں ہر وقت بدحواسی کے موڈ میں نہیں رہتا۔“ حمید نے کہا۔ ”مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔“
 ”بس اب کہیں نہیں جاتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور قیدیوں کو رکے کا حکم دے کر ہولے
 ہولے سیٹی بجانے لگا۔

ادھر ادھر کی چٹانوں سے فوجی سپاہی کود کود کر آنے لگے اور دیکھتے دیکھتے تیس چالیس مسلح

فریدی کے دونوں ہاتھ درخت کے تنے کے گرد لے جا کر کھائیوں کے پاس سے باندھ دیئے گئے
 تھے۔ حمید نے جھاڑیوں سے ہاتھ نکال کر فریدی کے ہاتھوں کو چھوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک
 جھینکے دار جنبش ہوئی اور حمید رسیوں کے بل کھولنے لگا۔

محاضرہ

پھر پوری رسی کھول ڈالنے سے پہلے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ فریدی کو ایک ریو اور
 دے۔ فریدی کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ لیکن اس نے انہیں پہلی ہی جیسی حالت میں رہنے
 کوڑے اس پر برابر برس رہے تھے۔

”رینو..... ڈارلنگ ایک بات سنو۔“ اس نے بڑے پیار سے کہا۔
 رینو کا نے ہاتھ روک لیا۔

”تمہیں وہ ریسٹوران والی بات یاد ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں اس مردہ عورت کو اس
 اپنے قریب دیکھ رہا ہوں۔“

”مت بکو۔“ رینو کا نے چیخ کر کہا۔ ”تم مجھے الو نہیں بنا سکتے۔“
 ”اچھا اگر یقین نہیں آتا تو اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور اس کے
 حمید کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

”اور تم تینوں بھی۔“ فریدی نے کڑک کر کہا۔ ”خبردار اگر ذرا بھی جنبش کی تو بھیجے
 اڑتے پھریں گے۔“

رینو کا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

حمید نے جست لگائی اور جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا فریدی کے برابر پہنچ گیا۔

رینو کا کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

”ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ۔“ فریدی نے حکمانہ لہجہ میں کہا۔ ”رینو کا تم بھی چلا“

سب ایک ہی قطار میں کھڑے ہو گئے۔

”ان کی تلاشی لو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید نے ان سب کی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ تینوں کے پاس ریو اور نکلے پھر وہ

”ڈیڑھ سو۔“
 ”بہت ہیں۔“ فریدی پڑا طینتان لہجے میں بولا۔ ”اچھا تو اب میں اپنا کام دیکھتا ہوں۔“ وہ حمید ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔
 ”بلکہ کچھ بولتے چلے۔“ حمید نے کہا۔ ”ورنہ میرا بھیجا کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں معلق ہو جائے گا۔“

”صبر.... صبر فرزند۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”سب معلوم ہو جائے گا۔ ذرا آہستہ بولو۔ اس طرف آ جاؤ.... اس دراز میں۔“
 ”یہ اتنے فوجی کہاں سے پکڑ لئے۔“
 ”بناتا ہوں.... میرے خیال سے ابھی یہیں ٹھہرو اور اندھیرا پھیل جانے دو۔“ فریدی نے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔

”نہ جانے کب سے میں نے سگار نہیں پیا۔“ فریدی نے ایک سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ حمید خاموشی سے ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

”تمہارے جانے کے بعد۔“ اس نے ایک طویل کش لے کر منہ سے آہستہ آہستہ دھواں نکالتے ہوئے کہا۔ ”میں نے پھر اپنا ارادہ بدل دیا تھا اور میں میجر نصرت کے یہاں جانے کے بجائے سیدھا کمشنر کے یہاں گیا اور پھر اس شریف آدمی نے میری اسکیم کے مطابق یہ سارا انتظام کر دیا۔ وہ خود بھی یہاں کی پولیس سے کافی برگشتہ ہے اور اُسے یہاں کی محافظ فوج پر بھی اعتماد نہیں ہے لہذا اس نے ٹکری کیمپ سے مدارس رجمنٹ کا ایک دستہ بلایا ہے اور وہی میری مدد کر رہا ہے۔“
 ”لیکن یہ تیل کے چشموں کا کیا قصہ ہے۔“

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں سے دس میل دوری پر چند غیر ملکی ماہروں نے پٹرول کے ذخائر کا پتہ لگایا ہے اور وہاں کھدائی کا کام ہو رہا ہے۔ ایک غیر ملکی کمپنی نے ٹھیکہ لیا ہے۔ لیکن سنو آن سائٹ ہاؤس سے کھدائی جاری ہے۔ لیکن وہ ایک قطرہ پٹرولیم حاصل نہیں کر سکے۔“

”تو پھر....!“ حمید بے چینی سے بولا۔ ”کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ یہاں سونا کھود رہے ہیں۔“
 ”قطعاً نہیں.... یہاں سونا کہاں سے آیا۔“
 ”پھر....!“

”سونے سے بھی کوئی زیادہ اہم چیز۔“
 ”یعنی....!“

فوجیوں نے انہیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ ان میں ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ بھی تھا۔ ”قیدی“ فریدی نے لیفٹیننٹ سے کہا۔

چاروں کے جھکڑیاں لگادی گئیں۔
 ”رینو ڈارلنگ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے لئے محفل کی جھکڑیوں کا انتظام نہ کر سکا۔“ فریدی نے کہا۔

رینو کا نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر جھکا لیا۔ کئی فوجی اُسے لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فریدی نے یہ چیز محسوس کر لی اور لیفٹیننٹ سے بولا۔
 ”آفسر! یہ قیدی بہت اہم ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نکل گیا تو پھر ہم زندگی بھر کا مایاب نہیں ہو سکتے۔“

”یہ“ لیفٹیننٹ مسکرا کر بولا۔ ”ان کے فرشتے بھی نہیں نکل سکتے۔“
 ”تیل کے چشموں کی طرف کون جائے گا۔“ فریدی نے اُس سے پوچھا۔
 ”خود کیپٹن شہاب۔“
 ”ٹھیک ہے۔“

تیل کے چشموں کا نام سن کر وہ چاروں بُری طرح چونکے۔ خصوصاً رینو کا تو سفید پڑ گئی۔
 ”رینو ڈارلنگ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیل کے چشموں کا ڈھونگ کس لئے رچایا ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ آج وہ نیلی سرچ لائٹ بھی ہمارے قبضے میں آ جائے گی اور وہ خونی شعاعیں بنا روشنی کی گود سے نکل کر ٹیکم گڈھ کی فضاؤں میں پرواز کرتی ہیں اور سناؤ تمہارے کبوتروں کا حال ہے اور ہاں یہ بھی سنو کہ اب کوئی جوان آدمی ریڈیم سے متاثر شدہ سونے کا شکار ہو کر سنہ موت نہیں مرے گا۔“

رینو کا حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھی تو نہ طرح گھبرائے ہوئے تھے۔

”میں تم سے نہیں پوچھوں گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”مکہ وگراج کے درے سے کیا چیز اسمگل آؤٹ ہوتی ہے اس لئے کہ شاید اس راز سے تم بھی واقف نہ ہو گی۔“
 فریدی خاموش ہو گیا۔

پھر وہ تھوڑی دیر بعد لیفٹیننٹ کی طرف مڑا۔ ”اچھا آفسر اب تم انہیں سنبھالو اور پھر وگراج تو تمہیں معلوم ہی ہے اور ہاں کیپٹن شہاب کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔“

”ظاہر ہے۔“ حمید نے کہا اور اپنے پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید بولا۔

”ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں۔“

”دگران کا درہ....!“ فریدی نے کہا۔

”مگر ہمیں تو اس دستے کے ساتھ ہونا چاہئے تھا جو تیل کے چشموں کی طرف گیا ہے۔“

”کیوں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کیا وہ زیادہ اہم نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وہ چیز ہے جو دگران کے

درے سے لی جاتی ہے۔“

”وہاں کے محافظ دستے کا کیا ہو گا؟“ حمید نے پوچھا۔

”ظاہر ہے کہ وہ نیلی روشنی دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگے گا۔“

”اور وہ پولیس چوکی۔“

”وہاں کے لوگ بھی ان کی تقلید کرتے ہیں بھلا کون ایسا ہے جو اس سفید حادثے سے نہ

ڈرے گا۔“

”پھر....!“

”پھر ہم دیکھیں گے کہ سونا کس طرح لے جایا جاتا ہے۔“

”صرف ہم ہوں گے۔“

”نہیں کچھ فوجی بھی، جو تین بجے سے دگران کے درے کے قریب شکار کھیل رہے ہیں،

اندھیرا ہونے سے قبل ہی انہوں نے واپسی کا بہانہ کر کے چھپنے کے لئے جگہ تلاش کر لی ہو گی۔“

”مگر....!“

”ہاں میں جانتا ہوں جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو۔“ فریدی نے ایک طویل کش لے کر سگار

بجھاتے ہوئے کہا۔

”وہ جو تم نے فوجی دیکھے تھے وہ دگران کے درے کے محافظ دستے کو سنبھال لیں گے۔“

”وہ بھی اسی درے کے قریب جنگلوں میں منتشر ہو گئے ہوں گے۔“

”یہ تو آپ....!“ حمید اس طرح بولا جیسے اُسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔

”تھیلی پر سرسوں جھالے والا محاورہ اسی وقت میری سمجھ میں آیا ہے۔“

”چھوڑو یار....! ابھی سے مجھے لال بچھکو بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں بھی تمہاری ہی طرح

آدمی ہوں۔“

”تو وہاں بھی کوئی فوجی دستہ گیا ہے۔“

”ہاں....!“

”کیوں....!“

”نیلی سرچ لائٹ اور اُسے استعمال کرنے والوں کو قابو میں کرنے کے لئے۔“

”نیلی سرچ لائٹ۔“

”ہاں پیارے! نیلی سرچ لائٹ! اور وہ آتشبازیاں۔“

”کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔“ حمید نے کہا۔

”بھلا شرمندگی کس بات کی۔“ اگر وہاں کوئی سرچ لائٹ استعمال کی گئی تو وہ انہیں پکڑ لیں

گے۔ ورنہ واپس آ جائیں گے۔“

”فرض کیجئے انہیں آپ کی اسکیم کی اطلاع ہو گئی اور وہ آج چپ چاپ ہی بیٹھ رہے۔“

”اس کا امکان بہت کم ہے کہ مجرموں کو اس کا علم ہو سکے۔“

”نہ جانے کیوں مجھے کامیابی کا یقین نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔

”نہ سہی پھر دیکھا جائے گا۔ بہر حال اب یا تو یہ راز ظاہر ہو گا یا یہاں کی سیاسی چٹانیں میرے

خون سے رنگین نظر آئیں گی۔“

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا۔ پھر یک بیک بولا۔

”یہاں کا محکمہ سراغ رسانی یا تو بالکل ناکارہ ہے یا سب کے سب مجرموں سے ملے ہوئے

ہیں۔ انہوں نے مجھے پورے حالات تک سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اگر میں آج کشنر سے نہ ملتا تو اتنی

باتیں کبھی نہ معلوم ہوتیں۔ جانتے ہو سب سے پہلے ہمسایہ ملک کے مفروضہ تباہ کن حربے کی

طرف کس نے حکومت کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ یہ وہی اُس غیر ملکی کمپنی کے کارکن تھے۔

انہوں نے یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ ہمسایہ ملک اپنے کسی تباہ کن حربے سے پٹرولیم کے ذخائر برباد

کر دینا چاہتا ہے۔“

”پھر....!“ حمید نے اُسے ٹوکا۔

”پھر کیا! جب پہلے حادثے کے چھ ماہ بعد نیلی روشنی کا ظہور ہوا تو پھر انہی کارکنوں نے ہانک

لگائی۔ اگر کچھ دنوں تک یہی سلسلہ جاری رہا تو ہمسایہ ملک سے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔“

مندوق رکھا تھا۔

فوجیوں نے راقفل کے کندے مار مار کر اس کا تالا توڑ دیا اور جب ڈھلکا اٹھایا گیا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اس میں سونے کی انٹیں بھری ہوئی تھیں۔
”ہرا....!“ حمید نے نعرہ لگایا۔

ڈرائیور کو باندھ کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔

”کیپٹن راجیشور مبارک ہو۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”میں کیپٹن نہیں لیفٹیننٹ ہوں۔“ فریدی کے قریب کھڑے ہوئے فوجی نے کہا۔

”اتنے بڑے کارنامے کے بعد آپ صرف لیفٹیننٹ نہیں رہ سکتے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حیرت انگیز انکشاف

اسی رات کو ٹیکم گڈھ کی کوتوالی کے طویل و عریض صحن میں قیدیوں کا جم غفیر نظر آ رہا تھا۔ ٹیکم گڈھ میں سارے بڑے حکام موجود تھے۔ فریدی اور حمید ایک جگہ کھڑے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً ایک بڑی سی ٹرک اندر داخل ہوئی اور رکنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک فوجی اُس پر سے کود پڑا۔

”ہیلو کیپٹن شہاب۔“ فریدی بے اختیار بولا۔

”فتح۔“ کیپٹن شہاب اپنا دایا ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

آفیسر زاس کے گرد جمع ہونے لگے۔

کیپٹن شہاب بلند آواز میں فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”وہ نیلی سرچ لائٹ ہی تھی۔ میں اُسے لاد لایا ہوں۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ ہمارا ایک آدمی کام آگیا۔ لیکن ہم نے انہیں جکڑ لیا ہے۔ سفید نسل کے پندرہ سو رہیں اور بقیہ اپنے دیسی کتے۔ کل پینتالیس ہیں۔ ہمارا ارادہ فائرنگ کا نہیں تھا مگر خود انہوں نے پہلی کی۔ مگرانی کے لئے کچھ آدمی چھوڑ آیا ہوں۔“

اس ٹرک کے پیچھے کچھ اور ٹرکیں بھی تھیں جن پر سے قیدیوں کو اتارا جانے لگا۔ پھر سرچ لائٹ اتاری گئی۔ اس کی اونچائی چھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہوگا۔

چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ دونوں وگراج کے درے کی طرف بڑھ گئے۔ اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان آتے فریدی زمین پر لیٹ کر سینے کے بل ریٹکے لگتا اور سردی سے کانپ رہا تھا۔ فریدی کے جسم پر بھی ایسے کپڑے نہیں تھے جو سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوتے۔ بہر حال وہ بڑھتے رہے ایک جگہ فریدی رک گیا۔
”ہمیں یہیں ٹھہرنا ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ فوجی بھی کہیں قریب ہی موجود ہوں گے۔“

لومڑیوں نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ کئی تو دوڑتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئیں۔ آسمان نیابہاں بکھیر رہا تھا۔ سناٹے میں ہوا کی سائیں سائیں ایسی لگ رہی تھیں جیسے صد ہا سال نیند میں ڈوبی ہوئی چٹانیں خواب آلود اور گہری سانس لے رہی ہوں۔ کبھی کبھی جھاڑیوں میں پہاڑی چوہوں کی سرسراہٹ گونج اٹھتی۔ فریدی کی گھڑی کی چمکدار سوئیوں نے دس بجائے اور افق میں نیلی روشنی ابھرنے لگی اور پھر انہیں وگراج درے کے محافظ دستے کے کیمپ میں بالچل سنائی دی۔ دُرنی جو توں کی بہت سی آوازیں چٹانوں میں گونجنے لگیں، جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔ نیلی روشنی کی شعاعیں بڑھنے لگیں اور آس پاس بالکل سناٹا چھا گیا۔ البتہ بھاگنے والوں کے قدموں کی آواز کہیں دور سنائی دے رہی تھیں۔
”اٹھو....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

وہ دونوں درے کی طرف ریٹکے لگے۔ ابھی وہ سڑک بھی نہیں پار کر سکے تھے کہ انہیں دو ایک بڑی سی متحرک چیز دکھائی دی جو تیزی سے درے کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ دونوں تیز چلنے لگے۔ لیکن سڑک کے کنارے پہنچنے سے قبل ہی وہ چیز قریب آگئی یہ ایک بغیر آواز کے الیکٹرک کار تھی جو درے میں داخل ہونے جا رہی تھی۔ فریدی اور حمید نے ریو اور نکال کر پچھلے پہیوں پر فائرنگ کرنا شروع کر دی۔ کار سے بھی فائر ہوئے۔ غالباً کار کا ڈرائیور بوکھلا گیا تھا۔ اگر فوراً ہی بریک نہ لگا دیتا تو وہ ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔

فوجیوں نے بڑھ کر اُسے زرنے میں لے لیا اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس پر پڑنے لگیں۔ پچھلی سیٹ پر ایک آدمی اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پیٹھ میں گولی لگی تھی اور ڈرائیور بیٹھائی طر کاںپ رہا تھا۔

”کون ہو تم....!“ فریدی نے گرج کر پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ درمیان میں ایک

”دیکھا آپ نے۔“ فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ ”یہی ہے وہ تباہ کن ہتھیار جو ہمسایہ ملک استعمال کرتا تھا۔“

کمشنر پر خیال انداز میں سر ہلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ دونوں ٹہلے ہوئے وگراج درے کے محافظوں کی طرف آئے فریدی اُن کے آفیسر کیپٹن رگھویر کے سامنے آکر رک گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

”کیوں کیپٹن! اسی طرح فرض ادا کیا جاتا ہے۔“ فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ کیپٹن رگھویر کے ہونٹ آہستہ سے ہلے لیکن آواز نہ نکلی۔ شاید کوئی گالی اُس کے ہونٹوں تک آکر لوٹ گئی تھی۔

”تم اپنی جان کے خوف سے بھاگے تھے نا۔“ فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”ہاں فوراً یہ جلدی سے بتا جاؤ کہ محکمہ سراغ رسانی کے کون بزرگ تم لوگوں سے ملے ہوئے تھے۔“

”میں کیا جانوں تم کیا بک رہے ہو۔“ کیپٹن رگھویر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ لیکن پھر دفعتاً گرجنے لگا۔ ”مجھے ہتھکڑی کیوں لگائی گئی ہے۔ میرے ساتھ معمولی مجرموں جیسا برتاؤ کیوں کیا جا رہا ہے۔ میں پولیس کا قیدی نہیں۔ میں صرف اپنے آفیسر کے سامنے جواب دہ ہو سکتا ہوں۔“

”جان من جگڑنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا اور ایک بھر پور ہاتھ رگھویر کے منہ پر جھاڑ دیا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ بُری طرح جھنجھکے اور اس کی آنکھوں سے خون اترتا معلوم ہونے لگا۔

کمشنر کی موجودگی میں کسی قیدی کو چاٹنا مار دینا فریدی ہی کا کام تھا۔ سارے پولیس آفیسر سنائے میں آگئے خود کمشنر کے ماتھے پر بھی سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

”تمہاری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔“ فریدی نے دانت پیس کر کہا۔

”میں تین سال سے تمہاری تلاش میں ہوں۔“

کیپٹن رگھویر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

فریدی دوسرے آفیسروں کو تحیر میں مبتلا چھوڑ کر سفید فام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”شریف آدمیو! کیا تم ہم مشرقیوں کو اتنا احق سمجھتے ہو۔“ فریدی نے انگریزی میں کہا۔

”یہ کیا بھودگی ہے۔“ ان میں سے ایک گرج کر بولا۔ ”ہم لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان کیا جا

ہے۔ میں اپنے ملک کے سفار تھانے کو ایک پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔“

”اس تو جین کا مطلب۔“

وہ اس کے علاوہ بھی نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔

فریدی مسکراتا رہا۔

”مسٹر فریدی۔“ کمشنر نے فریدی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ذرا ادھر آئیے۔“

پھر وہ اُسے ایک طرف بلے جا کر کہنے لگا۔ ”سوچ سمجھ کر! محافظ دستے کی گرفتاری تو خیر کسی نہ کسی طرح کھینچ کر جائز کی بھی جاسکتی ہے مگر یہ....! ان لوگوں کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کیا جائے گا۔ ان پر صرف سرچ لائٹ استعمال کر کے ہراس پھیلانے کا الزام لگایا جاسکتا ہے لیکن اس پر ہمیں ایک آدھ بار انہیں وارننگ دیے بغیر گرفتار کر لینے کا حق نہیں ہے۔ قاعدے کی رو سے سب سے پہلے ہمیں اس کی اطلاع ان کے ملک کے سفار تھانے کو دینی چاہئے تھی۔“

”مطمئن رہئے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ان کے جرم ہی کے لحاظ سے انہیں اس برتاؤ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ محض سرچ لائٹ والا معاملہ ان کے لئے قطعی ناکافی ہے۔“

”ہمیا سونے کا اسٹنگ۔“

”جناب والا۔“

”مگر اس کا ثبوت۔“

”میں دوں گا۔“ فریدی قدرے جھک کر بولا۔

”بھی کیسے! میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آتا۔ کمشنر نے اکتا کر کہا۔ سونے کی اسٹنگ کے لئے اتنی کھینچ تان۔“

”وہی عرض کروں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اسی خیال نے مجھے بھی ان تک پہنچایا ہے۔ اچھا رگھویر سنگھ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”اس کی قومیت۔“ فریدی نے کہا۔

”ظاہر ہے کہ سکھ ہے۔“ کمشنر جھنجھلا کر بولا۔

”نہیں جناب والا۔ سکھ ہونا تو الگ رہا۔ وہ اپنے دیس کا بھی نہیں ہے۔“

”نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ کمشنر نے اکتا کر کہا۔

”ابھی عرض کرتا ہوں۔“ آئیے میرے ساتھ۔ فریدی نے کہا اور کیپٹن رگھویر سنگھ کے قریب جا کر رک گیا۔

”ہیلو کرئل۔“ فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

رگھویر سنگھ بے اختیار اچھل پڑا۔

”دیکھ رہے ہیں آپ۔“ فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ ”یہ کیپٹن ہو کر کرئل کے ہم پر چو نکلتا ہے۔ حالانکہ اسے میری جہالت پر ہنسا چاہئے تھا۔“

وہ پھر کیپٹن رگھویر سے کچھ کہنے جا رہا تھا۔ لیکن دفعتاً رک گیا اور کمشنر کو الگ لے جا کر بولا۔ ”آپ یہاں کی سب سے بڑی ذمے دار شخصیت ہیں۔ اس لئے ایک چیز کا اظہار قبل از وقت ضروری ہے۔ میں ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھانے جا رہا ہوں جس سے ساری دنیا میں کھلبلی مچ سکتی ہے لہذا اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ہماری حکومت کا کیا رویہ ہوگا۔“ کمشنر آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

”بھئی کہہ بھی چکے۔ مجھے کیوں خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں۔“ اس نے جھنجھلا کر کہا۔ فریدی آگے جھک کر آہستہ آہستہ اُس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ جسے حمید نے سن سکا۔

”نہیں.....!“ کمشنر حیرت آمیز لہجے میں بولا۔

”نہ گھوڑا دور نہ میدان۔“ فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

”اوہ، اگر یہ بات ہے تو۔“ کمشنر نے چپنی میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

”جناب والا..... آپ کا خیال قطعی درست ہے کہ محض سولے کی اسمگلنگ کے لئے اتنی اچھل کود ناممکن ہے۔“

”تو پھر..... تو پھر..... اُسے اوپر اطلاع پہنچائے بغیر ظاہر نہ کرنا چاہئے۔“ کمشنر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”کیپٹن رگھویر اور دوسرے سفید فام قیدیوں کو کسی الگ کمرے میں لے چلے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرے خیال سے وہ کمرہ بہتر رہے گا۔ جہاں وہ سونا رکھا گیا ہے۔“

”اور کون کون ہوگا؟“

”صرف آپ، میں اور میرا ساتھی۔“

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے!“ کمشنر وہاں سے ہٹ گیا۔

”کہئے کیا اب کوئی نئی بات سوچی۔“ حمید نے کہا۔

”بے صبری اچھی نہیں حمید صاحب۔“ فریدی مسکرایا۔

”آپ تو اتنا مزہ لے لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جیسے شبِ عروسی بسر کرنے جا رہے ہوں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ”یہ واقعی شبِ عروسی ہے۔ مجرم میرے

بچے ہیں جن میں ایک عظیم الشان جرم پر سے پردہ اٹھانے جا رہا ہوں۔“

”پردہ بک..... بک.....“ حمید ہلکایا۔

”سٹاپ۔ کوئی لغویات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”خیر چھوڑیئے! بتائیے یہ رگھویر سنگھ کون ہے۔“

”تف..... ہے تمہاری ذہانت پر۔“ فریدی براہِ سامنے بنا کر بولا۔ ”تمہیں تو کوئی گھٹیا سانا دل

دلیں ہونا چاہئے تھا اس جھگے میں ناحق جھک مارنے کے لئے آئے۔“

”اب میں کوئی غائب دان ہوں۔“

”سینکڑوں بار میری پرسنل فائل میں اس کا نوٹ دیکھ چکے ہو۔“

”مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔“

”ابھی یاد آجائے گا۔“

وہ دونوں قیدیوں کو گذرتے دیکھتے رہے۔

کمشنر انہیں ایک علیحدہ کمرے میں لے جانے کا انتظام کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے

آمد سے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا وہ دونوں اس کی طرف بڑھے۔

”یہاں اس برآمدے کے قریب بھی کوئی نہ آنے پائے۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کا انتظام کر لیا گیا ہے۔“ کمشنر نے کہا اور وہ تینوں کمرے میں چلے گئے۔

رگھویر سنگھ اور سارے سفید فام قیدی موجود تھے۔ ان میں سے کچھ کے چہروں پر ہوائیاں

دہی تھیں اور کچھ بیچ و تاب کھا رہے تھے۔ رگھویر سنگھ بار بار اپنے خنگ ہونٹوں پر زبان پھیر رہا

تھا۔ اس کی نظریں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ خود کو سنبالنے کی کوشش کرنے

لا۔ شاید اُسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ وہ تن کر بیٹھ گیا اور اس

راز غیر متعلقانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اب وہ کمرے کے فرنیچر کی پائیداری اور

دھورتی کے بارے میں کچھ کہے گا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

”جو کچھ بھی کیا گیا ہے اس کا تمنازہ تم لوگوں کو بھگتنا پڑے گا۔“

”خوب.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ تم انفرادی حیثیت سے کہہ رہے ہو یا تمہاری زبان

ہماری حکومت کی نمائندگی کر رہی ہے۔“

”شاید تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ رگھویر سنگھ دانت پیس کر بولا۔

”واڑھی تو تم نے بڑھالی تھی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن اس گنجی کھوپڑی کا علاج کس طرح کرتے۔ تم لوگوں نے ایٹم بم بنانے کی بجائے گنجی کھوپڑیوں کو دوبارہ ہند بہار بنانے کا کوئی آلہ ایجاد کیا ہوتا تو اس وقت اس طرح تمہاری درگت کیوں بنتی۔“

پھر وہ کمشنر کو مخاطب کر کے بولا۔ ”یہ کرٹل ڈکسن ہے ایک جنگ باز ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک آفیسر۔“

”ارے....!“ مجسٹریٹ چونک کر بولا۔

”اس کا فوٹو مرکزی دفتر میں محفوظ ہے۔“ فریدی نے کہا اور سونے کی اینٹوں والے صندوق کا ڈھکنا اٹھا کر بولا؟ ”بھلا کسی سیکرٹ سروس والے کو سونے کی ناجائز آمد سے کیا سروکار۔“

”کیوں نہیں۔“ حمید بے ساختہ بولا۔ ”یہ ہمیں اس طرح کنکال بنا کر اپنا دست نگر بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے کئی ملکوں کے ساتھ یہی حرکت کی ہے۔ کسی کا غلہ غائب اور کسی کا سونا غائب اور کسی کا کپڑا غائب اور پھر انہیں انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اپنا پابند بنائے رکھنے کے لئے دل کھول کر مدد بھی دی ہے۔ ایک طرف انہیں لوٹا اور دوسرے دروازے سے نئی داتا بن کر آگئے ہیں۔“

”تمہارا یہ خیال بھی غلط نہیں ہے۔“ فریدی نے صندوق سے ایک اینٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔“

کرٹل ڈکسن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی پر جھپٹ پڑے گا۔ حمید نے ریوا اور نکال لیا۔

”خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو....!“

فریدی سونے کی اینٹ کو ہاتھ میں تولنے لگا۔ پھر جیب سے ایک قلم تراش چاقو نکالا۔ وہ چاقو کا پھل اس طرح اس اینٹ کے کناروں پر چسورہا تھا جیسے کسی سختی سے بند کئے ہوئے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً اینٹ کی ایک پرت نکل کر زمین پر گری اور فریدی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ پھر اس نے کھلے ہوئے حصے کو ہتھیلی پر اٹھا اور کسی دھات کا چکدرارہ ہتھیلی پر گرنے لگا۔

”دیکھا آپ نے۔“ فریدی نے کمشنر اور مجسٹریٹ کو مخاطب کای۔

”یہ کیا....!“ مجسٹریٹ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

حمید کی الجھن پھر بڑھنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلدی سے یہ ڈرامہ ختم بھی ہو چکے لیکن وہ فریدی کی عادت سے بخوبی واقف تھا اس منزل پر پہنچ کر فریدی سے جلد بازی کی توقع فصول تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ مزہ لے لے کر آگے بڑھنے کا عادی تھا۔ جیسے نہایت لازمی قسم کی آکس کریم کھا رہا ہو۔

فریدی رگھویر سنگھ کی بات کا جواب دینے کی بجائے کمشنر کی طرف مڑا۔

”میرے خیال سے ایک مجسٹریٹ کی موجودگی بھی ضروری ہے۔“ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ قطعی ضروری ہے، مجھے بھی خیال نہیں رہا تھا۔“ کمشنر نے کہا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔

فریدی کی نظریں رگھویر سنگھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر ایک شرار آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

حمید سوچنے لگا کہ اگر یہ سولہ عدد دیک بیک ان پر ٹوٹ پڑیں تو جھکڑیاں ہی مار مار کر دونوں کا قیمہ بنا ڈالیں گے۔ وہ آہستہ سے دروازے کی طرف سرک گیا لیکن اُسے وہاں سے ہٹا پڑا۔ کیونکہ کمشنر ایک مجسٹریٹ کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا تھا۔

”ہاں تو شریف آدمی۔“ فریدی قیدیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”وہ زہریلا سونا کس کا تھا تھی۔ میں اس عظیم سائنسٹ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں جس نے اس کو ریڈیم کے ساتھ چار کر کے اتنا خطرناک بنا دیا تھا کہ اُسے چھونے والے بوڑھے ہو کر مر جاتے تھے۔“

قیدیوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے۔ رگھویر سنگھ اپنی خونی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

”تو صحیح معنوں میں تم ہی ان کے لیڈر ہو۔“ فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

”بکواس ہے۔“ رگھویر سنگھ چیخا۔

”کرٹل ڈکسن۔“ فریدی نے سخت لہجہ میں کہا۔ ”تمہاری یہ واڑھی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔“

”کرٹل ڈکسن....!“ کمشنر اور مجسٹریٹ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا اور وہ فریدی

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگے۔

”جناب والا۔“ فریدی نے قدرے جھک کر بولا۔ ”میں تین سال سے اس کی تلاش

ہوں اگر یقین نہیں تو یہ دیکھئے۔“

فریدی نے بڑھ کر رگھویر سنگھ کی پگڑی کھینچ لی۔ پگڑی کے ساتھ ہی مصنوعی بال بھڑکے آئے اور رگھویر کی گنجی کھوپڑی بجلی کی روشنی میں انڈے کے چھلکے کی طرح چمکنے لگی۔

کشنر بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بھیچے ہوئے تھے اور ماتھے پر لکیریں اُبھر آئی تھیں۔

”یورونیم.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”وہ دھات جو ایٹم بم بنانے میں کام آتی ہے۔“

”مگر..... مگر.....!“

”یہ دھات ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور ان کا ملک ایک عرصہ سے اس پر دانت لگائے ہوئے ہے لیکن ہماری حکومت نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے دوسری چال چلی۔ مٹی کا تیل نکالنے کا ڈھونگ رچایا۔ تقریباً چھ ماہ سے یہ کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن آج تک قطرہ بھی نہ نکال سکے۔ اس عرصہ میں جو کچھ یہ حاصل کرتے رہے ہیں آپ کے سامنے ہے۔“

”اوہ.....!“ مجسٹریٹ بے چینی سے ہاتھ ملنے لگا۔

”اور تم کرنل ڈکسن.....!“ فریدی رگھویر سنگھ کی طرف مڑا۔ ”آج سے تین سال قبل تم نے فوج میں کمیشن لیا اور ترقی کرتے کرتے کیپٹن کے عہدے تک پہنچ گئے اور وگراج کے درے تک تم کس طرح پہنچے یہ اب دیکھنا ہے۔“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی بولتا رہا۔ ”لیکن اتنا یاد رکھو کہ ہمارا یورونیم تخریبی کاموں کے لئے نہیں تمہاری منصوبہ بندیاں خاک میں ملا دی جائیں گی۔ ہم دنیا میں امن چاہتے ہیں۔ کسی جنگ باز ملک کا آلہ کار نہیں بن سکتے۔“

کرنل ڈکسن یا رگھویر سنگھ خاموش بیٹھا رہا اس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں پڑے ہوئے تھے اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ وہ کسی حرکت میں مشغول ہے۔ دفعتاً اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ فریدی وغیرہ اس کی طرف لپکے لیکن وہ اتنی دیر میں سرد ہو چکا تھا۔

”کیا مر گیا.....!“ کشنر بوکھلا کر بولا۔

”جی.....!“ فریدی پر سکون لہجے میں بولا۔

”مگر کیسے.....! مگر کیسے۔“

فریدی نے اس کا داہنہ ہاتھ اٹھایا۔ ایک انگلی میں خون کا ایک ننھا سا قطرہ دکھائی دیا ”میرے خیال سے اب اس قصے کو ختم کرنا چاہئے۔“ فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ ”مجرم آپ کے سامنے ہیں اور ان کا جرم بھی..... اس سازش کے لیڈر نے آپ کے سامنے خود کشی کر لی ہے۔“

”مگر کس طرح۔“

”یہ دیکھئے.....!“ فریدی نے اُس کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

”مگر..... یہ کیا..... یہ خون.....!“

”جی ہاں خون۔“ فریدی نے اس کا بایاں ہاتھ کھینچ کر سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ سارا فتور ناٹو مٹی کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھئے اس کا اوپری ڈھکن کھلا ہوا ہے اور اس کے اندر لگی ہوئی یہ کیلی سوئی غالباً زہریلی ہے۔ بہر حال یہ معلوم کرنا پوسٹ مارٹم کرنے والوں کا کام ہے کہ موت کی طرح واقع ہوئی۔ اب انہیں آپ سنبھالئے۔ مجھے ابھی ان کے مشنر کو بھی دیکھنا ہے۔“

کشنر اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

”یہ سب جملہ سبب ہے..... جھوٹ ہے۔“ قیدی بڑبڑائے۔

”شٹ اپ۔“ فریدی نے پلٹ کر کہا اور حمید کو لے کر کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک جیب کار میں بیٹھ کر مٹی کے مفروضہ تیل کے چشموں کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید نرہی طرح چپک رہا تھا۔ اس کامیابی کے سلسلے میں اس نے بس بغلیں ہی نہیں بجائیں رہے اور سب کچھ کر گذرا۔

مٹی کے تیل کے چشموں پر ملٹری کا پہرہ لگا ہوا تھا اور اس دوران میں کیپٹن شہاب پھر واپس لیا تھا اور اس وقت وہیں موجود تھا۔ اگر پہلے ہی نہ چلا آیا ہوتا تو شاید اس وقت تک ان دونوں کو اگھنے بھی نہ دیتا۔

تھوڑی دیر کی چھان بین کے بعد فریدی نے بہت سے کار آمد کاغذات پر قبضہ کیا اور اس کا بھی پتہ لگایا جس کے ذریعہ یورونیم کو ذروں کی شکل میں تبدیل کیا جاتا تھا۔

مجرموں کے خلاف ثبوت پیش کرنے کے لئے کافی مواد اکٹھا ہو گیا تھا اور انہیں کے ات کی مدد سے محکمہ سراغ رسانی کے دو انسپکٹر اور ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بھی پکڑا گیا۔ لیکن یہ مل تھا جو حمید کو ریگستانی اسٹیشن میں اپنی کار پر ٹیکم گڈھ کے قریب لے گیا تھا وہ دونوں دوسری رات وہیں مشغول رہے۔ اس دوران میں کشنر نے بھی کئی چکر لگائے۔ ساری تحقیقات انتہائی آسانی سے کی جا رہی تھی۔

دوسرے دن کے اخبارات نے صرف سونے کی ناجائز برآمد کرنے والے گروہ کی گرفتاری کا چمچا تھا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ گیارہ ماہ دہائی کے تیل کے بہانے سونا کھود رہے تھے۔ کیپٹن رگھویر کی خود کشی کی خبر بھی

شائع ہوئی تھی۔ اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اس نے فرض کی ادائیگی سے کوتاہی برتنے کی بدنامی سے بچنے کے لئے خودکشی کی تھی۔

کمشنر کے الفاظ میں معاملہ اوپر کی طرف بڑھا دیا گیا اور فریدی اور حمید واپس آ گئے۔ اسٹیشن پر ان کے محکمے کے اعلیٰ آفیسروں نے ان کا شاندار استقبال کیا اور کچھ دنوں بعد فریدی اور حمید وزیراعظم کے خطوط ملے جن میں انہیں مبارک باد دینے کے بعد پوری قوم کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

اس زہریلے سونے کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ معاملہ چونکہ آگے بڑھا دیا گیا تھا اس لئے اس میں اب کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ کرئل ڈکسن کی موت کے بعد بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ملٹری میں کن ذرائع سے داخل ہوا تھا اور اس کی رسائی و گراج درے کے محافظ دستے تک کس طرح ہوئی۔ اس کا جو سامان ملا تھا اس میں بھی کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے ان حالات پر روشنی پڑ سکتی۔

البتہ فریدی آج تک اسی ادھیڑ بن میں پڑا ہوا ہے کہ مجرموں نے سونے کو ریڈیم کے کمرے طرح چارج کیا تھا۔

حمید اکثر اسے اس پر چھیڑتا۔

”اب چھوڑیے بھی اس چکر کو۔“ وہ کہتا۔۔۔۔۔ ”یہ سوچئے کہ ایک آدمی کو شادی کے قائل کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ آپ نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر بھی لیا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا شادی کیجئے کم از کم ایک آدھ یادگار تو چھوڑ جائیے ورنہ معلوم نہیں کب پستول کی گولی گدی سہلا ہوئی حلق کے راستے نکل جائے۔“

اور فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ جاتا۔

ختم شد